تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد (14)

سورہ رعد (مکمل)

سورہ ابراہیم (مکمل)

سورہ جن (مکمل)

سورہ نحل (مکمل)

تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد (14)

سورہ رعد (مکمل)

سورہ ابراہیم (مکمل)

سورہ جن (مکمل)

سورہ نحل (مکمل)

جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب======== تفسیر الفرقان

نام مصنف======== محمد طاہر بھٹی چک قاسمکا

جلد نمبر======== (14)

صفحات ======== ۵۰۰

قیمت ======== 0

ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

موبائل نمبر

03477172726 , 03030144460

ایڈریس

چک قاسمکا تحصیل وضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

E-mail:Tahirbhatti697@gmail.com

فہرست

عنوانات	نمبر شمار
سورہ الرعد	15
سورت کا نام اور وجہ تسمیہ	15
سورہ الرعد مکی ہے یا مدنی	17
فضیلت	17
مضامین کا خلاصہ	17
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر چند مشہور معجزات	19
شان نزول	21
"غیب" کیا ہے؟	24
ہر آدمی کے ساتھ فرشتے مقرر ہیں	27
کتنے فرشتے مقرر ہیں	28
الرعد اور الصواعق کے معانی	35

پانی کے ساتھ غیر اللہ کی تمثیل کے محامل	38
حق و باطل کی مثالیں	46
شان نزول	52
توکل کا صحیح مفہوم	54
رشتوں کو جوڑنے کی اقسام	56
جنت جن صفات کی بناء پر عطا ہوتی ہے	62
ہمیشہ جنت الفردوس کی دعا کرنی چاہیے	63
بغیر نیک اعمال کے نسب کا کوئی فائدہ نہیں	63
طوبیٰ کا معنی اور اسکے متعلق احادیث	76
شان نزول	78
مشرکین مکہ کی فرمائش	81
تاخیر عذاب کی حکمت	85
مسلمانوں اور یہود و نصارا کا نزول قرآن سے خوش ہونا	93
محو اور اثبات میں متعدد اقوال	99

(آسمانی) کتاب کے عالم کے مصداق کون؟	107
سورہ ابراہیم	110
وجہ تسمیہ	110
مقام نزول	110
زمانہ نزول	111
مضامین کا خلاصہ	112
خواب میں سورہ ابراہیم کی تلاوت کرنا	113
آزادی حاصل کرنے کے بعد حضرت موسیٰؑ کا بنی اسرائیل کو خطاب	124
اللہ کا شکر نہ کرنے سے اسے کوئی نقصان نہیں	129
کسی کو اپنا نسب نامہ آدم (علیہ السلام) تک نہیں پہنچانا چاہیے	132
اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں پر رکھنے کی متعدد تفسیریں	133
توبہ کرنے کی ترغیب میں احادیث	135
قوم کے اعتراضات کا جواب	138
وَاسْتَفْتَحُوْا کا فاعل کون ہے؟	147

دوزخیوں کے عذاب کی کیفیت اوران پر موت کا نہ آنا	149
شیطان سے مراد ابلیس ہونا	157
شجرہ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہے	162
شجر طیبہ سے مراد شجر معرفت ہے	164
ناپاک کلمہ اور ناپاک درخت کا مصداق اور وجہ مشابہت	165
شان نزول	173
دعائے ابراہیم (علیہ السلام)	182
اولاد اسماعیل علیہ السلام	183
ابراہیم (علیہ السلام) کی دوسری دعا	184
اللہ کے حکم پر اولاد کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑنا	187
زمزم کے فضائل	194
زمین کے ہونے کے متعلق احادیث	207
سورہ الحجر	215
وجہ تسمیہ	215

زمانہ نزول	215
خواب میں سورہ الحجر کی تلاوت کرنا	216
مضامین کا خلاصہ	217
بدبختی کی علامت	221
کافروں کی سرکشی	224
موجودہ قرآن ہی اصل ہے	229
فرقہ امامیہ کا عقیدہ	231
شان نزول: (آیت) "ولقد علمنا المستقدمین"۔ (الخ)	242
انبیاء اغوا شیطان اور گناہ سے معصوم ہیں	254
جہنم کے دروازے اور ان کے سزاوار	256
شان نزول: (آیت) "ان المتقین"۔ (الخ)	258
شان نزول: (آیت) "ونزعنا ما فی صدورھم"۔ (الخ)	259
شان نزول: (آیت) "نبیء عبادی انی"۔ (الخ)	261
ابراہیم (علیہ السلام) کو فرشتوں کے ذریعہ بیٹے کی بشارت دینا	264

قومِ لوط کا واقعہ	269
سامانِ عبرت	270
قومِ لوط پر عذاب کا نزول	274
متوسمین کا معنی	274
اصحاب الایکہ کا معنی اور مصداق	278
اصحاب الایکہ کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کا انتقام	279
حضرت صالح (علیہ السلام) کی نشانیاں	281
قومِ ثمود کا فنِ تعمیر	282
ربطِ آیات اور سببِ نزول	285
عضین کا معنی	291
اسدع کا معنی	294
سورہ نحل	300
وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول	300
مضامین کا خلاصہ	301

ملائکہ سے جبرائیل علیہ السلام کا مراد ہونا	307
حضرت صہیبؓ کی ہجرت	352
ہجرت کی وجہ سے اسلام کی تقویت	353
صبر اور توکل	354
ہجرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور ہجرت کی اقسام	355
کیا ہجرت منسوخ ہوگی ہے	360
ہجرت منقطع ہونے کے متعلق احادیث	360
ہجرت باقی رہنے کے متعلق احادیث	362
کفار مکہ کو مختلف اقسام کے عذاب سے ڈرانا اور دھمکانا	366
دو معبود نہ بناؤ معبود ایک ہی ہے پس اسی سے ڈرو	371
شکر کے شرعی احکام اور اس کے متعلق احادیث	373
باز پرس لازمی ہوگی	379
مفرطون کا معنی	383
توحید کی دلیل تخالف	387

جنت بعد الموت پر دلیل	388
وحیِ الٰہی حیات بخش ہے	389
دودھ کی نعمت کی طرف اشارہ	390
شہد کی تیاری	393
ارذل عمر کا معنی اور مصداق	398
ارذل عمر سے پناہ طلب کرنا	399
حفدہ کے معنی	402
کفرونا شکری کا انجام	418
جھوٹے معبود کچھ کام نہ آئیں گے	419
زمانہ فترت میں علماء مبلغین کا حجت ہونا	421
کفر و اسلام کے اختلاف کا فلسفہ	434
ایمان و اسلام پر استقامت کا حکم	434
مسلمانوں کو ایک اور بد اخلاقی سے بچنے کی ہدایت	436
اخروی نعمتوں کا دنیاوی نعمتوں سے افضل ہونا	439

نسخ کی وجہ سے کفار کے اعتراض کا جواب	444
لحاد اور عجم کا معنی	447
جان کے خوف سے کلمہ کفر کہنے والوں کی معافی کا حکم	458
کفار مکہ پر بھوک اور خوف کو مسلط کرنا	464
حضرت ابراہیم کی صفات سے مشرکین کے خلاف استدلال	473
امت کا معنی	474
حضرت ابراہیمؑ کو امت فرمانے کی توجیہات	476
یہودیوں کا ہفتہ کو اور عیسائیوں کا اتوار کو عبادت کے لیے مخصوص کرنا	477
مسلمانوں کا جمعہ کے دن کی ہدایت کو پانا	479
شان نزول: (آیت) "۔وان عاقبتم فعاقبوا بمثل"۔(الخ)	484

سورہ الرعد

یہ سورت پوری مکی ہے سوائے ان دو آیات کے "۔ ولا یزال الذین کفروا"۔ (الخ) اور (آیت) " ویقول الذین کفروا"۔ (الخ) کیونکہ یہ دونوں آیات مدنی ہیں۔

اس سورت میں تینتالیس آیات اور آٹھ سو پچپن کلمات اور تین ہزار پانچ سو چھ حروف ہیں۔

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الرعد ہے، تمام متقدمین اور متاخرین سے اسی طرح منقول ہے۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد مبارک سے لے کر آج تک اس کے نام میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس کا نام الرعد رکھنے کی مناسبت یہ ہے کہ سورت الرعد کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ اور کسی مکی سورت میں الرعد کا ذکر نہیں ہے۔ اس سورت کی اس آیت میں الرعد کا ذکر ہے:

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ (الرعد: ۱۳) بادل پر معین فرشتہ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہے، اور باقی فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (حمد اور تسبیح کرتے ہیں) اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا ہے درآنحالیکہ وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے۔

اگر یہ اعتراف کی جائے کہ قرآن مجید کی ایک اور سورت میں بھی رعد کا ذکر ہے:

أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ (البقرہ: ۱۹) یا اس بارش کی مثل جو آسمان

سے برس رہی ہو، اس میں تاری کیا اور رعد (گرج اور کڑک) اور بجلی کی چمک ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سورہ البقرہ کی آیت ہے اور مدنی سورت ہے اور ہم نے یہ کہا ہے کہ کسی مکی سورت میں الرعد کا ذکر نہیں ہے، اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی مثلاً سرہانے کو تکیہ کہتے ہیں کیونکہ تکیہ کے معنی ہیں ٹیک لگانا اور سرہانے کے ساتھ ٹیک لگائی جاتی ہے، اب اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ دیوار کے ساتھ بھی ٹیک لگائی جاتی ہے اس کو تکیہ کیوں نہیں کہتے، کیونکہ وجہ تسمیہ کے لیے یہ کافی ہوتا ہے کہ جس چیز کا جو نام رکھا گیا ہے اس میں اس نام کی مناسبت پائی جائے۔

سورہ الرعد مکی ہے یا مدنی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ اور علی بن ابی طلحہ سے مروی ہے کہ سورہ الرعد مکی ہے۔ امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ ابی بشر نے سعید بن جبیر سے اس آیت کے متعلق پوچھا: ومن عندہ علم الکتاب (الرعد: 43) کیا یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام ؓ کے متعلق ہے؟ انہوں نے کہا یہ ان کے متعلق کیسے ہوسکتی ہے، یہ مکی سورت ہے، (امام النحاس ؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ الرعد مدنی ہے، امام ابن مردویہ نے حضرت ابن الزبیر ؓ سے روایت کی ہے کہ الرعد مدنی ہے، قتادہ ؒ نے کہا چند آیات کے سوا اس کی تمام آیات مکہ میں نازل ہوئیں۔ الدر المنثور) اس سورت کے مدنی ہونے کی تائید میں اربد بن قیس اور عامر بن الطفیل کا قصہ ہے جن کے متعلق الرعد: 8۔13 کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اس اختلاف میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ چند آیتوں کے سوا اس سورت کی باقی تمام

آیتیں مکی ہیں۔ [1]

فضیلت

حضرت جابرؓ سے مروی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص کو موت حاضر ہو اس کے پاس سورہ رعد پڑھو کیونکہ اس سے میت کو جان کنی میں تخفیف حاصل ہوتی ہے۔ [2]

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی حقانیت اور توحید کے دلائل کا بیان ہے۔ پھر بعث بعد الموت کے منکروں کا انجام اور منکرین کا معجزے طلب کرنا مذکور ہے۔ مثلاً صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دینا یا مکہ کے پہاڑ وہاں سے ہٹ جائیں۔

رکوع ۲: اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کا بیحد وحساب ہونا اور اس کی قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد باطل معبودوں سے مانگنے اور حق وباطل کے فرق کی مثالوں کا بیان ہے۔

رکوع ۳: اہل عقل کی صفات اور کافروں کی ہدا عمالیوں کا انجام بیان کیا گیا۔

رکوع ۴: منکرین کا معجزات طلب کرنا اور ان کی فطرت بتائی گئی ہے۔

رکوع ۵: مشرکین کی فرمائش اور ان کے باطل عقائد کا بیان ہے۔ اس کے بعد پرہیز گاروں سے جس جنت کا وعدہ ہے اس کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۶: اللہ تعالیٰ کا مالک ومختار ہونا اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صداقت پر اللہ کی گواہی کا

۱۔ (الاتقان ج ۱ ص ۶۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی 1419ھ)

۲۔ (درمنثور بروایت بوالشیخ وابن منذر جلد چہارم ص 599 اسنادہ ضعیف)

بیان ہے۔

﴿ الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱ ﴾

الف۔لام۔میم۔را۔یہ کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں، اور جو تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا عین حق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات آتے ہیں ان کی پوری تشریح سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں لکھ آئے ہیں۔

یہ قرآن، کتاب اللہ کی آیات ہیں جو دین کے اصول وفروع میں ہر اس چیز کی طرف راہنمائی کرتی ہیں جس کے بندے محتاج ہیں اور یہ قرآن جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا وہ واضح حق ہے، کیونکہ اس کی خبریں صدیق پر مبنی اور اس کے اوامر ونواہی سراسر عدل ہیں اور قطعی دلائل وبراہین ان کی تائید کرتے ہیں۔ جو کوئی اس کے علم کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہی حقیقی اہل علم میں شمار ہوتا ہے اور اس کا علم اس کے لیے عمل کا موجب بنتا ہے۔ (ولکن اکثر الناس لا یومنون) "لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔" یعنی اکثر لوگ یا تو (قرآن) سے جہالت، اس سے روگردانی اور اس کی طرف عدم توجہ کی بنا پر یا محض عناد اور ظلم کی وجہ سے، اس قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ بنا بریں اکثر لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اس کی وجہ اس سبب کا معدوم ہونا ہے جو فائدہ اٹھانے کا موجب ہے۔

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴿۲﴾ ﴾

(وہ) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا (جیسا کہ) تم دیکھ رہے ہو، پھر وہ (اپنی شان کے مطابق) عرش پر جلوہ فرما ہوا اور سورج اور چاند کو نظام کا پابند بنا دیا، ہر ایک اپنی مقررہ میعاد کے لیے گردش کر رہا ہے، وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے (اور اپنی قدرت کی) نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کئے جا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی حقیقت کا فہم و ادراک تو انسان کے بس میں نہیں لیکن اس کی صفات کے آئینوں میں اس کی عظمت و کبریائی کے جلوے دیکھے جا سکتے ہیں ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھا کر تو دیکھو کیا تم اس کی بلندی کا اندازہ لگا سکتے ہو؟ کیا اس کی وسعت و فراخی کا تمہاری نظریں احاطہ کر سکتی ہیں؟ کیا اس کو اتنی بلندی پر تھامنے کیلئے کوئی ستون دکھائی دے رہا ہے؟ تم تو ایک چھوٹے سے کمرے کی چھت ڈالنا چاہو تو پہلے دیواریں بناتے ہو،

پھر شہتیر رکھے ہو' ان پر درجنوں کڑیاں بچھاتے ہو تب جا کر ایک چھت بنتی ہے اور وہ بھی ایسی کہ کچھ مدت کے بعد اس میں شگاف پڑنے شروع ہو جاتے ہیں اس پر بھی تم کو اپنے فن اور ذہانت پر ناز ہے۔ ذرا اس کی قدرت کو بھی تو دیکھو جس نے آسمانوں کو ستونوں اور سہاروں کے بغیر کھڑا کر دیا ہے پھر بھی اس کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ اس کو بنے ہوئے کروڑوں سال سے زائد گزر گئے اور اس میں لچک تک پیدا نہیں ہوئی۔

وہ اپنے تخت پر نمودار ہوا اور سورج' چاند کو خاص طریقہ سے چلا رہا ہے

سب سے پہلے یہ کہ اس نے اجرام سماویہ کو پیدا کیا اور فضا میں پھیلا دیا وہ بلند ہیں لیکن کوئی سہارا نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو محض جذب وانجذاب کا قانون ہے جس کے توازن نے انہیں اپنی اپنی جگہ معلق اور قائم کر رکھا ہے۔ ہاں! یہ ان کی پیدائش تھی لیکن اب ان کے قیام واجراء کیلئے ضروری تھا کہ احکام و قوانین ہوں اور نافذ ہو جائیں پس اس تمام کائنات ہستی پر اللہ کی فرماں روائی نافذ ہو گئی یعنی اس کا تخت حکومت بچھ گیا اور اس کے احکام کے سامنے سب جھک گئے۔ یہ احکام وقوانین کس طرح نافذ ہوئے؟ اس طرح کہ سورج اور چاند کو دیکھو' احکام الٰہی نے کس طرح انہیں مسخر کر رکھا ہے؟ ہال برابران کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے' ان کی سیر و گردش کیلئے جو میعادیں ٹھہرا دی گئی ہیں ٹھیک ٹھیک ان کے مطابق چل رہے ہیں۔

ان سب کا منتظم اعلیٰ بھی وہی ہے اور اس کے حکم کے وہ سب پابند ہیں

اس کی وضاحت اس طرح کر دی کہ فرمایا "یدبر الامر" اور اس جگہ یہی بات بناء استدلال ہے یعنی یہ سب کچھ جو ہوا اور ہو رہا ہے اس حقیقت کی شہادت ہے کہ یہاں تدبیر امور کرنے والا ایک ہاتھ موجود ہے

ورنہ ممکننہ تھا کہ یہ سب کچھ ظہور میں آجاتا اور قائم وجاری بھی رہتا اگر تدبیر امور کی قوت کا مرکز رہی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اعمال انسانی کیلئے کوئی انتظام نہ کیا ہو اور انسانی زندگی ایک فعل عبث کی طرح رائیگاں جائے؟ غور کرو کہ ایک کارخانہ ہستی باقاعدہ چل رہا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا کوئی چلانے والا نہ ہو ؟ پھر یہی قانون جس کی تحت یہ سارا نظام چل رہا ہے حق و باطل کے امتیاز کا بھی یہی عالم گیر اور فیصلہ کن قانون ہے جو دعوت قرآنی کی حقانیت اور عدم حقانیت کا فیصلہ کردے گا۔

اگر پیغمبر اسلام کا اعلان رسالت "حق" ہے تو "حق" کا خاصہ یہی ہے کہ وہ باقی رہے اور فتح مند ہو اگر "باطل" ہے تو بلاشبہ "باطل" کیلئے مٹ جانا اور نامراد ہونا ہے یہی اللہ کی شہادت ہے جس سے بڑھ کر کوئی فیصلہ کن شہادت نہیں ہوسکتی اور اب اس شہادت کے ظہور کا انتظار کرنا چاہیے۔ ایک بار پیچھے مراجعت کرو کہ سورت کی ابتداء اس اعلان سے ہوئی ہے کہ قرآن کریم فکر انسانی کی بناوٹ نہیں ہے اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے اور "امر حق" ہے لیکن مخاطبین دعوت میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسے نہیں مانتے پس ضروری ہے کہ ان کے مقابلہ میں اس کی حقانیت آشکارا ہوجائے۔ پھر اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی پر برہان حکمت والوہیت کا استدلال کیا ہے اور یہ حقیقت واضح ہے کہ آسمان وزمین کی ہر چیز کسی ایسی ہستی کی موجودگی کی شہادت دے رہی ہے جس نے جو کچھ بنایا ہے مصلحتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنایا ہے اور یہاں کا ذرہ ذرہ اس کی تدبیر وانتظام سے چل رہا ہے۔ پھر فرمایا کہ ان نشانیوں کا تفکر دلوں میں یقین پیدا کردیتا ہے کہ انسانی زندگی صرف اتنے ہی کیلئے نہیں ہوسکتی جتنی حیات دنیوی میں نظر آرہی ہے۔ ضروری ہے کہ کوئی دوسرا مرحلہ بھی پیش آنے والا ہو اور وہ ایسا ہو کہ مخلوق کو خالق کے حضور پیش کردے۔ جوں جوں غور کرتے جاؤ گے تو نتیجتاً جس جگہ رکو گے بس وہی روز قامت اور وہی

روز حساب ہوگا۔

استواء علی العرش کے بارے میں سلف صالحین کا عقیدہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے لیے استواء علی العرش کو ثابت کیا ہے تو اس پر ایمان رکھا جائے، نہ اس کی کوئی کیفیت بیان کی جائے، نہ کسی دوسری شے سے اسے تشبیہ دی جائے اور نہ اس کی تاویل کر کے قرآن میں ثابت لفظ کو بے کار بنا دیا جائے۔

"حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں رسول معظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں تھیں اور اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔"[1]

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ ﴾

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا فرما دیں اور ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسمیں پیدا فرمائیں، وہ رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔

۱۔[رواہ مسلم: باب حِجَاجِ آدَمَ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ]

اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے زمین کو اس طرح پھیلا اور بچھا دیا کہ انسان اور دوسری مخلوقات اس پر آسانی سے چل پھر سکیں۔ اسی نے اس زمین میں مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں نہریں اور چشمے جاری کئے اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کی دو دو قسمیں بنائیں۔ مثلاً سرخ اور زرد، شیریں اور ترش اور خشک اور تر وغیرہ۔ وہی رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔ بیشک ان تمام امور میں سوچنے سمجھنے والوں کے لیے توحید کے بیشمار دلائل موجود ہیں۔ کیونکہ یہ سب امور کسی خالق کے بغیر انجام نہیں پا سکتے۔

اس کی توحید کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ زمین کے مختلف قطعے پاس پاس اور ملے ہوئے ہیں۔ کسی قطعے میں نہایت عمدہ پیداوار ہوتی ہے اور اسی سے متصل دوسرے ٹکڑے میں برائے نام پیداوار ہے اور کوئی ٹکڑا بالکل ناقابل زراعت اور بنجر ہے، حالانکہ سب کو ویک ہی ہوا اور ایک ہی پانی مل رہا ہے اور سب پر ایک ہی سورج کی شعاعیں پڑ رہی ہیں۔ پھر اسی زمین میں کہیں انگور کے باغ ہیں اور کہیں کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ایک تنے والے ہیں اور کچھ ایک سے زیادہ تنوں والے ہیں۔ پھر ہم نے بعض پھلوں کو مزے، بو، شکل اور مقدار وغیرہ کے اعتبار سے بعض پر فضیلت دی۔ کوئی ان میں سے شیریں ہے، کوئی ترش اور کوئی پھیکا، کوئی سرخ ہے، کوئی زرد، کوئی سبز ہے تو کوئی سفید وغیرہ۔ بلاشبہ ان سب امور میں عقل والوں کے لیے توحید کے بہت سے دلائل موجود ہیں۔

﴿ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ
وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ
بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾

اور زمین میں کتنے پاس پاس کھیت ہیں، اور انگور کے باغ ہیں، اور کھیتیاں، اور کھجور کے درخت ہیں، جن میں بعض دوشاخے ہیں اور بعض دوشاخے نہیں، سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ بیشک اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

زمین کے مختلف حصے جو ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں مگر خاصیات کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ کچھ حصے زرخیز ہیں جو اچھی فصل دیتے ہیں اور کچھ حصے بنجر ہیں جو بیج بھی ضائع کر دیتے ہیں حالانکہ زمین کی طبیعت ایک ہے اور اس کی پیداوار بھی ایک جیسی ہونی چاہیے تھی مگر یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کے پیش نظر مختلف ہے، پھر زمین میں انگوروں کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجوروں کے کچھ درخت اکٹھے ہیں اور کچھ الگ الگ اور ان سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے مگر ان سب کے ذائقے مختلف ہیں۔ اسی طرح سب انسانوں کی اصل ایک حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں مگر اولاد آدم کے مزاج، رنگ اور خصائل مختلف ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: بعض کھجوریں دقل ہیں بعض فارسی ہیں۔ (یہ کھجوروں کی قسموں کے نام ہیں جیسے ہم نے آم کی قسموں کے نام رکھے ہوئے ہیں) بعض کھجوریں کھٹی ہیں اور بعض کھجوریں میٹھی ہیں۔ [1]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 370ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حسن بصریؒ نے کہا اللہ

1۔ سنن الترمذی رقم الحدیث 3118، الکامل لابن دعی ج 3 ص 1270، تاریخ بغداد ی ج 9 ص 226،)

تعالیٰ نے یہ بنوآدم کے دلوں کی مثال دی ہے، تمام روئے زمین اللہ کے ہاتھ میں ایک قسم کی مٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو پھیلا دیا تو مختلف تو یہ مختلف قطعات بن گے، پھر آسمان سے بارش ہوی، تو زمین کے بعض قطعات سے اس کی تروتازگی، اس کے پھل اور اس کی درخت اور اس کا سبزہ نمودار ہوا اور اس بارش سے مردہ زمینیں زندہ ہوگئیں اور بعض زمینیں شور والی، کھاری اور بنجر تھیں، ان پر بھی وہی بارش ہوی اور وہ خس و خاشاک کے سوا کچھ نہ اگا سکیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا اور آسمان سے ان پر وحی نازک کی اور مواعظ نازل کیے۔ بعض ان مواعظ کو سن کر اللہ سے ڈرے اور اس کے سامنے جھک گے اور بعض دل سخت تھے، وہ اسی طرح لہو ولعب اور عیاشیوں میں مشغول رہے اور ان میں کوئی رقت پیدا نہیں ہوی۔ حسن بصری نے کہا اللہ کی قسم! جو شخص بھی قرآن کو سن کر اٹھتا ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے یا اس کی برائیوں میں اللہ فرماتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل: ۸۲) اور ہم ایسی آیتیں نازل فرماتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہیں اور ظالموں کے لیے وہ سوا نقصان کے اور کوئی اضافہ نہیں کرتیں۔ [1]

﴿ وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَإِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥﴾ ﴾

---

[1] (جامع البیان رقم الحدیث 15282، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

اور اگر آپ کو ان کے انکار سے تعجب ہے تو ان کی یہ بات بھی عجب ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا نئے سرے سے پیدا ہونگے؟ یہی تو ہیں کہ جو اپنے رب سے منکر ہو گئے اور انہیں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تبارک وتعالی اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرماتا ہے کہ آپ ان کے جھٹلانے کا کوئی تعجب نہ کریں یہ ہیں ہی ایسے اس قدر نشانیاں دیکھتے ہوئے، اللہ کی قدرت کا ہمیشہ مطالعہ کرتے ہوئے، اسے مانتے ہوئے کہ سب کا خالق اللہ ہی ہے پھر بھی قیامت کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ اس سے بڑھ کر روزمرہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ کچھ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کر دیتا ہے۔ ہر عاقل جان سکتا ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔ اور دوبارہ پیدا کرنا بہ نسبت اول بار پیدا کرنے کے بہت آسان ہے۔ جیسے فرمان ربانی ہے آیت (اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَلَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِہِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ 33)46۔الاحقاف:33)

یعنی جس نے آسمان وزمین کو پیدا کر دیا، کیا وہ مردوں کو جلانے پر قادر نہیں؟ بیشک ہے بلکہ ہر چیز اس کی قدرت میں ہے۔

پس یہاں فرماتا ہے کہ اصل یہ کفار ہیں، ان کی گردنوں میں قیامت کے دن طوق ہوں گے اور یہ جہنمی ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٦ ﴾

اور یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں آپ سے برائی (عذاب) کے لیے بھلائی سے پہلے حالانکہ ان سے پہلے کئی عبرت ناک مثالیں گزر چکیں ہیں اور بیشک آپ کا رب لوگوں کے ظلم (گناہوں) کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے، اور بیشک آپ کا رب ضرور سخت عذاب دینے والا ہے۔

یہ منکرین قیامت بھلائی اور عافیت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی عذاب کے نازل ہونے کا تقاضا کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ اپنے نبوت و رسالت کے دعوے میں سچے ہیں تو وہ عذاب جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں، ہم پر جلد کیوں نہیں لے آتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وقالوا ربنا عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب (ص۔ آیت ١٦) اور وہ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب قیامت سے پہلے ہی ہمارا معاملہ نمٹا دے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے: واذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ئتنا بعذاب الیم (انفال۔ آیت ٣٢) اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور المناک عذاب نازل فرما۔

حقیقت یہ کہ ان سے پہلے سابقہ امتوں پر ان کے کفر وتکذیب کی بنا پر طرح طرح کے عذاب نازل ہو چکے ہیں۔ان کو ان سے عبرت پکڑنی چاہیے اور اللہ سے ڈارنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر بھی ان کے کفر وعناد کی بنا پر سابقہ امتوں جیسا عذاب نازل ہو جائے۔کسی کو اس خیال میں نہیں رہنا چاہیے کہ وہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لے آئے گا۔اول تو عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا اللہ کے ہاں معتبر نہیں۔دوسرے یہ کہ جب عذاب کی گھڑی آجائے گی تو اس وقت ایمان لانے یا توبہ کرنے یا نیک عمل کرنے کی فرصت ومہلت نہیں ملے گی۔یہ تو اللہ تعالیٰ کا محض فضل وکرم ہے کہ وہ دن رات بندوں کو گناہوں میں مبتلا دیکھتا ہے اور فوراً (عذاب) نہیں دیتا بلکہ درگزر فرماتا ہے۔اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ عذاب پر قدرت نہیں رکھتا۔اس کا عذاب بہت سخت تکلیف دہ ہوتا ہے۔جب اس کا عذاب آجاتا ہے تو کوئی نہیں اس کو ٹال سکتا۔بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے گناہوں پر معاف بھی کرتا ہے اور اگر مجرم حد سے گزر جائے تو پھر اس کو سخت عذاب بھی دیتا ہے۔[1]

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۧ ﴾

اور کافر کہتے ہیں کہ اس آدمی پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری، حالانکہ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں، اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں۔

۱۔(تفسیر ابن کثیر ۱، ۵۔۲)

(یعنی کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کی تصدیق اور تائید کے لیے وہ معجزہ ظاہر ہونا چاہیے جو ہم چاہتے ہیں) جاہلوں نے ضد وعناد اور ایمان لانے سے انکار کرنے کے لیے جو حیلے تراشے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ظاہر ہونا چاہیے۔ درحقیقت معجزہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل ظاہر کیا جاتا تھا اصل چیز تو دلائل ہیں جب دلائل سے حق واضح ہو گیا اور نبی کی نبوت ثابت ہو گئی تو نبی پر ایمان لانا فرض ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہوتا تھا معجزات ظاہر ہو جاتے تھے۔ جن لوگوں کو ماننا نہ تھا وہ نہ دلائل سے مانتے تھے اور نہ معجزہ دیکھ کر ایمان لاتے تھے ان کے کہنے کے مطابق بھی بعض معجزات ظاہر ہوئے لیکن جنہیں عناد تھا اور ماننا نہ تھا انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے' فرمائشی معجزوں کی بات کرنا قبول حق کے لیے نہیں تھا بلکہ اپنی ضد پر قائم رہنے کے لیے تھا۔

پھر فرمایا (اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ) کہ آپ ان کی باتوں سے دل گیر نہ ہوں آپ کا کام بس حق کا پہنچا دینا اور عذاب آخرت سے ڈرانا ہے' لوگوں سے منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے اگر یہ کسی خاص معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہیں فرماتا اور اس کو وہ عدم قبول کا بہانہ بناتے ہیں تو آپ فکر مند نہ ہوں' جب آپ نے انذار و تبلیغ کا کام کر دیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ماننا ان کا کام ہے' پھر فرمایا ولکل قوم ھاد یعنی آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام (علیہ السلام) اقوام عالم کو ہدایت دینے کے لیے مبعوث ہوتے رہے ان کی بھی تکذیب کی گئی ان کی اقوام میں سے کسی نے حق قبول کیا اور کسی نے رد کر دیا جو ان کے ساتھ ہوا وہی آپ کے ساتھ ہو رہا ہے' منکرین کے طرز عمل سے رنجیدہ نہ ہوں صبر کریں اور اپنا کام کرتے رہیں سورہ احقاف میں فرمایا (فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ

الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ) (سو آپ صبر کیجئے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے عذاب آنے کی جلدی نہ کیجئے)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر چند مشہور معجزات

۱۔حضرت علی بن ابی طالب ؓ نے بیان کیا کہ میں مکہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھا، ہم مکہ کے بعض اطراف کی طرف نکلے، راستے میں جو درخت یا پہاڑ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے آتا وہ کہتا تھا: السلام علیک یارسول اللہ۔اے اللہ تعالیٰ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔ [۱]

۲۔حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہا: میں کیسے پہنچانوں کہ آپ یقیناً نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اس کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں (اور وہ یہاں آجائے) تو پھر کیا تو گواہی دے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کھجور کے اس خوشے کو بلایا تو وہ خوشہ درخت سے اترا اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آکر گر گیا۔آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: لوٹ جا تو وہ لوٹ گیا اور وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ [۲]

۳۔حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں کو پیاس لگی اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے پانی کا ایک برتن تھا جس سے آپ نے وضو کیا۔صحابہ کرام ؓ آپ کے پاس فریاد کرتے ہوئے آئے۔آپ نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ نہوں نے کہا: ہمارے پاس کوئی پانی نہیں ہے

۱۔(ترمذی: حدیث نمبر ۳۶۲۶: ابواب المناقب: باب ۶)

۲۔(ترمذی: حدیث نمبر ۳۶۲۸: ابواب المناقب: باب ۶)

جس کو ہم پی سکیں یا جس سے ہم وضو کر سکیں سوا اس پانی کے جو آپ کے سامنے ہے، پس نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس برتن میں ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اس طرح تیزی سے نکلنے لگا جس طرح چشموں سے نکلتا ہے، سو ہم نے اس پانی کو پیا اور اس سے وضو کیا۔ راوی نے پوچھا: کتنے لوگ تھے؟ حضرت جابرؓ نے کہا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا، اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔ (۱)

۴۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد مبارک میں مدینہ میں قحط پڑ گیا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بھیڑ بکریاں اور مویشی ہلاک ہو گئے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر بارش نازل فرمائے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہاتھ پھیلائے اور دعا کی۔ حضرت انسؓ نے کہا: اس وقت آسمان شیشے کی طرح صاف تھا، پھر ایک دم ہوا چلی اور بادل جمع ہوئے اور بارش ہونے لگی، پھر ہم پانی میں چلتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس آئے اور اگلے جمعہ تک مسلسل بارش ہوتی رہی اور جمعہ کے دوران وہی شخص تھا یا کوئی اور شخص تھا، اس نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! گھر گر گئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اس بارش کو روک لے، چنانچہ آپ مسکرائے اور بارش سے فرمایا: ہمارے گرد وہ پیش ہو اور ہم پر نہ ہو، پھر میں نے بادلوں کی طرف دیکھا تو وہ مدینہ سے دور ہٹ گئے۔ (۲)

۵۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جمعہ کے دن کھجور کے

۱۔ (بخاری: حدیث نمبر ۳۵۷۶: کتاب المناقب: باب ۲۵)

۲۔ (بخاری: حدیث نمبر ۳۵۸۲: کتاب المناقب: باب ۲۵)

ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، انصار کی ایک عورت یا مرد نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا ہم آپ کے لیے منبر نہ بنا دیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر تم چاہو (تو بنا دو) انہوں نے آپ کے لیے منبر بنا دیا۔ اگلے جمعہ کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ کھجور کا وہ ستون اس طرح چیخ چیخ کر رونے لگا جیسے بچہ چیخ کر روتا ہے، پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر سے اترے اور اس ستون کو اپنے گلے لگایا تو وہ اس طرح رو رہا تھا جس طرح بچہ سسکیاں لے کر روتا ہے۔ حضرت جابرؓ نے کہا: وہ اس لیے رو رہا تھا کہ وہ اس ذکر کو سنتا تھا جو اس کے پاس کیا جاتا تھا۔ [1]

﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝٨ ﴾

اور اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ ہر مونث (اپنے پیٹ میں) اٹھائے پھرتی ہے اور رحموں میں جو کمی بیشی ہوتی ہوتی رہتی ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار مقرر ہے۔

شان نزول

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اربد بن قیس اور عامر بن طفیل رسول اللہ کے پاس مدینہ آئے تو

۱۔ (بخاری: حدیث نمبر ۳۵۸۴: کتاب المناقب: باب ۲۵)

عامر نے کہا اگر میں اسلام لے آؤں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟ آپ نے فرمایا تیرے حق وہی کچھ ہوگا جو عام مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے اور تیرے خلاف وہی کچھ ہوگا جو عام مسلمانوں کے خلاف ہوتا ہے اس نے کہا کیا آپ اپنے بعد مجھے حکومت نہیں دیتے؟ آپ نے فرمایا حکومت نہ تجھے ملے گی نہ تیری قوم کو چنانچہ یہ آپ کے پاس سے نکلے اسی دوران عامر نے اربد سے کہا میں باتوں سے محمد کی توجہ پھیروں گا تو انہیں تلوار سے قتل کر دینا چنانچہ آپ اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور اس سے گفتگو کرنے لگے دوسری طرف اربد اپنی تلوار سونتنے لگا جب اس نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا تو اس کا ہاتھ وہیں رک گیا رسول اللہ اس کیطرف متوجہ ہوئے اور اسے دیکھا تو آپ ان کے پاس سے نکل گئے وہ بھی نکلے جب وہ مقام رقم پر پہنچے تو اللہ نے اربد پر آسمانی بجلی بھیجی اور اسے ہلاک کر دیا اور اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى۔ [1]

مشرکین مکہ کی خواہش کے مطابق اس لیے نشانی نہیں بھیجی گئی کہ تمام امور کی حکمتوں کو صرف اللہ جانتا ہے۔ اسی کے علم میں ہے کہ کون سی چیز دنیا میں کب وقوع پذیر ہونی چاہیے۔ وہ کفار کے جاہلانہ افکار و خیالات کا پابند نہیں ہے۔ اسی مفہوم کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صرف وہ جانتا ہے کہ ہر مادہ کے پیٹ میں کیا ہے، مذکر ہے یا مونث، خوبصوت ہے یا بدصورت، نیک بخت ہے یا بدبخت اور اس میں کسی عضو کی کمی ہے یا زیادتی، یا بچہ نو مہینے کے بعد پیدا ہوگا یا اس سے پہلے یا اس کے بعد۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس نے ہر چیز کی ایک حد مقرر کر دی ہے جس سے وہ نکل نہیں سکتی۔ وہ ہر غائب و حاضر اور ہر معدوم و موجود کی خبر رکھتا ہے، وہ عظیم ہے، ہر چیز اس کے نیچے ہے اور وہ اپنی قدرت و عظمت کے

---

[1] (سیوطی 157، معجم طبرانی 10۔312، مجمع الزوائد 7۔43)

ذریعے ہر چیز پر غالب ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک چالیس دن تک اپنی ماں کے پیٹ میں (بحالت نطفہ) رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک وہ بصورت جما ہوا خون رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جسے چار چیزیں لکھنے کا حکم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کا رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور نیک و بد ہونا لکھ لیتا ہے۔"[1]

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "فرشتہ پوچھتا ہے کہ اے اللہ! مرد ہوگا یا عورت؟ شقی ہوگا یا سعید؟ اس کی روزی کیا ہے اور اس کی موت کب ہوگی؟ تو اسی طرح یہ سب باتیں ماں کے پیٹ ہی میں لکھ دی جاتی ہیں۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے، کوئی نہیں جانتا کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے (یعنی نر ہے یا مادہ اور نیک یا بد وغیرہ) سوائے اللہ تعالیٰ کے، کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی سوائے اللہ تعالیٰ کے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی سوائے اللہ رب العزت کے۔"[3]

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ : ارشاد فرمایا : (إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ)[القمر:٤٩] "

---

[1]۔[بخاری، کتاب القدر، بابٌ:٦٥٩٤۔ مسلم، کتاب القدر، باب کیفیۃ خلق ال آدمی۔۔الخ:٢٦٤٣]

[2]۔[بخاری، کتاب القدر، بابٌ:٦٥٩٥۔ مسلم، کتاب القدر، باب کیفیۃ خلق ال آدمی۔۔الخ:٢٦٤٤]

[3]۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (اللہ یعلم ما تحمل کل أنثی):٤٦٩٧]

بیشک ہم نے جو بھی چیز ہے، ہم نے اسے ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔"

سیدنا اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک بیٹی نے آپ کو کہلا بھیجا کہ ان کا بچہ حالت نزع میں ہے، سو آپ تشریف لے آئیے۔ آپ نے ایک قاصد کے ذریعے سلام بھیجا اور یہ دعا دی: (اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ) "اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ اس نے لیا اور اسی کے لیے ہے جو کچھ اس نے دیا اور ہر چیز کے لیے اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے، لہٰذا اسے چاہیے کہ صبر کرے اور اجر و ثواب کی امید رکھے۔"[1]

﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ ﴾

وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے سب سے بلند و برتر ہے۔

"غیب" کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے جو غیر اللہ میں ممکن نہیں اور مراد اس سے وہ چیز ہے جو انسانی حواس سے غائب ہو یعنی نہ آنکھ سے اس کو دیکھا جا سکے، نہ کانوں سے سنا جا سکے، نہ ناک سے سونگھا جا سکے، نہ زبان سے چکھا جا سکے، نہ ہاتھ سے چھو کر معلوم کیا جا سکے۔ گویا انسانی حواس خمسہ سے بالاتر اور شہادت اس کے بالمقابل وہ چیزیں جو انسانی حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم کی جا سکیں مطلب یہ ہے کہ وہ ہر غیب کو اس طرح

۱۔ [مسلم، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت: ۹۲۳۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): یعذب المیت۔۔ الخ: ۱۲۸٤]

جانتا ہے جس طرح حاضر کو یعنی اس کے ہاں غیب و حاضر میں کوئی فرق نہیں پڑتا غیر اللہ کیلئے ہے خواہ وہ کوئی ہو؟ "الکبیر" وہ ہے جو سب سے بڑا ہو اور ہر چیز اس سے نیچے ہو اور "متعال" وہ ہے جو اپنی قدرت اور طاقت کے باعث ہر چیز پر غالب ہو۔ مراد دونوں لفظوں سے یہ ہے کہ وہ مخلوقات کی صفات سے بالا و بلند اور اکبر ہے۔ کفارہ مشرکین اللہ تعالیٰ کیلئے اجمالی طور پر برائی اور کبریائی کا تو اقرار کرتے تھے مگر اپنے تصور فہم سے اللہ تعالیٰ کو بھی عام انسانوں پر قیاس کر کے اللہ کیلئے ایسی صفات ثابت کرتے تھے جو اس کی شان سے بہت بعید ہیں جیسے یہود و نصاریٰ نے اللہ کیلئے بیٹا ثابت کیا۔ کسی نے اللہ کیلئے انسان کی طرح جسم اور اعضاء ثابت کئے۔ کسی نے جہت اور سمت کو ثابت کیا حالانکہ وہ ان تمام حالات وصفات سے بالا و بلند اور منزہ ہے اور اس طرح اس کی طاقت اور قوت بھی انسانی تصور سے بالاتر ہے اس کی ذات ہو یا اس کی صفات کسی کو بھی انسانی ادراک و احاطہ میں نہیں دیا جا سکتا وہ ایسیت ان سمجھی اور ان پہچانی ذات ہے کہ اس کی پہچان کئے اس کے کاموں پر دھیان دینا چاہیے وہ اس طرح کہ جب کائنات موجود ہے اور اس کائنات کا یقینا کوئی ناظم و منتظم بھی ہوگا پھر وہ کون ہے' کہاں ہے اور کیسا ہے؟ اللہ ہے جو ہر جگہ موجود ہے اس کائنات کو پیدا کرنے کے بعد کا انتظام کرنے والا لیکن اس کو دیکھا نہیں جا سکتا اور جو دیکھا جائے وہ اللہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی قدرت سب پر بالا اور سب پر حاکم ہے۔ وہی ہمہ داں' ہمہ بیں اور وہی ہمہ تواں ہے۔ چونکہ دنیا کو صفات الٰہی میں سب سے زیادہ ٹھوکر لگی اور دنیا کی ساری قومیں اس کے علم و قدرت ہی کو سمجھتی رہیں لیکن وہ کسی کی سمجھ میں بہت کم ہی آیا اس لیے قرآن کریم ان عقائد کو بار بار صاف کرتا چلا جاتا ہے اور ان کی غلطیوں کی بار بار اصلاح کرتا ہے۔

﴿ سَوَآءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِۦ وَمَنْ

هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾

تم میں سے کوئی شخص چپکے سے بات کرے یا پکار کر کہے، رات (کی تاریکی) میں چھپا ہو یا دن (کی روشنی) میں چل پھر رہا ہو (اس کے علم کے اعتبار سے) سب برابر ہے۔

اس پہلی آیت میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ غیب اور شہادت، اور مخفی اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اس آیت میں فرمایا خواہ کوئی شخص آہستہ سے بات کرے یا زور سے بولے، وہ رات کو چھپا ہوا ہو یا دن میں سب کے سامنے اپنے راستہ پر اجا رہا ہو اللہ کے علم میں سب برابر ہے اور اس کی دلیل پہلی آیت میں بیان فرمادی کیونکہ ہو ہر غیب اور ہر شہادت کو جاننے والا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوگ کسی بات کو اپنے دلوں میں چھپالیں یا زبان سے اس کا اظہار کردیں، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، مجاہد نے کہا کوئی شخص رات کے اندھیرے میں چھپ کر برے کام کرے یا دن کے اجالے میں سب کے سامنے برے کام کرے اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہے۔

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ساری تعریفیں اس اللہ رب العزت کے لیے ہیں جو ہر قسم کی آواز کو سنتا ہے، یقیناً جب سیدہ خولہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئیں اور اپنے خاوند کی شکایت کی تو انھوں نے بڑی آہستہ آواز میں بات کی، جو میں نہ سن سکی، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کردی: (قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ) [المجادلۃ:۱] "یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے خاوند کے بارے

میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ کی طرف شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بیشک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔"[1]

﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ ﴾

ہر شخص کے آگے اور پیچھے اس کے مقرر کئے ہوئے نگراں لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل لیتی۔ اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کر لے تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی، نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی مددگار ہو سکتا ہے۔

ہر آدمی کے ساتھ فرشتے مقرر ہیں

ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد رات اور دن کے فرشتے

---

[1] [نسائی، کتاب الطلاق، باب الظہار: ۳۴۹۔ بخاری، کتاب التوحید، باب (وکان اللہ سمیعاً بصیراً) تعلیقاً قبل الحدیث: ۷۳۸۶]

ہیں، رات کے فرشتے آتے ہیں تو دن کے فرشتے چلے جاتے ہیں اور دن کے فرشتے آتے ہیں تو رات کے فرشتے چلے جاتے ہیں حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے تمہارے پاس آگے پیچھے آتے ہیں اور فجر کی نماز میں عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں، پھر جن فرشتوں نے تمہارے پاس رات گزاری تھی وہ اوپر جاتے ہیں تو ان سے ان کا رب پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا تھا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جب ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہا تھے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ [1]

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ معقبات سے مراد وہ فرشتہ ہیں جو انسان کے دائیں بائیں ہوتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند 5 / 293 ۔ 294 میں یہ حدیث مبارکہ نقل فرمائی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں رحمت کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم سب کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک جن (شیطان) ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اجمعین نے عرض کیا اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ رحمت مجسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہاں! مگر ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور وہ (شیطان) مسلمان ہو گیا اب وہ مجھے نیکی کا ہی کہتا ہے۔"

کتنے فرشتے مقرر ہیں

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحیث: 555، صحیح مسلم رقم الحدیث: 632، سنن النسائی رقم الحدیث: 487۔486 الموطا رقم الحدیث: 413)

کنانہ عدوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان ؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھے بتایئے کہ بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک فرشتہ تمہاری دائیں جانب تمہاری نیکیوں پر مقرر ہوتا ہے اور یہ بائیں جانب والے فرشتے پر امیر (حاکم) ہوتا ہے، جب تم ایک نیکی کرتے ہو تو اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب تم ایک برائی کرتے ہو تو بائیں جانب والا فرشتہ دائیں جانب والے فرشتے سے پوچھتا ہے، میں لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے نہیں! ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے لے! جب وہ تین مرتبہ پوچھتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاں لکھ لو! ہمیں اللہ تعالیٰ اس سے راحت میں رکھے، یہ کیسا برا ساتھی ہے یہ اللہ کے متعلق کتنا کم سوچتا ہے! اور یہ اللہ سے کس قدر کم حیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق:۱۸) وہ زبان سے جو بات بھی بات کہتا ہے تو اس کے پاس ایک نگہبان لکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اور دو فرشتے تمہارے سامنے اور تمہاری پیچھے سے ہوتے ہیں اللہ فرماتا ہے لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ (الرعد:۱۱) اس کے لیے باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور ایک فرشتہ ہے جس نے تمہاری پیشانی کو پکڑا ہوا ہے جب تم اللہ کے لیے تواضع کرتے ہو تو وہ تمہیں سر بلند کرتا ہے اور جب تم اللہ کے سامنے تکبر کرتے ہو تو وہ تمہیں ہلاک کر دیتا ہے۔ اور دو فرشتے تمہارے ہونٹوں پر ہیں وہ رتمہارے لیے صرف محمد صلوات کی حفاظت کرتے ہیں اور ایک فرشتہ تمہاتے منہ پر مقرر ہے وہ تمہارے منہ میں سانپ کو داخل ہونے نہیں دیتا، اور دو فرشتے تمہاری آنکھوں پر مقرر ہیں، ہر آدمی پر یہ دس فرشتے مقرر ہیں، رات کے فرشتے دن کے فرشتے

پر نازل ہوتے ہیں کیونکہ رات کے فرشتے دن کے فرشتوں کے علاوہ ہیں، ہر آدمی پر بیس فرشتے مقرر ہیں اور ابلیس دن میں ہوتا ہے اور اس کی اولاد رات میں ہوتی ہے۔ (۱)

نیز امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ ہر بندے کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے جو نیند اور بیداری میں اس کی جنابت، انسانوں اور حشرات الارض سے حفاظت کرتا ہے، سوا اس چیز کے جو اللہ کے اذن سے اس کو پہنچتی ہے۔۔۔ (۲)

ابو مجاز بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مراد (ایک جگہ) سے حضرت علیؓ کے پاس آیا، وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے کہا آپ اپنی حفاظت کر لیں کیونکہ مراد کے لوگ آپ کے قتل کی سازش کر رہے ہیں حضرت علی نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہیں جو ان مصاءب سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں جو تمہارے لیے مقدر نہیں کیے گے اور جب تقدیر آجاتی ہے تو وہ مصائب کا راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور موت بہت مضبوط ڈھال ہے۔ (۳)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(لوگو!) فرشتے تمہارے پاس پے در پے آتے جاتے رہتے ہیں، رات کے بھی اور دن کے بھی۔ ان کا میل صبح اور عصر کی نماز میں ہوتا ہے، تب تم میں رات گزارنے والے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں تو باوجود علم رکھنے کے، اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 15352، تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 557۔558، الدر المنثور ج 4، ص 615۔616)

۲۔ (جامع البیان رقم الدیث 15369)

۳۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 15317)

گئے تو وہ نماز میں تھے اور آئے تو انھیں نماز ہی میں چھوڑا۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک مصاحب جن (یعنی شیطان) اور ایک فرشتہ مقرر کیا ہے۔" لوگوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا: "ہاں! میرے ساتھ بھی، لیکن اللہ نے اس پر میری مدد کی ہے اور وہ مطیع ہو گیا ہے، وہ مجھے بھلائی کے سوا کچھ نہیں کہتا۔"[2]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ : اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمتوں کو اس وقت تک زائل نہیں کرتا، جب تک کہ وہ اپنی حالت بدل نہیں لیتی، یعنی خیر و صلاح کی راہ سے منحرف ہو جاتی ہے اور معاصی اور گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (52○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ 53○ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ)[الانفال: ۵۳، ۵۴] "یہ اس لیے کہ بیشک اللہ کبھی وہ نعمت بدلنے والا نہیں جو اس نے کسی قوم پر کی ہو، یہاں تک کہ وہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے اور اس لیے کہ بیشک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (ان کا حال) فرعون کی آل اور ان لوگوں کے حال کی طرح (ہوا) جو ان سے پہلے تھے، انھوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعون کی آل کو غرق کیا اور وہ سب ظالم تھے۔" اور فرمایا: (111○ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً

۱۔ [بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب فضل صلاۃ العصر: ۵۵۵۔ مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاتی الصبح والعصر: ۶۳۲]

۲۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ۔۔ الخ: ۲۸۱۴۔ مسند أحمد: ۱/۳۸۵، ح: ۳۶۴۷]

يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ)[النحل:۱۱۲] "اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی جو امن والی، اطمینان والی تھی، اس کے پاس اس کا رزق کھلا ہر جگہ سے آتا تھا، تو اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا، اس کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔" اور فرمایا: (لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝15 فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝16 ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ)[سبا:۱۵ تا ۱۷] "بلاشبہ یقیناً سبا کے لیے ان کے رہنے کی جگہ میں ایک نشانی تھی۔ دو باغ دائیں اور بائیں (جانب) سے۔ اپنے رب کے دیے سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو، پاکیزہ شہر ہے اور بے حد بخشنے والا رب ہے۔ پھر انھوں نے منہ موڑ لیا تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیجا اور ہم نے انھیں ان کے دو باغوں کے بدلے دو اور باغ دیے جو بدمزہ پھلوں اور جھاؤ کے درختوں اور کچھ تھوڑی سی بیریوں والے تھے۔ یہ ہم نے انھیں اس کا بدلہ دیا جو انھوں نے ناشکری کی اور ہم یہ بدلہ نہیں دیتے مگر اسی کو جو بہت ناشکرا ہو۔"

سیدہ زینب بنت جحش ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا کہ کیا ہمارے درمیان نیک لوگوں کے ہونے کے باوجود ہم ہلاک کر دیے جائیں گے، تو آپ نے فرمایا: "ہاں، جب گناہ کی کثرت ہو جائے گی۔"[1]

---

[1]۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قصة یأجوج ومأجوج:۳۳٤٦]

تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم عذاب کی نشانیوں کا مطالبہ کرنے کی بجائے اس سنت الٰہی کی روشنی میں اپنے حالات کا جائزہ لو۔لیکن اگر تم نے اپنی حالت بدلنے کی طرف توجہ نہ دی تو پھر یاد رکھو جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب لانے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کو ٹالنے والا کوئی نہیں ہوتا۔اور نہ کوئی ایسا کارساز اور مددگار ہوتا ہے جو اس مصیبت میں کام آئے۔مشرکینِ مکہ کی یہ سوچ کہ فرشتے انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گے یا وہ بت کام آئیں گے جن کی یہ پوجا کرتے رہتے ہیں سراسر ایک مہمل خیال ہے، وہاں صرف ایمان وعمل کا سکہ چلتا ہے، ایسے وقت میں کوئی کسی کو بچا نہیں سکتا۔

﴿ هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ ﴾

وہی ہے جو تم کو بجلی دکھاتا ہے، ڈرانے اور امید دلانے کے لیے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔

خالق و مالک حقیقی وہی اللہ تو ہے جو تمہیں ڈارنے اور دلا کے لیے بجلی دکھاتا ہے۔جب بجلی چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی امید کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی بجلی گرنے سے ڈرتے ہیں۔اس کے علاوہ جو لوگ سفر میں ہوتے ہیں وہ بارش کے ضرر کا خوف کرتے ہیں، بعض لوگوں کو کھیتی تباہ ہونے کا خوف ہوتا ہے اور بعض مکانوں کے گرنے سے درتے ہیں۔دوسری طرف کچھ لوگ اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ بارش آنے سے گرمی اور موسم کی شدت دور ہو جائے گی۔کھیتی اور پھلوں کو فائدہ پہنچے گا۔گویا ایک ہی شئے ایک ہی وقت میں نعمت بھی ہے اور عذاب و مصیبت بھی اور یہ اس کی قدرت کے کمال کی دلیل ہے۔

پھر فرمایا کہ وہی اللہ قدرت کاملہ سے بھاری بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے جو لاکھوں کروڑوں من پانی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ بادل اللہ کے حکم کے بغیر کہیں نہیں برستے۔ یہ صرف ایسی جگہ اور اتنی ہی مقدار میں برستے ہیں جس مقام اور مقدار کے لیے اللہ کی طرف سے ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ ان بادلوں میں سے اپنی ضرورت کے لیے پانی کا ایک قطرہ بھی لے سکے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بادل کی گرج حمد وثنا کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں۔ غرض یہ رعد وبرق اس کے قہر کی نشانیاں ہیں جن سے وہ بندوں کو ڈراتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ ٹوٹ کر گرنے والی بجلیاں بھیج کر جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ جلا کر ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ منکرین حق اللہ کے قہر کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ وہ اس کی توحید، قدرت کاملہ، علم محیط، لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنے اور جزا وسزا دیئے جانے کے بارے میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ (اللہ) بڑی سخت قوت وقدرت والا ہے۔ یہ منکرین ومعاندین اس کے قبضہء قدرت سے نہیں نکل سکتے۔

ابن مردویہؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب تیز ہوا چلتی یا کڑک کی آواز سنتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرہ انور کا رنگ بدل جاتا پھر آپ رعد (بادل کی گرج) کے لیے فرماتے:

سبحان من سبحت لھ۔ پاک ہے وہ ذات جس کی تسبیح کی گئی۔ اور ریح کے لیے فرماتے اللھ اجعلھا رحمۃ ولا تجعلھا عذاباً ابن ابی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رعد سنتے تو فرماتے: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

ابن مردویہ اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رعد کی آواز سنتے تو کہتے: سبحان من یسبح الرعد بحمدہ۔ [1]

﴿ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝١٣ ﴾

اور بجلی کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے، پھر جس پر چاہے انھیں گرا دیتا ہے اور وہ (اہل مکہ خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

الرعد اور الصواعق کے معانی

رعد اس آواز کو کہتے ہیں جو اجسام سماویہ کی رگڑ کی وجہ سے بادل کی درمیان سے سنائی دیتی ہے، یعنی جب وہ بادل ٹکراتے ہیں اور ان کی رگڑ سے ہوا جل جاتی ہے تو اس سے گرج اور چمک پیدا ہوتی ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ بن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس کے یہود آئے اور انہوں نے کہا اے ابولق اس! ہمیں بتایئے کہ تعد کی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جس کو بادل کے

---

[1] تفسیر الدر منثور ، تفسیر ابن جریر طبری

اوپر مقرر کیا گیا ہے اس کے پاس آگ کا ایک کوڑا ہے وہ اس سے جہاں اللہ چاہتا ہے بادل کو ہنکاتا ہے۔انہوں نے پوچھا او یہ آواز جو ہم سنتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جہاں بادل کو لے جانے کا حکم دیا ہو وہاں لے جانے کے لیے فرشتہ جب بادل کو کوڑا مارتا ہے تو یہ اس کی آواز ہے۔انہوں نے کہا آپ نے سچ کہا۔الحدیث۔یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ①

الصواعق۔الصاعقہ کی جمع ہے۔صاعقہ فضاء آسمان کی گڑگڑاہٹ کو کہتے ہیں اور کبھی اس عظیم آگ کو صاعقہ کہتے ہیں جو بارش اس بجلی چمکنے کے دوران زمین کی طرف نازل ہوتی ہے۔عرف میں اس کو بجلی گرنا کہتے ہیں یہ اس وقت ہوتا ہے جب بادل زمین کے قریب ہوتے ہیں جس چیز پر یہ آگ گرتی ہے اس کو جلا ڈالتی ہے۔

علامہ واحدی ؒ نے اس آیت کے شان نزول میں عامر بن الطفیل اور اربد بن ربیعہ کا واقعہ ذکر کیا ہے یہ واقعہ ہے جس کا ہم نے اس سورت کے تعارف میں ذکر کیا ہے۔ ②

علامہ قرطبی نے بھی اس آیت کے شان نزول میں اس وقعہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اربد بن ربیعہ پر بجلی گرائی گئی تھی۔ ③

اس آیت میں فرمایا ہے وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی 468ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:3117، مسند احمد ج1، ص274، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث:5445، المعجم الکبیر رقم الحدیث:12429، حلیۃ الاولیاء ج4، ص304)

۲۔(اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث:547،)

۳۔(الجامع لاحکام القرآن جز9، ص258)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مرتبہ عرب کے متکبرین میں سے ایک شخص کے پاس ایک آدمی بھیجا اور فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ اس نے کہا یا رسول اللہ! وہ اس سے تکبر کرے گا آپ نے فرمایا تم جاؤ اس کو بلا لاؤ وہ شخص اس کے پاس گیا اور کہا تم کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بلا رہے ہیں۔ اس نے کہا اللہ کیا چیز ہے؟ کیا وہ سونے کا ہے یا وہ چاندی کا ہے یا وہ پیتل کا ہے؟ وہ شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس واپس آ گیا اور آپ کو بتایا اس نے کیا کہا ہے اور کہا میں نے پہلے عرض کیا تھا وہ تکبر کرے گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اس کو دوبارہ بلاؤ۔ وہ دوبارہ گیا۔ اس متکبر شخص نے پھر اسی طرح کہا۔ وہ پھر لوٹ آیا اور آپ کو بتایا کہ اس نے کیا کہا ہے آپ نے اس کو پھر تیسری بار بھیجا اس نے پھر اسی طرح کہا اور جس وقت وہ یہ کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے سر کے اوپر بجلی گرا دی اور پھر یہ آیت نازل فرمائی: اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا ہے درآں حالیکہ وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ [1]

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیت دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہو۔

﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ ﴾

ا۔ (اسباب النزول للواحدی ص546، جامع البیان رقم الحدیث: 15388، مسند البزار رقم الحدیث: 2221، مجمع الزوائد ج7 ص279) مسند ابو یعلی رقم الحدیث: 3341، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: 11259)

اسی کا پکارنا حق ہے، اور جن (بتوں کو) یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی دعا قبول نہیں کرتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلانے والا ہے، حالانکہ وہ پانی کبھی اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی جتنی پکار ہے سب گمراہی ہے۔

پانی کے ساتھ غیر اللہ کی تمثیل کے محامل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو پکارنے والوں کی مثال اس شخص سے دی ہے جو پانی کی طرف اپنے ہاتھ بڑھائے حالانکہ پانی اس تک نہ پہنچ سکے۔ مفسرین نے اس تمثیل کے حسب ذیل محمل بیان کیے ہیں

(1) مجاہد نے بیان کیا: جو شخص پانی سے دور کھڑا ہو اور اپنے منہ سے پانی پر قادر نہ ہو وہ اپنے ہاتھوں سے پانی کی طرف اشارہ کرے تاکہ پانی اس تک پہنچ جائے تو ظاہر ہے کہ پانی از خود اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک پیاسا شخص اپنے ذہن میں پانی کا تصور کرے، پھر خارج میں اپنے ہاتھ پھیلائے تاکہ پانی کو اپنے منہ تک پہنچ آئے تو ظاہر ہے کہ وہ اس طرح پانی کو اپنے منہ تک نہیں پہنچا سکتا۔

(3) فراء نے کہا پانی سے مراد اس آیت میں کنوں ہے اب اگر کوئی شخص بغیر رسی اور ڈول کے اپنے ہاتھ کنویں کی طرف پھیلائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے تو ظاہر ہے اس طرح پانی اس کے منہ تک

نہیں پہنچ سکتا۔ [1]

حضرت علیؓ نے کہا: یہ آدمی اس پیاسے کی طرح ہے جو کنویں کے کنارے پر ہوتا ہے، وہ کنویں کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی پانی اس تک بلند ہوتا ہے۔ اور الا کباسط کا معنی ہے الا کاستجابۃ باسط کفیہ ہے۔ مصدر باسط کی طرف مضاف ہے پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے اور مصدر مضاف کا فاعل ہی معنی میں مراد ہے اور وہ ہے "الماء" معنی یہ ہوگا: اِلا کاِجابۃ باسط کفیہ اِلی الماء اور لیبلغ فاہ میں لام باسط کے متعلق ہوگی اور اللہ کا ارشاد: وما ھو ببالغہ پانی سے کنایۃ ہے، یعنی وما الماء ببالغ فاہ اور پانی اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ھو منہ سے کنایۃ ہو یعنی ما الفم ببالغ الی الماء منہ پانی تک پہنچنے والا نہیں۔ وما دعآء الکفرین الا فی ضلل یعنی کافروں کا بتوں کی پوجا کرنا سوائے گمراہی کے کچھ نہیں، کیونکہ یہ شرک ہے، ایک قول کے مطابق: الا فی ضلل کا معنی یہ ہے کہ وہ دعا ان سے دور ہوجاتی ہے پس وہ اس سے کوئی حصہ نہیں پاتے جس طرح اللہ نے ارشاد فرمایا: این ما کنتم تشرکون۔ من دون اللہ قالوا ضلوا عنا (المومن) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ کافروں کی آواز اللہ تعالیٰ سے چھپ جاتی ہے پس وہ ان کی دعائیں سنتا ہی نہیں۔

﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿١٥﴾ ﴾

اور جتنی مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خوشی سے اور مجبوراً اور ان کے سائے بھی

---

[1] ۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء ص 262، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

صبح وشام سجدے کرتے ہیں۔

آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب اللہ کے ارادہ ومشیت اور اس کے حکم کے تابع ہیں۔کوئی بھی اس کے حکم سے ایک ذرہ برابر سرتابی نہیں کرسکتا۔ جو کفار اللہ کو سجدہ نہیں کرتے، وہ بھی اس کے ارادہ و مشیت کے مطابق کبھی صحت مند ہوتے ہیں تو کبھی بیمار، ان میں کوئی مال دار ہوتا ہے تو کوئی فقیر، انھیں بھی ایک محدود وقت تک زندہ رہنے کے بعد موت لاحق ہوتی ہے۔اہل ایمان اللہ کے سامنے برضا ورغبت جھکتے ہیں اور کافر اللہ تعالیٰ کے اوامر کو قبول کرنے پر مجبور ہیں۔

قالہ تعالیٰ: وللہ یسجد من فی السموت والارض طوعا وکرھا حضرت حسنؒ اور قتادہؒ وغیرہ نے کہا: مومن خوشی سے سجدہ کرتا ہے اور کافر تلوار سے مجبور ہوکر۔ حضرت قتادہؒ سے ہی مروی ہے کہ کافر کو جب ایمان کوئی فائدہ نہیں دیتا تو وہ مجبوراسجدہ کرتا ہے۔زجاج ؒ نے کہا: کافر کا سجدہ مجبورا ہوتا ہے اس میں نہ خضوع ہوتا ہے اور نہ ہی عمل کا اثر۔ابن زیدؒ نے کہا: طوعا سے مراد وہ ہے جو اسلام میں رغبت وشوق سے داخل ہوا اور کرھا سے مراد وہ ہے جو تلوار سے ڈر کر اسلام میں داخل ہوا۔ایک قول یہ ہے: طوعا سے مراد وہ ہے جس کے اسلام کی مدت لمبی ہے اور اس نے اس لمبی عمر کو سجدوں میں مصروف رکھا اور کرھا سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی ذات کو حقیر اور ناپسندیدہ سمجھتا ہے، تو اس صورت میں آیت مومنوں کے حوالے سے ہی ہے اس اعتبار سے والارض سے مراد بعض من فی الارض ہے۔قشیری نے کہا: آیت میں دو مسلک ہیں۔ایک یہ کہ آیت عام ہے اور اس کی مراد مخصوص ہے، مون خوشی سے سجدہ کرتا ہے اور بعض کفار منافقین کی طرح مجبورا اور خوف سے سجدہ کرتے ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ آیت مومنین کے بارے میں ہے۔ان میں سے بعض خوشی سے سجدہ کرتے ہیں ان پر سجدہ بھاری نہیں ہوتا اور بعض پر

بھاری ہوتا ہے کیونکہ امور تکلیفیہ کا التزام مشقت ہے مگر وہ مشقت کو اخلاص اور ایمان کے ساتھ برداشت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ حق کو پا لیتے ہیں اور اس پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ مومن خوشی سے سجدہ کرتا ہے جبکہ کافر کو سجدہ کا حکم ہے اور اس پر اس کا مواخذہ بھی ہوگا۔ دوسرا مسلک اور یہی حق ہے کہ مومن اپنے بدن کے ساتھ خوشی سے سجدہ کرتا ہے اور مومن و کافر ہر مخلوق اس اعتبار سے سجدہ کرتی ہے کہ وہ مخلوق ہے، جس طرح اللہ کا ارشاد ہے: وان من شیء الا یسبح بحمدہ (الاسراء :44) کوئی شے نہیں مگر وہ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔ تو یہ تسبیح دلالۃ ہوتی ہے عبادۃ نہیں۔

سایہ کیا ہے؟ سایہ ایک عدمی اور سلبی شے ہے جس کا اطلاق اس حال پر ہوتا ہے جب روشنی کسی جسم کثیف کے توسط سے دور ہو جائے۔۔ جیسے رات کا اطلاق دن کے عدم پر ہوتا ہے۔ یہاں پر اگر یہ لفظی معنی لیے جائیں جب کوئی اشکال نہیں۔ مراد یہ ہوگی کہ اشیاء موجود فی الخارج اور ان کے اظلال سب ہی قادر مطلق کے مطیع و منقاد ہیں۔ وحشی قوموں میں "سایہ" کو عالم بالا کی کوئی چیز سمجھ کر اس سے بہت ڈرا گیا ہے۔ قرآن کریم نے بتایا کہ ر موجود شے کی طرح اس کا سایہ بھی محض مخلوق ہے اور ہر کثیف چیز کے ساتھ لازم ہے۔ یہ جو تصور دیا جاتا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سایہ نہیں تھا بالکل ایک تصوری بات ہے جس کی حقیقت سوائے جہالت کے کچھ بھی نہیں۔ جیسے یوں کہا جائے کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب کی سب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کے سایہ سے ہے تو خوش ہو جائیں گے اور اگر یہ کہا جائے گا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سایہ نہ تھا تو منہ چڑھانے لگیں۔ اندھی عقیدت میں جو عقیدہ طے پا گیا بس وہ لوہے پر لکیر ہے۔ اصلیت اس کی موجود ہو یا نہ ہو ہماری بلا ہے۔

﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ ط قُلْ

اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا
ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي
الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ
فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

(اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان سے پوچھئے) کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہے۔ آپ کہیے کیا تم اس کے سوا دوسروں کو حمایتی بناتے ہو جو اپنے نفع اور نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہا اندھا اور آنکھوں والا کیا برابر ہیں؟ اور کیا اندھیرا اور اجالا یکساں ہیں کیا انہوں نے اللہ کے لیے ایسے شریک قرار دے رکھے ہیں جنہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسا کہ اللہ نے پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ یکتا ہے، سب پر غالب ہے۔

کافر اور مشرک اس لحاظ سے برابر ہیں کہ کافر مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتا ہے اور مشرک انتہائی مشکل

کے وقت خالصتاً اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے گویا کہ مشرک اور کافر اپنے اپنے انداز میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا مجبوراً اقرار کرتے ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ارشاد ہوا کہ آپ ان لوگوں سے استفسار فرمائیں کہ زمین وآسمان کا رب کون ہے؟ اگر یہ خاموشی اختیار کریں تو آپ انہیں فرمائیں کہ صرف ایک اللہ ہی زمین وآسمان کو پیدا کرنے والا ہے۔ مشرکین سے پھر پوچھیے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا خیر خواہ اور کارساز سمجھ لیا ہے جو اپنے بارے میں نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ کیا اندھا اور دیکھنے والا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا جن کو اللہ کا شریک بنایا جاتا ہے انہوں نے کوئی ایسی چیز پیدا کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیز کے مشابہ ہو؟ اگر یہ لوگ ان باتوں کا جواب نہیں دیتے تو آپ ضرور جواب دیں کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور اکیلا ہی قہار اور زبردست ہے۔ اس فرمان میں مشرکین سے براہ راست تین سوال کیے گئے ہیں کہ زمین وآسمان کا رب کون ہے؟ کیونکہ ہر دور کے مشرک کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ان کی خاموشی کو ہاں سمجھتے ہوئے اگلا سوال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اس سوال کا جواب مشرکین کی طرف سے یوں دیا گیا ہے۔

۱۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین وآسمان کو کس نے پیدا کیا سورج اور چاند کو کس نے مسخر فرمایا؟ ان کا جواب ہوگا کہ زمین وآسمان اللہ ہی نے پیدا کیے ہیں اور چاند، سورج کو بھی اسی نے مسخر کیا ہے۔ اس اقرار کے باوجود یہ لوگ کیوں بہک چکے ہیں۔

۲۔ ان سے سوال کیا گیا کہ کون آسمان سے بارش نازل فرما کر مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔ اس کا جواب بھی ان کی طرف سے یہی تھا اور ہے کہ صرف اللہ ہی سب کچھ کرتا ہے اے نبی! فرمائیں کہ سب کچھ اللہ

ہی کرتا ہے تو پھر یہ تم کیوں نہیں سمجھتے۔(العنکبوت:٦١ تا ٦٣)

٣۔ان سے یہ سوال کیا گیا کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس کا حقیقی مالک کون ہے؟ اگر تم جانتے ہو تو اس کا جواب دو۔ان سے پوچھیے کہ پھر نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے؟

٤۔ان سے پھر سوال کیجئے کہ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ ان کا جواب ہے کہ اللہ ہی ان کا رب ہے۔فرمایئے کہ پھر کیوں شرک سے باز نہیں آتے۔

٥۔سوال ہوا کہ ہر چیز کس کے قبضہ قدرت میں ہے۔کون ہر چیز کی حفاظت کرتا ہے؟ اللہ کے سوا اور کوئی ہے۔مشرکین اس کا یہی جواب دیا کرتے ہیں کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہر چیز کا کنٹرول ہے۔فرمائیں کہ پھر کیا تمہیں جادو ہو گیا ہے کہ حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔(المومنون ٨٥ تا ٨٩)

مشرکین کے جواب کے بعد اب ان سے ان شریکوں کے بارے میں دو سوال کیے جاتے ہیں۔کیا جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا خیر خواہ اور نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہو وہ اپنے نفع ونقصان کا اختیار رکھتے ہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا' اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جب توحید کی حقیقت اور شرک کا بے حیثیت ہونا ظاہر ہو چکا ہے تو پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات کے حوالے سے "وحدہ لاشریک" کیوں نہیں سمجھتے؟ کیا دنیا میں کوئی ایسی مخلوق ہے۔جو ان کے معبودان باطل نے پیدا کی ہو یا یہ چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ، کسی چیز کے مشابہ ہو۔جس وجہ سے انہیں شرک اور توحید میں اختلاط نظر آتا ہے اور جسے سمجھنا ان کے لیے مشکل ہو چکا ہے۔جس بنا پر یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں۔ظاہر ہے ایسا ہرگز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا، بیشک اولیا، جنات یا ملائکہ ہوں کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتا۔لہٰذا اللہ ہی ہر چیز کا واحد خالق

ہے اور وہ زبردست قدرت رکھنے والا ہے۔ یہاں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ توحید کا عقیدہ رکھنے والا شخص بینا ہے اور شرک کرنے والا اندھا ہے۔ کیونکہ اسے زبردست قدرت رکھنے والے اللہ کی قدرتیں دکھائی نہیں دیتیں۔ شرک ہر قسم کے اندھیرے ہیں اور توحید اللہ کا نور اور روشنی ہے۔ جو شخص اس روشنی کی تلاش کی جستجو کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے شرک و بدعت کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی جلوہ گاہ میں پہنچنے کی توفیق دیتا ہے۔ (آل عمران:۲۰۷)

﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ﴾

اسی (اللہ) نے آسمان سے پانی برسایا تو وادیاں اپنے اپنے اندازے کے مطابق بہہ نکلیں، پھر سیلاب (میل کچیل کے) جھاگ کو اوپر لے آیا، اور (دیکھو،) یہ جو (لوگ) زیور یا دوسرے ساز و سامان (بنانے) کے لیے (دھاتوں کو) آگ میں

تپاتے ہیں ان میں بھی ایسا ہی جھاگ (اٹھتا) ہے۔ یوں حق و باطل کی مثال اللہ بیان کرتا ہے۔ سو (میل کچیل کا) جھاگ (جو کسی کام کا نہ تھا) رائیگاں جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کے لیے نافع ہے زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔ اس طرح اللہ (لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لئے) مثالیں بیان کرتا ہے۔

حق و باطل کی مثالیں

توحید اور شرک کے فرق کو سمجھنے کے لیے مزید دو مثالیں۔

دین اور اس کے مرکزی نقطہ یعنی توحید کی مثال آسمان سے بارش کی مانند ہے۔ جب موسلا دھار بارش برستی ہے تو ہر وادی اور ندی نالے اپنی اپنی وسعت و کشادگی کے مطابق اس سے سیر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ندی نالوں میں چلنے والا سیل رواں اپنے اوپر جھاگ اٹھائے ڈھلوان کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ دیکھنے میں پانی کے بجائے جھاگ ہی جھاگ نظر آتی ہے لیکن کچھ وقت کے بعد جھاگ اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ بعض اوقات حق و باطل کی کشمکش توحید اور کفر و شرک کی آویزش میں ابتداء یہی منظر آتا ہے جیسے باطل حق پر غالب آجائے گا۔ لیکن جب حق والے اپنے وسائل بروئے کار لاتے ہوئے پوری استقامت کے ساتھ جدوجہد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پانی کی جھاگ کی طرح کفر کو مٹا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا اعلان ہے کہ حق آچکا اور باطل بھاگ کھڑا ہوا باطل کا کام بھاگنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (بنی اسرائیل۔۸۱)

اس ارشاد میں دوسری مثال توحید اور کفر و شرک کی کشمکش کو ایک کٹھالی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا

ہے کہ جس طرح کٹھالی میں سونا یا کوئی دھات رکھ کر اسے آگ دی جائے تو سونے سے اس کی ملاوٹ و کثافت الگ ہوجاتی ہے۔ خالص سونا پوری چمک دمک کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح حق و باطل کے معرکہ میں حق پر قائم رہنے اور اس کی خاطر قربانیاں دینے والے اللہ تعالیٰ کی نظر میں کندن بن جاتے ہیں اور ان کا کردار آنے والی نسلوں کے لیے تقویت کا باعث اور مشعل راہ ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح سونے کی میل کچیل اور پانی کی جھاگ بے فائدہ اور فضول چیز ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح کفر و شرک کے لیے کوشش کرنے والوں کی محنت اور وسائل ضائع ہوجائیں گے۔ سونا زیب وزینت کا باعث اور منافع بخش چیز ہے۔ پانی زمین میں جذب ہونے کی وجہ سے گل وگلزار اور اناج پیدا کرتا ہے۔ جس پر لوگوں کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ یہی مثال دین حق کی ہے کہ جس کے نفاذ سے ہر کسی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس مثال سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصل چیز کو ہی بقا اور دوام حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا حق کو دوام اور باطل کے لیے فنا ہے۔ حق بات دنیا و آخرت میں مفید ہے اور باطل فضول اور ہمیشہ کے لیے نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ مثالیں اس لیے بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ ان سے سبق حاصل کریں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں کافروں کے لیے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے :(وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ)[النور:۳۹] "اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ان کے اعمال کسی چٹیل میدان میں ایک سراب کی طرح ہیں۔"

اور سراب سخت گرمی میں ہوتا ہے، جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(قیامت کے دن) ان (یہودیوں) سے پوچھا جائے گا کہ اب تم کیا مانگتے ہو؟ وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلا دے، تو ان سے کہا جائے گا پھر جاتے

کیوں نہیں کہ پیو، پھر انھیں جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا تو وہ ان کو ایسی نظر آئے گی جیسے دنیا میں صحرا (ریت کے میدان)۔"[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں دوسری مثال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (اَوۡ كَظُلُمٰتٍ فِىۡ بَحۡرٍ لُّجِّىٍّ) [النور: ٤٠] "یا ان اندھیروں کی (مثال کی) طرح جو نہایت گہرے سمندر میں ہوں۔"

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس ہدایت و علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال اس بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی۔ اب زمین کے ایک حصے نے تو پانی قبول کر لیا اور اس پر گھاس اور چارا بکثرت اگ آیا اور زمین کا کچھ حصہ جاذب تھا، سو اس نے پانی روک لیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور یوں پانی ان کے پینے پلانے کے اور کھیتی باڑی کے کام آیا اور زمین کا جو ٹکڑا سنگلاخ اور سخت تھا نہ اس میں پانی ٹھہرا اور نہ وہاں کچھ پیداوار ہو سکی۔ تو یہ اس کی مثال ہے جس نے دین میں سمجھ حاصل کی اور میری بعثت سے اللہ نے اس کو فائدہ پہنچایا، اس نے خود علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس کی بھی مثال کہ جس نے اس کی طرف توجہ تک نہ کی اور نہ اللہ کی وہ ہدایت قبول کی جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔"[2]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی، جب آگ نے اپنے آس پاس کی چیزوں کو روشن کر دیا تو پتنگے اور پروانے وغیرہ اس میں گر گر کر جان دینے لگے، اب وہ انھیں ہر چند روکتا ہے لیکن وہ پھر بھی برابر گر

---

[1]۔ [مسلم، کتاب الایمان، باب معرفۃ الرؤیۃ: ۱۸۳]

[2]۔ [بخاری، کتاب العلم، باب فضل من علم وعلّم: ۷۹۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب بیان مثل ما بعث النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) من الھدی والعلم: ۲۲۸۲]

رہے ہیں۔ بالکل یہی مثال میری اور تمہاری ہے کہ میں تمہاری کمر پکڑ کر تمہیں روکتا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ آگ سے پرے ہٹو، لیکن تم میری نہیں سنتے، نہیں مانتے، بلکہ مجھ سے چھوٹ چھوٹ کر آگ میں گرے چلے جاتے ہو۔"[1]

﴿ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۭ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۸ ﴾

جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا ان کے لیے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اس کا حکم نہ مانا اگر ان کیلئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس جیسا اور بھی ہو تو وہ اس سب کو اپنی جان کے بدلہ دے دیں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے۔

جن لوگوں نے اپنے رب کی رضا کی خاطر اس کے حکم کو مانتے ہوئے سچائی کو قبول کیا اور اس پر عمل پیرا ہو گئے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں بہتری ہے۔ جنہوں نے اپنے رب کے حکم کو تسلیم نہ کیا ان کے

۱۔[مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی أمتہ۔۔الخ: ۲۲۸۵، ۱۸/۴ ۲۲۸۔ بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (ووھبنا لداؤد وسلیمان نعم العبد۔۔الخ): ۳۴۲۶]

لیے دنیا میں نقصان اور آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ جس سے چھٹکارا پانے کے لیے زمین اور اس کی ہر چیز بلکہ اتنا کچھ اور بھی فدیہ کے طور پر دیں تو انہیں چھٹکارا حاصل نہ ہوگا۔ ان کا حساب و کتاب برا ہوگا اور انہیں جہنم میں جھونکا جائے گا جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔ قرآن مجید کئی مقامات پر یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ دنیا کے مال و اسباب دنیا میں ہی رہ جائیں گے مرنے کے بعد انسان نے خالی ہاتھ اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہاں نیکی و بدی کے سوا انسان کے پاس اور کچھ نہ ہوگا۔ اس حقیقت کے باوجود قرآن مجید نے یہاں اور آل عمران: ۹۱ میں لوگوں کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ مجرم فدیہ میں زمین سے بھرا ہوا سونا بھی دے تو اس کا چھٹکارا نہیں ہو پائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ کفر و شرک اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کا مرتکب شخص کسی صورت بھی عذاب سے نجات نہیں پا سکے گا۔

"حضرت عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس موجود تھا کہ آپ کی خدمت میں دو آدمی آئے ایک نے فقر و فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے نے راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی شکایت کی اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جہاں تک راستوں کے غیر محفوظ ہونے کا تعلق ہے تو بہت جلد ایسا زمانہ آئے گا جب ایک قافلہ مکہ سے کسی محافظ کے بغیر نکلے گا اور اسے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ رہا فقر و فاقہ تو قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایک شخص اپنا صدقہ لے کر نکلے گا لیکن اسے کوئی لینے والا نہ ہوگا، پھر اللہ کے سامنے ایک آدمی اس طرح کھڑا ہوگا اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا اور نہ کوئی ترجمان، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا میں نے تجھے دنیا میں مال نہیں دیا تھا وہ کہے گا کیوں نہیں۔ اللہ فرمائے گا کیا میں نے تیرے پاس پیغمبر نہیں بھیجا تھا وہ کہے گا کیوں نہیں، پھر وہ اپنے دائیں اور بائیں جانب دیکھے گا تو اسے آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا سو

جہنم سے بچ جاؤ خواہ ایک کھجور کے ٹکڑے سے ہی بچا جائے اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو منہ سے اچھی بات کہو۔ ---"[1]

سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا جس کو جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ہوگا کہ اگر تیرے پاس دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب ہوتا تو کیا تو اسے فدیہ میں دے دیتا (اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑوا لیتا؟) وہ بولے گا کہ ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو اس سے بہت آسان بات چاہی تھی (جس میں کچھ خرچ نہ تھا) جب تو ابھی آدم (علیہ السلام) کی پشت میں تھا کہ تو شرک نہ کرنا، تو میں تجھے جہنم میں داخل نہیں کروں گا، تو نہ مانا اور شرک کیا۔"[2]

﴿ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ﴿۲۰﴾ ﴾

بھلا جو شخص اس بات کو جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا وہ برحق ہے اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھا ہے، بس وہی

---

[1] [رواہ البخاری: باب صدقۃ قبل الرد]

[2] [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب طلب الکافر الفداء بملء الأرض ذہبا: ۲۸۰۵]

نصیحت پکڑتے ہیں جن کو عقل ہے۔(۱۹) یہ وہ لوگ ہیں کہ جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا ہے اس کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے۔(۲۰)

شان نزول

یہ ضرب المثل اللہ تعالیٰ نے مومن و کافر کے لیے بیان فرمائی ہے، روایت ہے کہ یہ حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ اور ابو جہل لعنۃ اللہ علیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اعمی سے مراد دل کا اندھا ہے اور جو دین سے جاہل ہوتا ہے وہ دل کا اندھا ہے۔ انما یتذکر اولوا الباب نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔

کافر اور مومن کی ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ جو آدمی یقین رکھتا ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کردہ کتاب ہے، وہ اس کی مانند نہیں ہوسکتا جو اس ایمان سے محروم ہے، بلکہ وہ اندھا ہے، جو خیر و شر میں تمیز نہیں کر پاتا۔ دونوں کے درمیان ایسا ہی فرق ہے جیسا پانی اور جھاگ، عمدہ اور زنگ آلود معدنیات کے درمیان ہے۔

قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ مالکی المعروف بابن العربیؒ المتوفی 543ھ لکھتے ہیں:

بندہ نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیے ہیں ان میں سے ایک عہد یہ ہے کہ وہ گناہوں سے باز رہے گا، اور اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرے گا اور عظیم وعدوں میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہیں کرے گا۔ ابو حمزہ خراسانی بہت بڑے عبادت گزار تھے، انہوں نے یہ حدیث سنی کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس بات پر بیعت کی ہے کہ وہ کسی

شخص سے سوال نہیں کریں گے، پھر اگر ان میں سے کسی کا چابک بھی گر جاتا تو وہ کسی شخص سے یہ نہیں کہتا تھا کہ یہ چابک مجھے اٹھا کر دو، تو ابو حمزہ نے کہا اے میرے رب! ان لوگوں نے تیرے نبی کی زیارت کی تھی تو انہوں نے تیرے نبی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے اور میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ میں کبھی بھی کسی سے سوال نہیں کروں گا۔ وہ حج کرنے کے لیے شام سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے وہ کسی سبب سے اپنے اصحاب سے بچھڑ گئے اور وہ رات کے اندھیرے میں جا رہے تھے، راستہ کنارے میں ایک کنواں تھا، وہ اس میں گر گئے، جب وہ کنویں کی گہرائی میں پہنچے تو ان کو یہ خیال آیا کہ میں کسی کو مدد کے لیے پکاروں، شاید کوئی شخص میری پکار سن کر مجھے کنویں سے نکال دے، پھر سوچا جس ذات سے میں نے یہ عہد کیا ہے کہ میں کسی سے سوال نہیں کروں گا وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میرے بات سن رہا ہے، اللہ کی قسم میں کسی شخص کو نہیں پکاروں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگوں کی ایک جماعت وہاں سے گزری، جب انہوں نے راستہ کے کنارے میں ایک کھلا ہوا کنواں دیکھا تو انہوں نے کہا اس کنویں کو بند کر دینا چاہیے ورنہ اس میں کوئی گر جائے گا، پھر وہ لکڑیوں کے تختے لے آئے اور ان تختوں کو کنویں کے منہ پر رکھ کر اس کو مٹی کا لیپ چڑھا کر پختہ طریقہ سے بند کر یا۔ جب ابو حمزہ نے یہ دیکھا تو دل میں کہا اب تو ہلاکت بالکل سر پر پہنچ گئی ہے اور یہ ارادہ کیا کہ ان لوگوں کو آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کروں، ورنہ میں کبھی بھی اس کنویں سے نہیں نکل سکوں گا، پھر اس کو یہ خیال آیا کہ جس ذات سے میں نے عہد کیا تھا وہ ان تمام حالات کو دیکھ رہا ہے، پھر وہ خاموش ہو گیا اور اللہ پر توکل کر کے بیٹھ گیا اور اپنی نجات کے متعلق غور و فکر کرنے لگا پھر اچانک اس نے دیکھا کہ لوگوں نے کنویں کی چھت بنائی تھی اس سے مٹی گر رہی ہے۔ اور لکڑی کے تختے اپنی جگہ سے اٹھ آئے جا رہے ہیں۔ اور اسی وقت ایک شخص کی آواز آئی اپنا

ہاتھ لاؤ، انہوں نے اس شخص کو اپنا ہاتھ دیا۔ اس نے ایک ہی بار میں ان کو اوپر اٹھا کر کنویں سے نکال لیا۔ وہ کہتے ہیں جب میں باہر نکلا تو مجھے کوئی شخص نظر نہیں آیا میں نے یا تف غیبی کی یہ آواز سنی تم نے توکل کا ثمرہ دیکھ لیا! قاضی ابن العربی نے کہا اس شخص سے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو کامل طریقہ سے پورا کیا تھا، تم بھی اس کے طریقہ پر عمل کرو تو ہدایت پا جاؤ گے۔ [1]

توکل کا صحیح مفہوم

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکیؒ متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابوالفرج ابن الجوزی نے کہا ہے ابوحمزہ کا اس مقام پر توکل کرنا اور کسی سے سوال نہ کرنا اس زعم میں اس کی اپنے نفس پر اعانت تھی اور یہ جائز نہیں ہے اور اگر وہ توکل کا معنی سمجھتا تو وہ جان لیتا کہ اس حالت میں کسی سے مدد طلب کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، جس طرح مکہ سے اپنی روانگی کو مخفی رکھنے کی وجہ سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) توکل سے خارج نہیں ہوئے اور ہجرت کے موقع پر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے راستہ دکھانے والے کو کرآئے پر لیا اور اس نے فرمایا کہ اس معاملہ کو مخفی رکھے، اور آپ کا غار میں چھپنا اور سراقہ سے آپ کا یہ فرمانہ کہ ہمارے معاملہ کو مخفی رکھے، پس جس توکل کی تحسین کی گئی ہے وہ کسی ممنوع کام کو شامل نہیں ہوتا، اور ابوحمزہ کا کنویں میں خاموشی کو اختیار کرنا ممنوع تھا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ایک ایسا آلہ پیدا کیا ہے جس سے وہ ضرر کو دفع کرتا ہے اور ایک ایسا آلہ پیدا کیا ہے جس سے وہ نفع حاصل کرتا ہے پس اگر وہ توکل کا ادعا کرتے ہوئے ان آلات کو معطل کر دے تو اس کی جہالت ہوگی اور ان آلات کو بنانے کی حکمت کو ضائع کرنا ہوگا کیونکہ

---

[1] (احکام القرآن ج 3، ص 83۔84، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، 1408ھ)

توکل تو صرف اللہ پر اعتماد کرنے کا نام ہے اور توکل کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ اسباب منقطع کر دیئے جائیں۔ اگر انسان بھوکا ہو اور وہ کسی سے کھانے کا سوال نہ کرے اور بھوک سے مرج آئے تو وہ گناہ گار ہوگا۔ علامہ ابولفرج نے کہا کہ ابوحمزہ کے اس قول کی طرف التفات نہ کیا جائے کہ ایک شخص آیا اور اس نے مجھے کنویں سے نکال دیا، کیونکہ اگر یہ بات درست بھی ہو تو ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے، یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے جاہل بندے پر لطف و کرم فرماتا ہے اور اس واقعہ میں اس پر اللہ تعالیٰ کی امانت تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس جان کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور اس کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس نے اس جان کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا اور یہ اس کے لیے جائز نہ تھا۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ کہے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کو امانت دی جائے تو خیانت کرے۔" [2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں، خواہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور گمان رکھے کہ وہ مسلم ہے۔" [3]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس شخص میں ان خصلتوں میں سے کوئی ایک ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ (وہ یہ کہ) جب اسے امانت دی

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۷۰، ۲۶۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق: ۳۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق: ۵۹]

۳۔ [مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق: ۱۰۹/۵۹]

جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ کہے، جب عہد کرے تو اسے توڑ ڈالے اور جب جھگڑے تو بدزبانی کرے۔"[1]

﴿ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ ﴾

اور وہ لوگ جو جوڑے رکھتے ہیں جس کے لیے اللہ نے حکم دیا جوڑا جائے اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ اسے ملایا جائے اور برے حساب سے ڈرتے ہیں۔

رشتوں کو جوڑنے کی اقسام

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہود کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا۔ جس کا خلاصہ ہے خالق کی تعظیم، اور اس آیت میں مخلوق کے ساتھ تعلق جوڑنے کا حکم دیا ہے، جس کا خلاصہ ہے مخلوق پر شفقت، اور انسان پر لازم ہے کہ وہ خالق کی تعظیم بھی کرے اور مخلوق پر شفقت بھی کرتے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کرے۔

بندوں کے تمام حقوق واجبہ کی رعایت کرنا ضروری ہے اس میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا اور ان سے تعلق کو قائم رکھنا بھی داخل ہے، اور تمام مسلمانوں کے ساتھ نیکی کرنا بھی داخل ہے۔ قرآن مجید میں ہے: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات: ۱۰) تمام مسلمان بھائی ہی ہیں۔، اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام

---

[1]۔ [بخاری، کتاب الإیمان، باب علامات المنافق: ۳٤۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۵۸]

مسلمانوں کے ساتھ نیکی کی جائے اوران سے بقدر امکان ضرر کو دور کیا جائے اور مریض کی عیادت کی ج آئے، اور جنازہ کے ہمراہ جائیں اور نماز جنازہ پڑھیں، اور لوگوں کو بکثرت سلام کریں اور ان سے مسکراتے ہوئی ملاقات کریں۔ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کریں۔ اور جانوروں کے ساتھ بھی نیکی کریں حتی کہ مرغی اور بلی کے ساتھ بھی نیکی کریں۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(لفظ) رحم (بمعنی رشتہ داری رحمن سے ملی ہوئی) شاخ ہے، لہٰذا اللہ نے (رحم سے) فرمایا، جو تجھے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ اپنی رشتہ داری کو ملائے۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: "رشتہ داری کو ملانا گھر والوں میں محبت، مال میں ثروت اور نشان قدم میں تاخیر (یعنی عمر میں برکت) کا باعث ہے۔"[3]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "صلہ رحمی کرنے والا شخص وہ نہیں جو برابر کا معاملہ کرتا ہے، بلکہ (اصل) صلہ رحمی کرنے والا شخص وہ ہے کہ جب اس کی

۱۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب من وصل وصلہ اللہ: ۵۹۸۹]

۲۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب من بسط لہ فی الرزق لصلۃ الرحم: ۵۹۸۵۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتہا: ۲۵۵۷]

۳۔ [الأدب المفرد للبخاری: ۱/۱۴۱، ح: ۵۹]

رشتہ داری قطع کی جائے تو وہ اسے ملائے۔"[1]

سیدنا جبیر بن مطعمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "رشتہ داری توڑنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔"[2]

وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوْءَ الْحِسَابِ: یعنی اعمال کے کرنے یا نہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کو پیش نظر رکھتے اور آخرت میں برے حساب سے ڈرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: (جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ)[البینۃ:۸] "ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا۔" اور فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ)[الملک:۱۲] "یقیناً جو لوگ اپنے رب سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں، ان کے لیے بڑی بخشش اور بڑا اجر ہے۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک شخص نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی، اس نے (مرتے وقت) اپنے اہل وعیال سے کہا کہ جب وہ مر جائے تو اسے (یعنی مجھے) (جلا کر راکھ کر) دینا، پھر آدھی راکھ جنگل وغیرہ میں اڑا دینا اور آدھی سمندر میں بہا دینا، کیونکہ اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ ویسا عذاب اس نے دو جہاں میں کسی کو نہیں دیا ہوگا۔ پھر جب وہ شخص مر گیا تو اس کے اہل وعیال نے وہی کیا جو اس نے انھیں حکم دیا تھا، تو اللہ

۱۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب لیس الواصل بالمکافئ: ۵۹۹۱]

۲۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب إثم القاطع: ۵۹۸٤۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم: ۲۵۵٦]

تعالیٰ نے جنگل کو حکم دیا تو اس نے سب راکھ اکٹھی کر دی، پھر سمندر کو حکم دیا تو اس نے بھی ساری راکھ اکٹھی کر دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے فرمایا، تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے یہ صرف تیرے ڈر کی وجہ سے کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔"[1]

﴿ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ ﴾

"اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی رضا چاہنے کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر خرچ کیا اور برائی کو نیکی کے ساتھ مٹاتے ہیں، یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت کا گھر ہے۔

صبر:

صبر کا معنی ہے مشکل اور پریشانی کے وقت حوصلہ قائم رکھنا اور شریعت کی حدود و قیود کا مستقل مزاجی کے ساتھ اتباع کرنا۔ اس سے پہلے مومنوں کی یہ صفات ذکر ہوئی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد یعنی عقیدہ توحید پر پکے رہتے ہیں اور آپس کی رشتے داریوں کو جوڑے رکھتے ہیں۔ یہ دونوں کام ایسے ہیں جو مشکلات کا سامنا کیے بغیر کما حقہ پورے نہیں ہو سکتے۔

---

[1] [مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ: ۲۷۵۶]

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ : یعنی اللہ کے احکام پر جمے رہتے ہیں، میدان جنگ میں ثابت قدم رہتے ہیں اور مصائب، تکالیف اور لوگوں کی بداخلاقی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ ناشکری کرتے ہیں نہ جزع فزع اور نہ بدکلامی کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: (أُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا) [الفرقان: ۷۵] "ان لوگوں کو جزا میں بالاخانہ دیا جائے گا، اس لیے کہ انھوں نے صبر کیا اور اس میں ان کا استقبال زندگی کی دعا اور سلام کے ساتھ کیا جائے گا۔" اور فرمایا: (مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) [النحل: ۹۶] "جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور یقیناً ہم ان لوگوں کو جنھوں نے صبر کیا، ضرور ان کا اجر بدلے میں دیں گے، ان بہترین اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے۔" اور فرمایا: (ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) [النحل: ۱۱۰] "پھر بیشک تیرا رب ان لوگوں کے لیے جنھوں نے وطن چھوڑا، اس کے بعد کہ فتنے میں ڈالے گئے، پھر انھوں نے جہاد کیا اور صبر کیا، یقیناً تیرا رب اس کے بعد ضرور بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔" اور فرمایا: (وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ) [الشوریٰ: ۴۳] "اور بلاشبہ جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بیشک یہ یقیناً بڑی ہمت کے کاموں سے ہے۔"

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر۔

"اس نے کہا، آپ مجھے (میرے حال پر) چھوڑ دیں، آپ پر مجھ جیسی مصیبت نہیں آئی، اس لیے آپ (میرے دکھ سے) ناواقف ہیں۔ پھر اسے بتایا گیا کہ وہ تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھے، تو وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دروازے پر پہنچی، اسے وہاں کوئی پہرے دار نہ ملا اور (وہ سیدھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوگئی اور) کہنے لگی، میں آپ کو نہیں پہچان سکی تھی (اس لیے مجھے معاف کر دیں)۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "صبر تو ابتدائے صدمہ ہی میں ہوتا ہے۔"[1]

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ : یعنی برائی کے بدلے میں بھلائی کرتے ہیں، اگر کوئی انھیں تکلیف پہنچائے تو اسے برداشت کرتے ہوئے صبر جمیل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور انھیں معاف کر دیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ)[المؤمنون:٩٦] "اس طریقے سے برائی کو ہٹا جو سب سے اچھا ہو، ہم زیادہ جاننے والے ہیں جو کچھ وہ بیان کرتے ہیں۔" اور فرمایا: (وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ)[حم السجدۃ:٣٤، ٣٥] "اور نہ نیکی برابر ہوتی ہے اور نہ برائی۔ (برائی کو) اس (طریقے) کے ساتھ ہٹا جو سب سے اچھا ہے، تو اچانک وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوگا جیسے وہ دلی دوست ہے۔ اور یہ چیز نہیں دی جاتی مگر انھی کو جو صبر کریں اور یہ نہیں دی جاتی مگر اسی کو جو بہت بڑے نصیب والا ہے۔"

﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ

---

[1] [بخاری، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور:١٢٨٣۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب فی الصبر علی المصیبۃ عند الصدمۃ الأولی:٩٢٦]

وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ
بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ خود بھی رہیں گے اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے اور فرشتے ہر (سمت کے) دروازے سے داخل ہو کر ان سے کہیں گے۔ (۲۳) سلامتی ہو آپ پر بسبب اس کے جو آپ لوگوں نے صبر کیا پس آخرت کا وہ گھر کیا ہی اچھا گھر ہے۔ (۲۴)

جنت جن صفات کی بناء پر عطا ہوتی ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی آٹھ صفات بیان فرمائی تھیں (۱) جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے۔ (۲) جو رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں۔ (۳) اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (۴) سخت حساب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (۵) اپنے رب کی رضا کی طلب میں صبر کرتے ہیں، (۶) نماز قائم کرتے ہیں (۷) ظاہر اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں۔ (۸) برئی کو اچھائی سے دور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نے یہ آٹھ صفات ذکر فرمائیں، پھر اس کے بعد فرمایا جو مسلمان ان آٹھ صفات کے ساتھ موصوف ہوں گے ان کی جزاء یہ ہے کہ (۱) اللہ تعالیٰ ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ (۲) اکے باپ دادا، ان کی بیویوں اور ان کی الاد میں سے جو نیک ہوں گے ان کو بھی دائمی جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ (۳) فرشتے ہر دروازہ سے ان کو سلام کرتے ہوئے داخل ہونگے۔ (۴) اور

ان کے صبر کرنے کی تحسین فرمائیں گے۔

ہمیشہ جنت الفردوس کی دعا کرنی چاہیے

اس آیت میں نیک عمل کرنے والوں کے لیے جنت کی نوید کا ذکر ہے اور اس کے متعلق یہ حدیث بھی ہے : حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس مسلمان نے پانچ نمازیں پڑھیں اور بیت اللہ کا حج کیا اور رمضان کے روزے رکھے (مجھے پتا نہیں کہ آپ نے زکوۃ کا ذکر کیا تھا یا نہیں) اللہ کے ذمہ (کرم) پر یہ ہے کہ اس کو بخش دے خواہ اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اس زمین میں ٹھہرا رہا ہو جس میں وہ پیدا ہوا تھا، حضرت معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دوں! آپ نے فرمایا: لوگوں چھوڑ و دو، اے معاذ! جنت میں سو درجہ ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے اور الفردوس سب سے بلند یا سب سے درمیانی جنت ہے، اسی سے جنت کے دریا نکلتے ہیں پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔ [1]

بغیر نیک اعمال کے نسب کا کوئی فائدہ نہیں

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد ہے کہ جس نے اس طرح تصدیق کی جس طرح ان مسلمانوں نے تصدیق کی تھی خواہ اس کے عمل ان کی طرح نہ ہوں وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ زجاجؒ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جب تک نیک اعمال نہ ہوں نسب سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ کسی انسان کے باپ دادا اس کی بیویوں اور اس کی اولاد نے اگر نیک اعمال نہ کیے ہوں تو

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 2790، 7423 مسند احمد رقم الحدیث: 22438، سنن الترمذی رقم الحدیث: 2530، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 4331)

وہ جنت میں نہیں داخل ہونگے۔علامہ واحدیؒ کہا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت گزاری کی جزا میں اس کی اس خوشی کو بھی رکھا ہے کہ اس کے اہل اس کے ساتھ جنت میں داخل ہوں اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص نے نیک اعمال کیے اس کے اکرام کی وجہ سے اس کی اہل کو بھی جنت میں داخل کی جائے گا اور اگر اس کے اہل اپنے نیک اعمال کی وجہ سے داخل ہوں تو اس میں اطاعت گزار کے اکرام کا کوئی دخل نہیں ہے اور اس کے ساتھ اس کے اہل کو جنت میں داخل کرنے کے وعدہ کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جو شخص بھی نیک عمل کرے گا وہ جنت میں داخل ہوجائے گا۔۔۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:"کیا تم جانتے ہو کہ سب سے پہلے جنت میں کون لوگ جائیں گے؟" لوگوں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔فرمایا:"اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جنتی مساکین ومہاجرین ہیں، جو دنیا کی لذتوں سے دور تھے اور جو تکلیفوں میں مبتلا تھے، جن کی امنگیں دلوں ہی میں رہ گئیں اور قضا آ گئی۔اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے جنھیں چاہیں گے حکم دیں گے کہ ان کے پاس جاؤ اور انھیں مبارک باد دو۔فرشتے کہیں گے، اللہ! ہم تیرے آسمانوں کے رہنے والے اور تیری بہترین مخلوق، کیا تو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم انھیں جا کر سلام کریں اور انھیں مبارک باد پیش کریں؟ اللہ تعالیٰ جواب دے گا، یہ میرے وہ بندے ہیں جنھوں نے صرف میری عبادت کی، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، دنیاوی راحتوں سے محروم رہے، مصیبتوں میں مبتلا رہے اور انھیں جب موت آئی تو ان کی امنگیں ان کے دلوں ہی میں رہ گئیں، کوئی

۱۔(تفسیر کبیر ج7 ص36، مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت: 1415ھ)

پوری نہ ہوسکی۔اب تو فرشتے جلدی جلدی (بصد شوق) ان کی طرف دوڑیں گے، ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: (سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ) [الرعد: ٢٤] "سلام ہو تم پر اس کے بدلے جو تم نے صبر کیا۔سو اچھا ہے اس گھر کا انجام۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: "بیشک پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا وہ فقراء مہاجرین کا ہوگا، وہ جو فقر و فاقہ کے باوجود نافرمانیوں سے بچتے رہے۔جب ان کو حکم دیا جاتا تو وہ سنتے اور اطاعت کیا کرتے تھے، اگر ان میں سے کسی کو امیر کے ساتھ کوئی حاجت وضرورت ہوتی تو اس کی حاجت پوری نہ ہوتی، حتیٰ کہ اسے موت آجاتی اور وہ حاجت وخواہش اس کے سینے ہی میں دفن ہوجاتی۔ بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت کو بلائے گا، تو وہ اپنی تمام تر رنگینیوں کے ساتھ چلی آئے گی۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے وہ بندے کہاں ہیں جنھوں نے میرے راستے میں قتال کیا اور وہ میرے راستے میں قتل کردیے گئے۔ میرے راستے میں ان کو تکالیف پہنچیں اور انھوں نے میرے راستے میں جہاد کیا۔جاؤ! تم لوگ جنت میں داخل ہوجاؤ۔ چنانچہ وہ بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہوجائیں گے۔(یہ صورت حال دیکھ کر) فرشتے (دربار الٰہی میں) حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، اے ہمارے رب! ہم دن رات تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں، تو یہ کون لوگ ہیں جن کو تو نے ہم پر ترجیح دے دی ہے۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جو میرے راستے میں لڑتے رہے اور میرے راستے میں تکلیفیں برداشت کرتے رہے، اس پر فرشتے جنت کے ہر دروازے سے ان کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے: (سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ

---

[1]۔[مسند أحمد: ٢/١٦٨، ح: ٦٥٧٨۔ابن حبان: ٧٤٢١]

بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ)[الرعد:٢٤]"سلام ہوتم پراس کے بدلے جوتم نے صبر کیا۔سو اچھاہےاس گھر کاانجام۔"(١)

﴿ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝۲۵ ﴾

اور جولوگ اللہ سے پختہ عہد کرنے کے بعد توڑتے ہیں اوراس چیز کوتوڑتے ہیں جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم فرمایا اور ملک میں فساد کرتے ہیں ان کے لیے لعنت ہے اوران کے لیے برا گھر ہے۔

اہل جنت کی صفات حمیدہ بیان کرنے کے بعد اب اہل جہنم کی صفات بتائی جارہی ہیں یعنی وہ بڑی صفات جن کے اپنانے والے جہنم میں چلے جاتے ہیں تو بتایا کہ اہل جہنم کی صفات اہل جنت کی صفات مذکورہ کا الٹ ہے یعنی اگر وہ عہد کے نبھانے والے تھے تو یہ عہد شکن ہوتے ہیں اگر وہ ان رشتوں کے ملانے والے تھے جن کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا وہ ان رشتوں کے توڑنے والے ہوتے ہیں اگر وہ صبر نماز اور انفاق فی سبیل اللہ جیسی صفات سے زمین میں اصلاح پھیلانے والے تھے تو یہ زمین میں فساد جاری کرنے والے ہوتے ہیں لہذا ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اوران کے لیے برا گھر دوزخ ہے۔

١۔[مستدرک حاکم:٢/٧١،٧٢،ح:٢٣٩٣۔مسند أحمد:٢/١٦٨،ح:٦٥٧٩]

اس سے عہد شکنی اور قطع رحمی کی برائی معلوم ہوئی کئی لوگ دوستوں رشتہ داروں اور زوجین وغیرہ میں پھوٹ ڈال کر اور قطع رحمی کر کے خوش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لیے لعنت اور جہنم کا اعلان فرما رہا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ کہے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کو امانت دی جائے تو خیانت کرے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں، خواہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور گمان رکھے کہ وہ مسلم ہے۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس شخص میں ان خصلتوں میں سے کوئی ایک ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ (وہ یہ کہ) جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ کہے، جب عہد کرے تو اسے توڑ ڈالے اور جب جھگڑے تو بدزبانی کرے۔"[3]

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ: سیدنا جبیر بن مطعمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ

۱۔[بخاری، کتاب الإیمان، باب علامات المنافق: ۳۳۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۵۹]

۲۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۱۰۹/۵۹]

۳۔[بخاری، کتاب الإیمان، باب علامات المنافق: ۳٤۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۵۸]

علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں، میں ان سے حلم و بردباری سے پیش آتا ہوں اور وہ مجھ سے جہالت والا معاملہ کرتے ہیں، تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر ایسے ہی ہے جیسے تم کہہ رہے ہو تو گویا کہ تم ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو اور جب تک اس عمل پر قائم رہو گے، ہمیشہ ان کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے ایک مددگار تمہارے ساتھ رہے گا۔"[2]

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کو، ضرورت کے موقع پر خرچ نہ کرنے اور بغیر ضرورت کے سوال کرنے کو، نیز لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کو حرام کیا ہے اور فضول بحث و گفتگو کو، کثرت سوال کو اور مال کے ضائع کرنے کو تمہارے لیے ناپسند کیا ہے۔"[3]

﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ ﴾

۱۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب إثم القاطع: ۵۹۸٤۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا: ۲۵۵٦]

۲۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم۔۔ الخ: ۲۵۵۸]

۳۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر: ۵۹۷۵۔ مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب النھی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ: ۵۹۳، قبل الحدیث: ۱۷۱٦]

اللہ جس کی چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے اور کافر لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے ہیں، اور دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں (ایک متاع قلیل) بہت تھوڑا فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے دنیا میں مال کی وسعت وفراخی کر دیتا ہے اور یہ اس کی طرف تدبیر اور جس پر چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے اور یہ اس کی جانب سے ایک قسم کی مہلت ہے، حضرت ابن عباس (رض) فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کی بھلائی اور درستگی وسعت وفراخی میں ہے اگر وہ اس فراخی کو غیر اللہ کی طرف پھیر دیں تو یہ ان کے لیے بدترین چیز ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے بہت سے بندوں کی درستگی تنگی ہی میں ہو سکتی ہے اگر وہ اس کو غیر اللہ کی طرف پھیر دیں تو یہ ان کے لیے بہت بدترین بات ہو جائے۔

اور یہ لوگ دنیاوی زندگی اور اس کے عیش وعشرت پر اترانے لگے اور دنیاوی زندگی میں جو بھی عیش و عشرت ہے یہ آخرت کی نعمتوں کے بقاء کے مقابلہ میں سوائے تھوڑی سی پونجی کے اور کچھ نہیں جیسا کہ گھر کا ساز وسامان۔

سیدنا مستورد بن شداد ؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی شہادت والی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا: "اللہ کی قسم! دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی یہ (شہادت والی) انگلی سمندر میں ڈبوئے اور پھر دیکھے کہ اس کے ساتھ کتنا پانی آتا ہے؟ (تو جتنا یہ سمندر کے مقابلے میں ہے اتنی ہی دنیا آخرت کے مقابلے میں ہے)۔"[1]

۱۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامۃ: ۷۱۹۷]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چٹائی پر سو گئے تو ان کے پہلو میں اس کا نشان پڑ گیا، صحابہ کرامؓ نے کہا، ہم آپ کے لیے نرم بستر بنا دینا چاہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: "مجھے دنیا سے کیا مطلب، دنیا میں میری مثال اس مسافر کی ہے جو ایک پل کسی درخت کے سائے میں ٹھہرتا ہے، پھر چل دیتا ہے۔"[1]

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بازار میں سے گزرے، لوگ آپ کے ساتھ تھے، آپ کسی گاؤں سے مدینہ میں آئے تھے، آپ نے چھوٹے کان والا یا کٹے ہوئے کانوں والا بھیڑ کا مردہ بچہ دیکھا، آپ نے اس کا کان پکڑا، پھر فرمایا: "تم میں سے کون اسے ایک درہم میں خریدنا پسند کرتا ہے؟" لوگوں نے کہا کہ ہم اسے کسی بھی چیز کے بدلے میں خریدنا پسند نہیں کرتے اور ہم اسے کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: "کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں (مفت میں) مل جائے؟" لوگوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ ہوتا، تب بھی اس میں عیب تھا کہ اس کے کان بہت چھوٹے (یا کٹے ہوئے) ہیں، پھر یہ تو مردہ ہے، اس کو کون لے گا۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے، جیسے یہ تمہارے نزدیک ہے۔"[2]

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ: ارشاد فرمایا: (بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝16 وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى) [الاعلیٰ: ۱۶، ۱۷] "بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔" اور فرمایا: (وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا) [النساء: ۷۷] "کہہ دے دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے اور آخرت اس کے لیے بہتر ہے جو متقی

۱۔ [ترمذی، کتاب الزہد، باب حدیث ما الدنیا إلا کراکب استظل: ۲۳۷۷]

۲۔ [مسلم، کتاب الزہد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر: ۲۹۵۷]

بنے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۖ﴿۲۷﴾ ﴾

"اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی۔ آپ کہہ دیجئے کہ بیشک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔

اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور قرآن کریم کے منکر یوں کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر انکی نبوت کی تصدیق کے لیے کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں کیا گیا جیسا کہ سابقہ رسولوں پر معجزات نازل کیے گئے۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہیں اپنے دین سے بے پرواہ کر دیں جو اسی چیز کا مستحق ہو اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اسے اپنے دین کی ہدایت کر دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر نبی اللہ تعالیٰ سے اپنے خصوصی تعلق کو ثابت کرنے کے لیے معجزات دکھاتا ہے۔ یہ گویا اس کی طرف سے سند ماموریت ہوتی ہے۔ ہر نبی اور رسول کے معجزات اس کے اپنے زمانے کے غیر معمولی کمالات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جادو کے دور میں عصائے موسیٰ ہر طرح کے جادو کے طلسم کو توڑنے کے لیے عطا فرمایا گیا۔ طب و حکمت کے عروج کے دور میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو ایسے کمالات عطا فرمائے گئے جس نے اس دور کی طب کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ نبی

کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ایسے دور میں تشریف لائے جبکہ دنیا اپنے ارتقاء کی طرف بڑھ رہی تھی، علم اپنا دامن کھول رہا تھا، متمدن حکومتوں کا دور شروع ہو چکا تھا جن کے لیے تہذیب اور تمدن کے ساتھ ساتھ ایسے دستوری کمالات کی ضرورت تھی جو انسان کے شعوری ارتقاء کی تکمیل میں مدد دیں۔ چنانچہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم دیا گیا جس نے فرد سے لے کر ریاست تک تمام ضرورتیں پوری کیں اور علم کے ان گوشوں میں رہنمائی کی جہاں اس سے پہلے انسان کی رسائی ممکن نہ تھی۔ مکہ کے رہنے والے اپنی پسماندگی کے باعث قرآن کریم جیسی نعمت کا حق تو ادا نہ کر سکے البتہ وقتاً فوقتاً حسی معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کے مطالبے کے جواب میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہدایت کا دارومدار نشانیوں پر ہوتا تو خود تمہارا اپنا وجود اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ تمہارے چاروں طرف بیشمار نشانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ تم جس مخلوق کو بھی تھام کے بیٹھ جاؤ اس کا وجود تمہارے لیے دفتر کردگار بن جائے گا۔ ہدایت کے لیے ضرورت نشانیوں کی نہیں بلکہ حُسنِ طلب کی ہے۔ توجہ الی اللہ کی ہے، جو شخص بغیر حُسنِ طلب کے نشانیوں پر اصرار کرتا رہے گا وہ ہدایت کو کبھی نہیں پا سکتا، لیکن جو آدمی سچی طلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہدایت کا دروازہ ضرور کھولے گا۔ تم اگر ہدایت چاہتے ہو تو اپنے دلوں کا قبلہ درست کرو، اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگو، وہ غیور خدا ہے، ناقدروں کو کبھی کوئی چیز نہیں دیتا۔ اس کے یہاں سب سے بڑا سکہ جو کبھی کھوٹا نہیں ہوتا وہ انابت الی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اپنے اندر پیدا کر لو تو پھر تمہیں کسی مزید نشانی طلب کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

سیدنا ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ قریش مکہ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا کہ اپنے

رب سے دعا کیجیے کہ وہ صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونے کا بنا دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تم ایسا کرو گے؟" انھوں نے کہا، ہاں! (ہم ایمان لے آئیں گے) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ دعا کی تو سیدنا جبرائیل (علیہ السلام) تشریف لائے اور کہا: "بیشک آپ کا رب جو عزت وجلالت والا ہے، اس کی طرف سے آپ پر سلامتی ہو، وہ فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں قریش مکہ کے لیے صفا کو سونے کا بنا دیتا ہوں، لیکن اس کے بعد اگر کسی نے کفر کیا (ایمان نہ لایا) تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ ویسا عذاب میں نے دو جہاں میں کسی کو بھی نہ دیا ہوگا اور اگر آپ (دوسری صورت) چاہتے ہیں تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رہنے دیتا ہوں۔"[1]

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ ؕ ﴾

یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو (حقیقی) اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

گزشتہ آیات میں کہا گیا، ویھدی الیہ من اناب۔ جو شخص حق کی طرف رجوع لائے اللہ اسے ہدایت دیتا ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ حق کی طرف رجوع کون لاتا ہے؟ تو فرمایا کہ حق کی طرف رجوع وہ لوگ آتے ہیں جو ایمان لائیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر یعنی قرآن پر مطمئن ہو جائیں اور وہ اللہ کی کتاب میں

---

[1] [مسند أحمد: ۱/۲۴۲، ح: ۲۱۷۰۔ مستدرک حاکم: ۲/۳۱۴، ح: ۳۲۲۵۔ ۱/۵۳، ح: ۱۷۴۔ اتحاف المہرۃ: ۷/۴۳۵، ح: ۸۶۷۹]

شکوک وشبہات پیدا نہ کریں۔اور کیوں نہیں اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے اور قرآن بھی اللہ کا بہترین ذکر ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ بیشک ہم ہی نے ذکر نازل کیا اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (حجر ۹)

اور اللہ کا ذکر جس بھی انداز میں کیا جائے اس سے بہرحال سکون قلب ملتا ہے ہفتہ کے اللہ کے نیک بندوں کے ذکر سے بھی سکون قلب ملتا ہے کیونکہ ان کا ذکر بھی اللہ کا ذکر ہے نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کے تحت فرمایا اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور میرے صحابہ سے محبت بھی اللہ کا ذکر ہے (درمنثور) اور جہاں قرآن میں ہے کہ اللہ کی آیات سننے سے دل کانپ اٹھتے ہیں تو وہ کانپنا بھی باعث سکون ہوتا ہے کیونکہ اس سے خوف وخشیت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

امام ابوالشیخ حضرت انسؓ روایت کیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (جن کے دل مطمئن ہیں) صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے اس کے رسول سے اور میر اصحابؓ سے محبت رکھیں۔

امام ابن مردویہ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے، اس کے رسول سے اور میرے اہل بیت سے سچی محبت رکھتے ہیں۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ عزوجل فرماتے

ا۔(الدر المنثور ج۴، ص642، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1414ھ)

ہیں، میں اس گمان کے مطابق اپنے بندے کے پاس ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے۔ اگر وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرے تو میں اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ کسی جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں دونوں ہاتھ پھیلانے کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میرے پاس چل کر آئے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب کوئی قوم کسی ایسی مجلس میں بیٹھتی ہے جس میں وہ اللہ کا ذکر کرتے ہوں تو فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان لوگوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔"[2]

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿٢٩﴾ ﴾

جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے عمل کیے ان کے لیے خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانا۔

---

[1] ۔[بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (ویحذرکم اللہ نفسہ)۔۔الخ: ۷۴۰۵]

[2] ۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع۔۔الخ: ۲۷۰۰]

طوبیٰ کا معنی اور اسکے متعلق احادیث

طوبیٰ طیب کا مصدر ہے اور اس معنی مومنین پاکیزہ زندگی ہے اور نعمت اور خیر اور سرور ہے اور ایک معنی یہ ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک سفر کرتا رہے گا اور حسن مآب کا معنی ہے عزت والا ٹھکانا۔

عتبہ بن عبدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! کیا جنت میں پھل ہوگے؟ آپ نے فرمایا: ہاں جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے۔ (۱)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص کے لیے طوبیٰ (خوشی) ہو جس نے آپ کو دیکھا اور آپ پر ایمان لایا۔ آپ نے فرمایا اس کے لیے طوبیٰ ہو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا پھر طوبیٰ ہو، پھر طوبیٰ ہو، پھر طوبیٰ ہو اس کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا حالانکہ اس نے مجھ کو نہیں دیکھا ایک شخص نے پوچھا طوبیٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ایک درخت ہے، اس کی سو سال کی مسافت ہے اور اہل جنت کا لباس اس کے سگوفوں سے نکلتا ہے۔ (۲)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا اور اگر تم چاہو تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو:

۱۔ (مسند احمد ج4، ص183، مسند احمد رقم الحدیث: 17792، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: 7371، المعجم الکبیر ج7 ص126، رقم الحدیث: 312)

۲۔ (مسند احمد ج3 ص71، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: 1374، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: 7186)

وظل ممدود (الواقعہ:30)۔ [1]

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جنت میں ایک درخت ہے کہ سوار ایک سو سال تک اس کے سائے میں چلتا رہے گا لیکن وہ ختم نہیں ہوگا۔" [2]

ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر عمدہ گھوڑے یا تیز رفتاری کے لیے تیار گھوڑے کا سوار اس کے سائے میں سو سال تک بھی چلتا رہے تو اس کا سایہ ختم نہیں ہوگا۔" [3]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس بندے سے (جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا) فرمائے گا، اپنی آرزوئیں بیان کر، وہ اپنی آرزوئیں بیان کرے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے یاد دلائے گا، وہ کہے گا کہ فلاں چیز، فلاں چیز، یہاں تک کہ اس کی آرزوئیں ختم ہو جائیں گی، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ سب میں نے تجھے دیا اور اتنا ہی اور بھی دس مرتبہ عطا فرمایا۔" [4]

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! تمہارے اگلے اور پچھلے، تمہارے انسان اور جنات سب ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں، پھر وہ مجھ سے دعائیں کریں اور مانگیں اور میں ہر ایک کے تمام مطالبات پورے کر دوں، تو

۱۔ مسند احمد ج3 ص110 صحیح مسلم رقم الحدیث 2826، سنن الترمذی رقم الحدیث: 3292)

۲۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار: ٦٥٥٢۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب إن فی الجنۃ شجرۃ، یسیر الراکب۔۔الخ: ٢٨٢٧]

۳۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار: ٦٥٥٣۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب إن فی الجنۃ شجرۃ۔۔الخ: ٢٨٢٨]

۴۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (وجوہ یومئذ ناضرۃ۔۔الخ): ٧٤٣٧۔ مسلم، کتاب ال إیمان، باب معرفۃ طریق الرؤیۃ: ١٨٢]

اس سے میرے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں آئے گی جتنی کسی سوئی کو سمندر میں ڈبو (کر نکالنے) سے سمندر کے پانی میں آتی ہے۔"[1]

﴿ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾ ﴾

اسی طرح ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک امت میں (رسول بنا کر) بھیجا، اس امت سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں تا کہ آپ انہیں پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا حالانکہ وہ خدائے رحمان کا انکار کر رہے ہیں۔ کہہ دو کہ وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے

۔

شان نزول

امام ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لکھا تو قریش نے کہا الرحمن نہ لکھو، ہم نہیں جانتے کہ رحمن کیا چیز ہے اور ہم

---

[1]۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۷]

صرف باسمک اللھم لکھتے ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور وہ رحمن کا انکار کرتے ہیں آپ کہئے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ (۱)

معروف یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور اس کے نزول کا سبب یہ کہ ابوجہل نے سنا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غار میں پکار رہے تھے یا اللہ یا رحمن، وہ مشرکین کے پاس گیا اور اس نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دو خداؤں کے پکارنے سے منع کرتے ہیں اور وہ خود دو خداؤں کو پکار رہے ہیں، ایک اللہ اور ایک رحمن یمامہ کے سوا اور کسی رحمن کو نہیں جانتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (الاسراء: ۱۱۰) آپ کہئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو سب ہی کے نام ہیں۔

اور ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کفار قریش سے کہا اسجدوا للرحمن رحمن کو سجدہ کرو تو انہوں نے کہا رحمن کی چیز ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہئے کہ وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ (۲)

اے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو اللہ نے اپنا رسول منتخب فرما کر ایک امت کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو پیغام الٰہی سنا دیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس طرح کے رسول ہیں جس طرح کے رسول آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے بھی بھیجے جا چکے اور آپ (صلی اللہ علیہ

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 15479، معالم التنزیل ج3، ص14)

۲۔ (معالم التنزیل ج3 ص14، زاد المسیر ج4 ص329، تفسیر کبیر ج7 ص42،41، الجامع لاحکام القرآن جز9 ص277، 278)

وآلہ وسلم) کی امت سے پہلے کتنی ہی امتیں تھیں جو گزر چکیں آپ بھی اپنی امت کو وہ کلام پڑھ کر سنائیں جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر وحی کیا گیا یعنی قرآن کریم کے احکام پڑھ کر ان کو سنائیں اور وہ جو رحمن کے ساتھ کفر کرنے کا اعلان کرتے ہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو بتا دیں کہ رحمن اور اللہ دونوں ایک ہی طاقت وقوت کے دو الگ الگ نام ہیں لیکن اس سے وہ طاقت تقسیم نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ کوئی تقسیم کرنے والی چیز ہے۔ آپ چاہیں اس کو رحمن کہیں اور چاہیں اللہ۔ مفہوم میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

﴿ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ﴾

اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ پہاڑ چلا دیئے جاتے یا اس کے اثر سے زمین پھٹ جاتی یا اس کے ذریعہ مردوں سے بات کرا دی جاتی، بلکہ سب کام اللہ

تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں۔تو کیا ایمان والوں کو یہ معلوم نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا اور ان کافروں کو برابر کوئی نہ کوئی آفت ان کے اعمال کی پاداش میں پہنچتی رہے گی یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے ظہور کا وقت آجائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

مشرکین مکہ کی فرمائش

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ کعبہ کے پیچھے مشرکین مکہ بیٹھے ہوئے تھے، ان میں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھے۔انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بلوایا، آپ تشریف لے آئے۔عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ مکہ کے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا کر دور دور کر دیں حتی کہ ہماری زمین کشادہ ہوجائے، یہ زمین بہت تنگ ہے، اور زمین میں چشمے اور دریا بنادیں تا کہ ہم اس زمین میں فصل اگائیں اور باغ لگائیں۔آپ کا مرتبہ آپ کے رب کے نزدیک حضرت داؤد سے کم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان کے لیے بھی تو پہاڑ مسخر کر دیئے تھے اور وہ ان کے ساتھ چلتے تھے اور ہمارے لیے ہوا کو مسخر کر دیجئے تا کہ ہم اس پر سوار ہو کر ملک شام میں جائیں اور اپنی ضروریات پوری کریں، پھر اسی دن ہم ہوا کے دوش پر سفر کرتے ہوئے واپس آجائیں، اور آخر آپ کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے لیے تو مسخر کر دیا تھا اور آپ کا مرتبہ آپ کے رب کے نزدیک حضرت سلیمان (علیہ السلام) سے کم تو نہیں ہے، اور آپ

ہمارے لیے اپنے دادا قصی کو زندہ کر دیجئے یا ہمارے مردوں میں سے کسی اور کو زندہ کر دیجئے ہم اس سے یہ تحقیق کریں گے کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں ہو برحق ہے یا باطل، کیونکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) مردوں کو زندہ کرتے تھے اور آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے کم تو نہیں ہے! تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ سب چیزیں اللہ کے اختیار میں ہیں لیکن اگر ان کی یہ فرمائش پوری کر دی جاتی تو یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ [1]

لیکن کافروں کا حال یہ ہے کہ اس آیت عظمیٰ اور معجزہ کبریٰ کے ہوتے ہوئے موسیٰ اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی نشانیوں جیسی نشانی کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن اگر یہ سب کچھ ہو بھی جائے تو بھی کفار اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔ آگے فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو قرآن کے ذریعے سے وہ کچھ ہوتا جس کا بیان اوپر آیا، لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا۔ اس لیے کہ ایمان کا تعلق اللہ کی مشیت سے ہے۔ اگر وہ چاہتا تو کفار قریش بغیر نشانیاں دیکھے بھی ایمان لے آتے، لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا۔ آخر میں عام کافروں کے لیے بالعموم اور کفار مکہ کے لیے بالخصوص بہت بڑی وعید ہے کہ ان کے کفر اور رسولوں کی تکذیب کے نتیجے میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت انھیں لاحق ہوتی رہے گی، قتل کیے جائیں گے، یا قید کر لیے جائیں گے، قحط سالی میں مبتلا ہونگے، یا اور کوئی عذاب انھیں آ لے گا، یا ان کے قریب رہنے والوں پر کوئی عذاب نازل ہوگا کہ جسے دیکھ کر ان کے دل دہل جائیں گے اور ان کا سکون چھن جائے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "داؤد (علیہ السلام) پر قرآن (یعنی زبور) کی قراءت اس قدر آسان کر دی گئی تھی کہ وہ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم

---

[1] ۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء 9 ص 278، تفسیر کبیر ج 7 ص 42، جامع البیان جز 13 ص 200، البحر المحیط ج 6 ص 388)

دیتے اور زین کسی جانے سے پہلے ہی پورا قرآن (یعنی زبور) پڑھ لیتے تھے اور وہ سوائے اپنے ہاتھ کی کمائی کے اور کچھ نہیں کھاتے تھے۔"[1]

اس حدیث میں قرآن سے مراد زبور ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ دیا گیا تھا اور اسی کے مطابق لوگ اس پر ایمان لائے تھے اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ وحی (یعنی قرآن) ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعے عطا کیا ہے (اور یہ معجزہ سب معجزوں سے بڑا ہے)، لہٰذا میں پر امید ہوں کہ روز قیامت میرے امتی سب انبیاء کے امتیوں سے زیادہ ہونگے۔"[2]

اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر نبی کا معجزہ ان کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا، مگر یہ قرآن ایک ایسی حجت اور ایک ایسا معجزہ ہے جو ابدالآباد تک باقی رہے گا، جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہونگے، جو بار بار پڑھنے کے باوجود کبھی پرانا نہیں ہوگا، جس سے علماء کبھی سیر نہیں ہونگے، جو ایک فیصلہ کن بات ہے، مذاق نہیں ہے، جو سرکشی کی وجہ سے اسے ترک کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے نیست و نابود کر دے گا اور جو اس کے سوا کسی اور جگہ سے ہدایت کا طلب گار ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا۔۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ: یعنی ان کے تکذیب کرنے کی وجہ سے انھیں ہمیشہ دنیا میں مصیبتوں کا سامنا رہے گا، یا مصیبتیں اور آفتیں ان کے گرد و پیش میں نازل ہوتی رہیں گی، تا کہ یہ لوگ نصیحت و عبرت حاصل

---

[1] ۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (ولقد آتینا داؤد زبورًا): ۳۴۱۷۔ مسند أحمد: ۲/ ۳۱۴، ح: ۸۱۸۰]

{7608 ??۔[بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی وأول ما نزل؟: ۴۹۸۱۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔الخ: ۱۵۲]

کریں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ) [الاحقاف: ۲۷] "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے پھیر پھیر کر آیات بیان کیں، شاید وہ لوٹ آئیں۔" اور فرمایا: (بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ) [الانبیاء: ٤٤] "بلکہ ہم نے انھیں اور ان کے باپ دادا کو ساز و سامان دیا، یہاں تک کہ ان پر لمبی عمر گزر گئی، پھر کیا وہ دیکھتے نہیں کہ بیشک ہم زمین کو آتے ہیں، اسے اس کے کناروں سے گھٹاتے آتے ہیں، تو کیا وہی غالب آنے والے ہیں؟"

کفار مکہ پر جو آفتیں آتی رہیں ان میں سے ایک قحط ہے اور جو آفتیں ان کے گھروں کے قریب نازل ہوتی رہیں ان میں سے ایک غزوہ بدر میں متعدد کفار کا قتل ہونا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ قریش نے جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کہنا نہ مانا اور سرکشی کی تو آپ نے فرمایا: (اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ) "اے اللہ! یوسف (علیہ السلام) کے زمانہ جیسی قحط سالی کے ذریعے سے ان کے خلاف میری مدد فرما۔" الغرض وہ لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے اور ہر چیز ختم ہو گئی، یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے ہڈیاں اور مردار تک کھا گئے۔ لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور فاقہ کی شدت کی وجہ سے دھویں کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا، اسی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل کی: "سو انتظار کر جس دن آسمان ظاہر دھواں لائے گا جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ دردناک عذاب ہے۔" [الدخان: ۱۰، ۱۱] پھر ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! قبیلہ مضر کے لیے بارش کی

دعا کیجیے کہ وہ برباد ہو چکے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا مضر کے حق میں دعا کروں؟ یقیناً تم جری ہو۔" آخر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے لیے دعا فرمائی اور بارش ہوئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "بیشک ہم یہ عذاب تھوڑی دیر کے لیے دور کرنے والے ہیں، بیشک تم دوبارہ وہی کچھ کرنے والے ہو۔" [الدخان: ۱۵] چنانچہ جب پھر ان میں خوش حالی ہوئی تو وہ شرک کی طرف لوٹ گئے (اور اپنے ایمان لانے کے وعدے کو بھلا دیا) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: "جس دن ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے، بیشک ہم انتقام لینے والے ہیں۔" [الدخان: ۱۶] اور اس پکڑ سے مراد بدر کی لڑائی ہے۔ [۱]

﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ ﴾

اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بلاشبہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے، تو میں نے ان لوگوں کو مہلت دی جنہوں نے کفر کیا پھر میں نے انہیں پکڑ لیا (ان کے اپنے کئے پر) سو دیکھ لو میرا عذاب کیسا تھا؟

تاخیر عذاب کی حکمت

سابقہ آیات کریمہ میں مشرکین مکہ کی یہ روش بیان کی گئی ہے کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (یغشی الناس ہذا عذاب ألیم): ۴۸۲۱، ۴۸۲۲]

دعوت کے اثرات کو روکنے کے لیے کبھی تو مختلف قسم کے اعتراضات کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی اس بات کا مذاق اڑانے لگتے ہیں کہ تم ہمارے کفر اور ہمارے رویئے سے تنگ آ کر ہمیشہ ہمیں عذاب کی دھمکی دیتے ہو اور اس دھمکی کو ایک مدت گزر گئی لیکن تمہارا وہ عذاب جو نہ جانے کب سے روانہ ہو چکا ہے آج تک ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ پیش نظر آیت کریمہ میں ان کے اسی رویئے کو ہدف تنقید بناتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تمہارا اپنی حماقت کے باعث پیغمبر کا مذاق اڑانا کوئی نئی بات نہیں۔ جب بھی انسانوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر (علیہ السلام) کو مبعوث فرمایا ہے تو اس کے ساتھ انسانوں نے یہی معاملہ کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ ان پر ان کے اعمال کی پاداش میں عذاب آ گیا اور وہ تباہ کر دیے گئے، لیکن تم اب تک عذاب سے بچے ہوئے کیوں ہو؟ اس پر توجہ دلاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ پہلی امتوں پر عذاب ان کے کفر سے فوراً بعد نہیں آ گیا تھا بلکہ ہم ان کو مہلت پہ مہلت دیتے چلے گئے کہ شاید وہ اپنے رویئے کو سمجھنے کی کوشش کریں اور شاید اپنے چلن کو بدلیں لیکن جب وہ کسی طرح اپنی حالت کو بدلنے کے لیے تیار نہ ہوئے تو آخر کار اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کی کمر توڑ دی۔ مشرکین کے ساتھ بھی یہی کچھ ہونے والا ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ابھی تک ان کی مہلت عمل کی مدت کو ختم نہیں کیا۔ لیکن اگر انھوں نے اپنا رویہ نہ بدلا تو سابقہ امتوں کی طرح ان پر بھی گرفت آئے گی اور وہ گرفت ایسا عذاب ہوگا جو ان کی جڑ اکھاڑ دے گا۔ انھیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک انھیں مہلت کی صورت میں سنبھلنے کا موقع دے رکھا ہے۔ جب یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا تو پھر ان کی تاریخ بھی سابقہ امتوں کی طرح عبرت کا حوالہ بن جائے گی۔

﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ

شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ
اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ
وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

بھلا کیا وہ ذات جو ہر انسان کے اعمال کی نگراں ہے (بتوں کے برابر ہے) اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ تم ان (بتوں) کے نام تو لو یا تم اللہ کو ایسی بات بتاتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا یا تم یونہی باتیں بناتے ہو بلکہ ان کافروں کو اپنی فریب کی باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور (اسی وجہ سے) یہ لوگ راہ (راست) سے محروم رہ گئے اور جس کو اللہ گمراہ کر دے پھر اس کو ہدایت دینے والا کون ہے۔

پھر کیا وہ جو ایک ایک متنفس کی کمائی پر نظر رکھتا ہے یعنی جو ایک شخص کے حال سے فرداً فرداً واقف ہے اور جس کی نگاہ سے نہ کسی نیک آدمی کی نیکی چھپی ہے اور نہ کسی بد آدمی کی بدی اس کے مقابلہ میں یہ جسارتیں کی جا رہی ہیں یعنی یہ کہ اس کے ہمسر اور مدمقابل تجویز کئے جا رہے ہیں اس کی ذات اور صفات اور حقوق میں اس کی مخلوق کو شریک کیا جا رہا ہے اور اس کی خدائی میں رہ کر لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم جو کچھ چاہیں کریں ہم سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔ لوگوں نے اس کے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں؟ اے

پیغمبر اسلام! ان سے کہو اگر واقعی وہ خدا کے اپنے بنائے ہوئے شریک ہیں تو ذرا ان کے نام لو کہ وہ کون ہیں؟ کیا تم اللہ کو ایک نئی بات کی خبر دے رہے ہو جسے وہ اپنی زمین میں نہیں جانتا؟ یا تم لوگ بس یونہی جو منہ میں آیا ہے کہہ ڈالتے ہو؟ یعنی اس کے شریک جو تم نے تجویز کر رکھے ہیں ان کے معاملے میں تین ہی صورتیں ممکن ہیں:

۱۔ یہ کہ تمہارے پاس کوئی مستند اطلاع آئی ہو کہ اللہ نے فلاں فلاں ہستیوں کو اپنی صفات یا اختیارات یا حقوق میں شریک قرار دیا ہے اگر یہ صورت ہے تو ذرا براہ کرم ہمیں بھی بتاؤ کہ وہ کون کون اصحاب ہیں اور ان کے شریک خدا کئے جانے کی اطلاع آپ حضرات کو کس ذریعہ سے پہنچی ہے۔

۲۔ یہ کہ اللہ کو خود خبر نہیں ہے کہ زمین میں کچھ حضرات اس کے شریک بن گئے ہیں اور اب آپ اس کو یہ اطلاع دینے چلے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو تم بھی صفائی کے ساتھ اپنی اس پوزیشن کا اقرار کرو پھر ہم بھی دیکھ لیں گے کہ دنیا میں کتنے ایسے احمق نکلتے ہیں جو تمہارے اس سراسر لغو مسلک کی پیروی پر قائم رہتے ہیں۔

۳۔ اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو تیسری صورت یہ باقی رہ جاتی ہے کہ تم بغیر کسی سند اور بغیر کسی دلیل کے یونہی جن کو چاہتے ہو خدا کا رشتہ دار ٹھہرا لیتے ہو جس کو چاہتے ہو داتا اور فریاد رس کہہ دیتے ہو اور جس کے متعلق چاہتے ہو تم یہ دعویٰ کر دیتے ہو کہ فلاں علاقے کے سلطان فلاں صاحب ہیں اور فلاں کام فلاں صاحب کی تائید و امداد سے برآئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس پر اللہ راہ بند کر دے تو راہ کون دکھائے؟

﴿ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب بہت زیادہ سخت ہے اور انھیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

جو لوگ پیغمبر (علیہ السلام) کی دعوت کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے ان کے اعتماد پر ہر بدعملی کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نے فیصلہ کر لیا کہ دنیا میں ان پر عذاب بھیجا جائے تو یہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوں گے اور آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے بھی کہیں زیادہ دکھ دینے والا اور شدید ہوگا۔ اور رہا ان کا یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قوتیں انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لیں گی، وہ ان کو کسی عذاب سے بچا نہیں سکیں گی۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ لعان کرنے والے میاں بیوی سے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہی ہلکا ہے۔"[1]

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ فرمان بالکل سچا ہے، کیونکہ دنیا کا عذاب تو ختم ہو جاتا ہے، جبکہ آخرت کا عذاب دائمی اور ابدی ہے اور یہ عذاب ایسی آگ کی صورت میں ہوگا جو دنیا کی آگ کی نسبت انہتر (۶۹) گنا زیادہ گرم ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمہاری یہ آگ جسے انسان جلاتے ہیں، جہنم کی گرمی کے ستر اجزا میں سے ایک جز ہے، بلاشبہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر (۶۹) حصے بڑھ کر ہے، تمام کی حرارت اس کی مثل ہے۔

۱۔ [مسلم، کتاب اللعان: ۱۴۹۳۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورہ النور: ۳۱۷۸]

"[1]---

﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ ﴾

اس جنت کا حال کہ جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے (یہ ہے کہ) اس کے نیچے بڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی جس کے میوے اور سائے ہمیشہ رہیں گے۔ یہ انجام ان لوگوں کا ہے جو خدا سے ڈرے اور منکروں کا انجام آگ ہے۔

اس دنیا کی عارضی زندگی کی ہر خوشی اور غم کبھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتے کبھی ہر طرف خوشی اور راحتیں اور سکون ہی سکون ہوتا ہے لیکن جب خوشی کے لمحے دبے قدموں گذر جاتے ہیں تو غم اور ناکامیابیوں کے اندھیرے چھا جاتے ہیں، نہ غم ٹھہرتا ہے اور نہ خوشی۔ کبھی کی راتیں بڑی اور کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے جس کی خوشی اور غم ہمیشہ کے لیے ہیں۔ ان آیات میں اسی بات کو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ جنت جس کا وعدہ اہل تقویٰ سے کیا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ وہ جنتیں ایسی ہونگی جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی یعنی ہر طرف سرسبزی وشادابی ہوگی اس کے پھل اور سائے بھی دائمی اور ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جنہوں نے کفر وشرک کو اپنی

---

[1]۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب جہنم أعاذنا اللہ منہا: ۲۸۴۳]

زندگی بنالیا ہے ان کو ایسی جہنم میں جھونک دیا جائے گا جس میں کسی طرح کی راحتیں اور آرام نہ ہوں گے بلکہ ان پر عذاب بھی ایک وقت کے لیے نہیں بلکہ دائمی عذاب ہوگا۔ یہ اہل تقویٰ اور اہل کفر کا انجام ہے۔ نہ اہل تقویٰ ہر طرح کی راحتوں سے محروم رہیں گے اور نا اہل کفر جہنم کی آگ سے بچ سکیں گے۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب کسوف کی نماز پڑھی تو صحابہ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اس جگہ کسی چیز کو پکڑا تھا، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پچھلے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے فرمایا: "ہاں، میں نے جنت کو دیکھا تھا اور اس میں سے ایک خوشہ پکڑا تھا، اگر میں اسے توڑ لیتا تو رہتی دنیا تک وہ باقی رہتا اور تم اسے کھاتے رہتے۔"[1]

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جنتی جنت میں خوب کھائیں پییں گے، لیکن وہ نہ تھوکیں گے، نہ پیشاب کریں گے اور نہ پاخانہ اور نہ ناک جھاڑیں گے۔" لوگوں نے عرض کی کہ پھر کھانا کہاں جائے گا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(انھیں) ڈکار اور پسینا آئے گا، اس میں مشک کی خوشبو ہوگی (بس اسی سے ان کا کھانا وغیرہ ہضم ہو جائے گا) اور (جنت میں) ان کی زبانوں پر تسبیح و تحمید اس طرح جاری ہوگی جس طرح سانس چلتا ہے۔"[2]

سیدنا زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی، اے ابو القاسم! آپ کا خیال ہے کہ اہل جنت کھائیں پییں گے، آپ نے فرمایا: "ہاں، اس ذات کی قسم جس

---

[1] [بخاری، کتاب الکسوف، باب صلوۃ الکسوف جماعۃ: ۱۰۵۲، مسلم، کتاب الکسوف، باب ما عرض علی النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فی صلاۃ الکسوف۔۔الخ: ۹۰۷]

[2] [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب فی صفات الجنۃ واھلھا۔۔الخ: ۲۸۳۵]

کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت کے ایک آدمی کو کھانے، پینے، جماع اور شہوت کے اعتبار سے ایک سو آدمیوں کی طاقت دی جائے گی۔" اس نے کہا، جو کھاتا پیتا ہے اسے حاجت بھی پیش آتی ہے، حالانکہ جنت میں کوئی تکلیف دہ بات نہیں ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "ان کی حاجت ایک پسینے سے پوری ہو جائے گی، جو ان کی جلدوں سے بہے گا اور اس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی، چنانچہ اس سے پیٹ ہلکا ہو جائے گا۔"[1]

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک جنت میں ایک درخت ہے، اس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن پھر بھی اس کا سایہ ختم نہیں ہوگا۔"[2]

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿٣٦﴾ ﴾

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کتاب سے جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوئی ہے خوش ہوتے ہیں اور اور مختلف گروہوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو

۱۔ [السنن الکبریٰ للنسائی: ۶/ ۴۵۴، ح: ۱۱۴۷۸۔ مسند أحمد: ۴/ ۳۶۷، ح: ۱۹۲۹۱۔ ابن حبان: ۷۴۲۴]

۲۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار: ۶۵۵۲۔ مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب إن فی الجنة شجرة یسیر الراکب۔۔۔ الخ: ۲۸۲۷]

اس کی بعض باتوں کو نہیں مانتے۔ کہہ دو کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں، میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔

مسلمانوں اور یہود و نصارا کا نزول قرآن سے خوش ہونا

اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ: اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے۔ اس آیت میں کتاب کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے۔

اگر اس سے مراد مسلمان ہو تو وہ سید محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر وحی نازل ہونے سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ توحید، رسالت، قصص، احکام، تقدیر، قیامت اور جزا اور سزا سے متعلق جو آیات نازل ہوتی ہیں وہ ان پر ایمان لاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ احکام پر عمل کر کے نیکیاں کماتے ہیں۔ [1]

اور اگر اس سے مراد تورات اور انجیل ہو تو اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

حضرت عباسؓ فرمایا اس مراد وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے مثلاً: حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمانؓ اور وہ لوگ مراد ہیں جو نصارا میں سے مسلمان ہو گئے اور وہ اسی (80) کچھ زائد افراد تھے، چالیس (40) شخص نجران کے تھے، آٹھ (8) یمن کے اور بتیس (32) حبشہ کے تھے یہ لوگ قرآن مجید سے خوش ہوئے، کیونکہ یہ لوگ قرآن مجید پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے

۱۔ (جامع البیان جز 13 ص 214، رقم الحدیث: 15517)

قرآن مجید کی تصدیق کی تھی، اور یہ جو فرمایا ہے اور ان گروہوں میں سے بعض ہو ہیں جو اس (نازل شدہ) کے بعض کا انکار کرتے ہیں، اس سے مراد مشرکین ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی اس سے مراد یہود ہیں جن کو تورات دی گئی اور نصاری ہیں جن کو انجیل دی گئی، اس قرآن میں جو آیات نازل کی گئی ہیں اس وہ خوش ہوتے ہیں کیونکہ یہ قرآن تورات اور انجیل کا مصدق ہے، اور گروہوں سے مراد باقی کفار ہیں جو قرآن مجید کی بعض آیات کا انکار کرتے ہیں۔

آ گئے فرمایا اے پیغمبر اسلام! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اعلان کر دیجئے کہ میں تو صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ میری دعوت کا مقصد اس کی طرف دعوت دینا ہے اور اس کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے اور میرا واپس لوٹنا بھی اس کی طرف اور اس کے قانون کے مطابق ہے گویا اس آیت میں بلکہ آیت کے آخری حصہ میں توحید، رسالت اور معاد تینوں بنیادی عقیدے آ گئے۔

﴿ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝۳۷ ﴾

اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی زبان میں نازل کیا ہے، اور اگر آپ

نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس کے بعد جبکہ آپ کے پاس آ گیا علم، تو اللہ کے مقابلہ میں نہ آپ کا کوئی حامی کھڑا ہوگا نہ بچانے والا۔

یہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی حیثیت رکھتا ہے یہ ایسا حکم ہے جس میں اچھے کاموں کے کرنے کا حکم ہے اور برے کاموں سے منع کیا گیا ہے۔ اچھے کام کرنے والوں کے لیے خوشخبریاں ہیں اور برے کام کرنے والوں کو ان کے برے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مشتمل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ جس طرح پہلی کتابیں جن لوگوں کے لیے نازل کی گئیں وہ انہی کی زبان میں تھیں۔ تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ جس قوم کی زبان میں کتاب نازل ہوتی ہے ان کا فرض دوسری اقوام سے نسبتاً زیادہ ہوتا ہے اور جس شخصیت گرامی پر کتاب نازل ہوتی ہے اس شخصیت پر سب سے بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا اے پیغمبر! آپ پر ہم نے قرآن مجید نازل کیا جو سراسر علم و حکمت کا منبع ہے۔ اس کے باوجود اگر آپ نے ہمارے حکم کو چھوڑ کر خوف یا کسی وجہ سے ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہ کوئی آپ کا حمایتی ہوگا اور نہ ہی کوئی آپ کو بچانے والا ہوگا۔ آپ کو اور آپ کے حوالے سے آپ کی امت کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ ہر حال میں اپنے رب کا حکم ماننا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں عربوں سے تین وجہ سے محبت کرتا ہوں اس لیے کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی زبان میں نازل ہوا اور جنتیوں کی

زبان بھی عربی ہوگی۔ [1]

عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہوجائیں جو میں لایا ہوں۔" [2]

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ ﴾

آپ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا اور اور کسی پیغمبر کے اختیار کی بات نہ تھی کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے، ہر حکم لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ۔۔: نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر مشرکین یہ بھی اعتراض کرتے کہ یہ عجیب پیغمبر ہیں کہ دوسرے انسانوں کی طرح نکاح کرتے ہیں، ان کی اولاد بھی ہے، حالانکہ پیغمبر کو ان باتوں سے کیا واسطہ؟! بلکہ انھیں اس پر بھی اعتراض تھا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ (دیکھیے فرقان: ۷) اس آیت میں اسی اعتراض کا جواب

۱۔[شعب الایمان للبیھقی ، اسنادہ ضعیف البتہ متن کو قرآن کے حوالہ سے درست مانا جاسکتا ہے فضائل میں]

۲۔رواہ فی شرح السنۃ وقال النووی فی أربعینہ: ہذا حدیث صحیح

ہے کہ نبوت عورتوں سے نکاح کے منافی نہیں، آپ سے پہلے جتنے بھی اللہ کے پیغمبر ہو گزرے ہیں وہ سب بشر ہی تھے اور ان میں اکثریت ان پیغمبروں کی ہے جو بیوی بچے رکھتے تھے۔ وہ سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ (دیکھیے فرقان: ۲۰) تمھیں ابراہیم اور اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد ہونے پر فخر ہے تو کیا تم ان کی شادی کے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہو؟! اسی طرح بنی اسرائیل اور ان کے انبیاء کو دیکھ لو۔ سلیمان (علیہ السلام) کی بیویوں اور لونڈیوں کی تعداد کی طرف دھیان کرو! غرض تمہارا یہ اعتراض سرے سے ہے ہی لغو۔ ہمارے زمانے میں بھی کئی لوگ انھی لوگوں کو اللہ والے، ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں جو نہ شادی کریں، نہ کمائی، راہب بن کر دین کی دعوت اور جہاد کے بجائے گوشہ نشینی اور خود محنت کر کے کھانے کے بجائے دوسروں کی کمائی پر زندگی بسر کریں، حالانکہ اسلام میں یہ کام حرام ہیں۔

سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آئے اور ان سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب انھوں نے اس کے بارے میں انھیں مطلع کیا تو انھوں نے گویا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عبادت کو (اپنے لیے) کم خیال کیا اور کہا، ہماری اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کیا نسبت؟ ان کی تو اللہ رب العزت نے اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف فرما دی ہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا، میں تو ہمیشہ ساری رات کا قیام کرتا رہوں گا، دوسرے نے کہا، میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا اور تیسرے نے کہا، میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ (ان کی یہ باتیں جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک پہنچیں) تو آپ ان کے پاس آئے اور فرمایا: "کیا وہ تمھی ہو جنھوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ (سنو!) اللہ کی قسم! میں تم سب کی نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ

ڈرنے والا ہوں اور زیادہ متقی ہوں، لیکن اس کے باوجود میں کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا اور میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔"[1]

سیدنا سعد بن ہشامؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ایک سوال کروں، وہ یہ کہ کنوارا رہنا اور کبھی نکاح نہ کرنا، آپ اسے (شریعت کی رو سے) کیسا خیال کرتی ہیں؟ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا، ہرگز ایسا کام نہ کرنا، تو نے نہیں سنا جو اللہ عزوجل نے قرآن میں فرمایا: (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً) "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے کئی رسول تجھ سے پہلے بھیجے اور ان کے لیے بیویاں اور بچے بنائے۔" یہ آیت پڑھ کر سیدہ عائشہؓ نے فرمایا، (اے سعد!) تو ہرگز تبتل (دنیا سے بے رغبت ہو جانا) اختیار نہ کرنا۔[2]

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ: مخالفین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر یہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واقعی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں تو ہماری طلب کے مطابق معجزے اور نشانیاں کیوں نہیں لاتے۔ ان کے جواب میں فرمایا کہ پہلے پیغمبر جتنے معجزے لائے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکم سے لائے ہیں، اب اگر اللہ کا حکم ہوگا تو وہ اپنے اس پیغمبر سے بھی معجزے ظاہر کر دے گا، ورنہ پیغمبر میں از خود یہ ہمت کہاں ہے کہ اپنی مرضی سے جو معجزہ چاہے ظاہر کر دے۔ یہی حال اولیاء کی کرامتوں کا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کرامت دکھلانے پر قادر نہیں ہوتے۔ یہاں آیت سے مراد قرآن

۱۔[بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح: ۵۰۶۳۔ مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن طاقت نفسہ إلیہ۔۔الخ: ۱۴۰۱]

۲۔[نسائی، کتاب النکاح، باب النھی عن التبتل: ۳۲۱۸۔ مسند أحمد: ۶/ ۹۷، ح: ۲۴۷۱۲]

کی آیت بھی ہوسکتی ہے جس میں ان کی مرضی کے مطابق کوئی حکم نازل ہوجائے۔

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ: یعنی ہر وقت کے لیے ایک لکھا ہوا فیصلہ ہے جو اس وقت ہو کر رہے گا۔

﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿٣٩﴾ ﴾

اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) ہے۔

محو اور اثبات میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے متا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہے ثابت رکھتا ہے اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(1) حضرت عمر، حضرت ابن مسعودؓ اور ابو وائل، ضحاک اور ابن جریج نے کہا یہ آیت رزق، اجل سعادت اور شقاوت میں عام ہے۔

(2) حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیر، قتادہ، قرطبی اور ابن زید نے کہا اس آیت سے مراد ناسخ اور منسوخ ہے اور آیت کو چاہتا ثابت رکھتا ہے۔۔ابن قتیبہ نے کہا اللہ تعالیٰ جس آیت کو چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جس آیت کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور وہ آیت محکوم ہوتی ہیں۔

(3) سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباس سور وایت کیا ہے کہ شقاوت، سعادت اور موت اور حیات کے سوا اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت حذیفہ بن اسیدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب نطفہ چالیس دن کے بعد رحم میں مستقر ہوجاتا ہے تو اس پر فرشتہ داخل ہوتا ہے اور پوچھتا ہے اے رب! یہ شقی ہے یا سعید ہے، پھر اس کو لکھ دیتا ہے، پھر پوچھتا ہے اے رب! یہ مذکر ہے یا مونث؟ پھر اس کو لکھ دیتا ہے۔ اس کا عمل، اس کی مدت حیات اور اس کا رزق لکھ دیتا ہے پھر صحیفہ لپیٹ دیا جاتا ہے، اس میں کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ [1]

(4) مجاہدؒ نے کہا شقاوت اور سعادت کے سوا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔

(5) حسنؒ نے کہا جس کی موت آئے اس کو مٹا دیتا ہے اور جس کی موت نہ آئے اس کو ثابت رکھتا ہے۔

(6) سعید بن جبیرؒ نے کہا اپنے بندوں میں سے جس کے گناہ چاہے مٹا دیتا ہے اور اس کو بخش دیتا ہے، اور جس کو چاہے اس کے گناہ ثابت رکھتا ہے اور اس کو نہیں بخشتا۔

(7) عکرمہؒ نے کہا جس کو چاہتا ہے اس کے گناہ توبہ سے مٹا دیتا ہے اور اس کی جگہ نیکیاں ثابت کر دیتا ہے۔

(8) ضحاک اور صالحؒ نے کہا کہ فرشتوں کے صحیفوں یا نوشتوں سے ان کاموں کو مٹا دیتا ہے جن میں ثواب ہے نہ عتاب اور ان کی جگہ ان کاموں کا ثابت جن میں ثواب یا تعاب ہے اور ابن السائب نے کہا ہر بات لکھی جاتی ہے حتی کہ جب جمعرات کا دن آتا ہے تو ان کاموں کو مٹا دیا جاتا ہے جن میں ثواب ہے نہ عتاب ہے، جیسے کھانا پینا، آنا جانا وغیرہ اور ان کاموں کو ثابت رکھا جاتا ہے جن میں ثواب اور

1۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: 2644)

تعاب ہو۔ [1]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود یہ کہتے تھے اے اللہ! اگر تو نے مجھے نیک لوگوں میں لکھا ہوا ہے تو میرا نام نیک لوگوں میں ثابت رکھ کیونکہ تو جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور تیرے پاس ام الکتاب ہے۔ [2]

حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب رات میں تین ساعتیں رہ جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ام لکتا کو کھولتا ہے، پہلی ساعت میں اس کتاب کی طرف فرماتا ہے جس کو اس کے سوا اور کوئی دیکھ سکتا، پس وہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے، پھر آپ نے باقی دو ساعتوں کا ذکر فرمایا۔ [3]

سیدنا سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تقدیر کو محض دعا ہی ٹالتی ہے اور صرف نیکی ہی عمر میں اضافے کا باعث ہوتی ہے۔" [4]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا، آپ نے فرمایا: "جسے پسند ہے کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔" [5]

۱۔ (زاد المسیر ج4 ص338، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1407ھ)

۲۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 15535)

۳۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 155448)

۴۔ [ترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء لا یرد القدر إلا الدعاء: ۲۱۳۹]

۵۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب من بسط لہ فی الرزق لصلۃ الرحم: ۵۹۸۵]

﴿ وَاِنۡ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ﴿۴۰﴾ ﴾

اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس برے انجام کی دھمکی ہم ان کو دے رہے ہیں اس کا کچھ حصہ یا تو ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دکھا دیں اور یا (اس سے پہلے) ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وفات دے دیں بہر حال تم پر ذمہ داری صرف پیغام پہنچا دینے کی ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔

حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ نے کہا: یہ ننقصھا من اطرافھا ہے یعنی ان کے علماء وصلحاء کی موت کے ذریعے ہم انھیں کم کر رہے ہیں۔ قشیری نے کہا: اس بنیاد پر اطراف سے مراد اشراف ہیں۔ ابن اعرابی نے کہا: الطرف والطرف سے مراد کریم آدمی ہے، لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے، کیونکہ آیت کا مقصد یہ ہے: ہم ان کو ان کے معاملات میں نقصان دکھاتے ہیں، تا کہ وہ جان لیں کہ ان سے سزا کی تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں۔ البتہ حضرت ابن عباسؓ کے قول کو یہود و نصاری کے علماء کی موت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ مجاہدؒ، قتادہؒ اور حسنؒ نے کہا: اس سے مراد مشرکین کے قبضہ میں موجودہ چیزوں میں سے جن پر مسلمانوں نے غلبہ حاصل کر لیا تھا وہ ہیں، یہ حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ آپؓ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد بے آباد زمین ہے حتی کہ اس کے ایک کونے میں آبادی ہوتی ہے۔ مجاہدؒ سے مروی ہے: اس کے نقصان سے مراد اس کی خرابی اور اس کے اہل کی موت ہے۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کردی، اب اگر کوئی آپ کی دعوت قبول نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس سے حساب لے گا اور دنیا میں آپ کے دشمنوں کو، ممکن ہے کہ اللہ آپ کی زندگی ہی میں ذلیل ورسوا کرے، یا ہوسکتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ان کے ساتھ ایسا ہو۔ بہرحال آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کردی، اب ان کا حساب اور ان کا بدلہ ہمارے ذمے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝۲۱ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝۲۲ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ۝۲۳ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝۲۴ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝۲۵ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ) [الغاشیۃ: ۲۱ تا ۲۶] "پس تو نصیحت کر، تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔ تو ہرگز ان پر کوئی مسلط کیا ہوا نہیں ہے۔ مگر جس نے منہ موڑا اور انکار کیا۔ تو اسے اللہ عذاب دے گا، سب سے بڑا عذاب۔ یقیناً ہماری ہی طرف ان کا لوٹ کر آنا ہے۔ پھر بیشک ہمارے ہی ذمے ان کا حساب ہے۔"

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴۱ ﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں۔ اور اللہ فیصلہ کرتا ہے، کوئی اس کے فیصلہ کو ہٹانے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے تمام اطراف سے گھٹاتے چلے جارہے ہیں۔ انہیں خبر ہونی چاہیے

کہ اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔جس کے فیصلے پر کوئی نظر ثانی اور تعاقب کرنے والا نہیں۔وہ جلد حساب لینے والا ہے۔زمین کے چاروں اطراف کی طرف تنگ ہونے کا اس زمانے کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ اہل مکہ اور دیگر مخالفین کی ہزار کوششوں کے باوجود اسلام کا پھریرہ دور دور تک پھیلتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں ہی وہ وقت آیا کہ جب مسلمان دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن کر ابھرے اور مسلمان تقریباً آٹھ سو سال دنیا میں واحد سپر پاور کے طور پر حکومت کرتے رہے۔اس طرح اللہ کا حکم اور اس کا فیصلہ دنیا میں پورا ہوا۔جس کا قرآن مجید نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا خواہ یہ بات کفار کے لیے کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لیے بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔خواہ یہ بات مشرکوں کے لیے کتنی ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔(التوبۃ :۳۲،۳۳) اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ چھوڑی ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور غلبہ والا ہے۔(المجادلۃ:۲۱)

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا : ارشاد فرمایا: (وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا مَا حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡقُرٰی وَصَرَّفۡنَا الۡاٰیٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ)[الاحقاف: ۲۷] ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے پھیر پھیر کر آیات بیان کیں، شاید وہ لوٹ آئیں۔“

وَاللّٰهُ یَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ : ارشاد فرمایا: (لَا یُسۡـَٔلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَهُمۡ یُسۡـَٔلُوۡنَ)[الانبیاء :۲۳] ”اس سے نہیں پوچھا جاتا اس کے متعلق جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جاتا ہے۔“

سیدنا حسن بن علیؓ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چند کلمات سکھلائے کہ وہ انھیں نماز وتر میں پڑھا کریں، تو ان میں سے ایک کلمہ یہ بھی ہے: (فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ) "بیشک تو ہی فیصلے کرتا ہے اور تیرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔"[1]

وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ : ارشاد فرمایا : (اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ)[الأنبیاء:۱] "لوگوں کے لیے ان کا حساب بہت قریب آ گیا اور وہ بڑی غفلت میں منہ موڑنے والے ہیں۔"

﴿ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ﴾

اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی بڑی چالیں چلی تھیں لیکن تمام تدبیریں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں وہ جانتا ہے ہر جان جو کچھ کماتی ہے۔ اور کافر عنقریب جان لیں گے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے اچھا ہے۔ (۴۲) اور (اے

---

[1] ۔[ترمذی، کتاب الوتر، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر: ٤٦٤]

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کافر لوگ کہتے ہیں، کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں، کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ اور وہ شخص جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم ہے گواہ کافی ہے۔(۴۳)

اس سورت کو ان الفاظ پر مکمل فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ ان کفار و مشرکین مکہ سے پہلے گذر چکے ہیں انہوں نے دنیاوی مفادات کی خاطر دین اسلام اور اس کے رسولوں اور نبیوں کے خلاف ہر طرح کی چالیں چل کر دیکھ لیں لیکن جب بھی اللہ کا داؤ ان پر چل گیا وہ اپنے وجود اور اپنی ترقیات اور تہذیب کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ اللہ کو ہر انسان کی ہر کیفیت کا علم ہے کہ کون کیا کر رہا ہے اور یہ کفار لاکھ انکار کریں گے مگر یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کا کتنا بھیانک انجام ہے لیکن پھر بھی یہ اتنی بڑی جرأت کر رہے ہیں کہ جانتے بوجھتے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ صرف یہ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی اور تمام ان لوگوں کی گواہی کافی ہے جن کے پاس کتاب کا علم موجود ہے۔

اصل میں اہل کتاب پوری نشانیوں سے اس بات کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔ ان کی کتابوں میں تمام نشانیاں اور علامتیں موجود تھیں لیکن ان کے دنیاوی مفادات ان کو اس سچائی اور حق کے کہنے سے روکتے تھے اور اس طرح انہوں نے وقتی مفادات کی وجہ سے ایک بہت بڑی سچائی کو لوگوں سے چھپا لیا تھا اور وہ ان سازشوں میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بدنام کرتے رہیں تاکہ ان کے مفادات کا نقصان نہ ہو۔ لیکن اللہ نے ان کی تدبیروں کو الٹ دیا اور وہ کفار بری طرح ناکام ہو کر رہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق وصداقت پر چل کر دین ودنیا کی بھلائیاں عطا فرمائے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دامن سے وابستگی دین اور آخرت میں رحمت بنا کر عطا فرمائے۔

(آسمانی) کتاب کے عالم کے مصداق کون؟

ومن عندہ علم الکتب یہ مشرکین مکہ کے خلاف بطور حجت ہے، کیونکہ وہ تفاسیر میں اہل کتاب کے ایمانداروں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ایک قول کے مطابق: ان کی گواہی مدمقابل کے قول کے لیے قاطع ہوتی تھی اور وہ اہل کتاب کے مومن ہیں جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت سلمان فارسی، حضرت تمیم داری، حضرت نجاشی اور اس کے دوست، یہ حضرت قتادہ اور سعید بن جبیرؒ کا قول ہے۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کیا: جب حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کی کوشش کی گئی تو حضرت عبداللہ بن سلام آئے تو حضرت عثمان نے انہیں کہا: کیا لے کے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: میں آپ کی مدد کے لیے آیا ہوں۔آپ نے فرمایا: لوگوں کے پاس جاؤ اور انہیں مجھ سے دور کرو آپ کا باہر ہونا میرے لیے اندر ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔حضرت عبداللہ بن سلام لوگوں کے پاس گئے اور کہا: اے لوگو! زمانہ جاہلیت میں میرا نام فلاں تھا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرا نام عبداللہ رکھا، میرے بارے میں کتاب اللہ کی کچھ آیات نازل ہوئی ہیں: وشھید شاھد من بنی اسراءیل علی مثلہ فامن واستکبر تم، ان اللہ لایھدی القوم الظلمین۔(الاحقاف) بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے اپنے جیسے آدمی کے خلاف گواہی دی، پس وہ ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا، بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ میرے بارے میں نازل ہوئی ہے اور قل کفی باللہ شھیدا بینی وبینکم، ومن عندہ علم الکتب آیت کریمہ میرے تعلق نازل ہوئی ہے۔الحدیث۔اور ہم (قرطبی) نے یہ پوری حدیث کتاب "التذکرہ" میں لکھ

دی ہے۔اس کے بارے میں ابوعیسیٰ ترمذیؒ نے کہا ہے: ہذا حدیث حسن غریب۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام حصین تھا۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عبداللہ رکھا۔ابو بشر نے کہا: میں نے سعید بن جبیر کو کہا: ومن عندہ علم الکتب کس نے بارے ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ حضرت عبداللہ بن سلام ہیں۔ میں (قرطبی) نے کہا: حضرت عبداللہ بن سلام کیسے مراد ہو سکتے ہیں حالانکہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام نے مدینہ میں اسلام قبول کیا ہے؟ ثعلبی نے اس کو ذکر کیا ہے۔قشیری نے کہا: ابن جبیر نے کہا کہ سورت مکی ہے اور حضرت ابن سلام نے اس سورت کے نزول کے بعد مدینہ میں اسلام قبول کیا، لہٰذا اس آیت کو ابن سلام پر محمول کرنا درست نہیں۔ ومن عندہ علم الکتب سے جبرائیل امین مراد ہیں، یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔حضرت حسن، مجاہد اور ضحاکؒ نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے: اور وہ ومن عندہ علم الکتب پڑھتے تھے اور جو یہ کہتا کہ یہ حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمانؓ ہیں اس کا یہ انکار کرتے تھے، کیونکہ ان کے خیال کے مطابق سورت مکی ہے اور انھوں نے مدینہ میں اسلام قبول کیا ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مروی ہے کہ آپ نے ومن عندہ علم الکتب پڑھا، اگرچہ روایت میں ضعف ہے۔اس کو سلیمان بن ارقم نے عن الزہری عن سالم عن ابیہ عن النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روایت کیا ہے اور محبوب نے اسماعیل بن محمد یمانی سے روایت کیا ہے آپ نے اسی طرح پڑھا ہے یعنی ومن عندہ میم، عین اور دال کے کسرہ کے ساتھ علم الکتب عین کے ضمہ اور کتاب کے رفع کے ساتھ۔عبداللہ بن عطا نے کہا: میں نے ابوجعفر بن علی بن حسین بن حضرت علی بن ابی طالبؓ کو کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ ومن عندہ علم الکتب سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہے۔آپ نے فرمایا: یہ صرف حضرت علی بن ابی طالبؓ ہیں، محمد بن حنفیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ایک قول کے مطابق:

سارے مومنین مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

قاضی ابوبکر بن عربیؒ نے کہا: جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جس نے کہا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کے متعلق ہے، تو اس کو دو صورتوں میں سے کسی ایک پر محمول کیا جائے گا یا تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کے نزدیک وہ سب مومنین سے زیادہ عالم ہوں گے جبکہ معاملہ ایسا نہیں، بلکہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمانؓ ان سے زیادہ عالم تھے یا پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد انا مدینۃ العلم وعلی بابھا کی وجہ سے تو یہ روایت باطل ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علم کا شہر ہیں اور آپ کے صحابہ اس کے دروازے، علوم میں قدر و منزلت کے مطابق ان میں سے کچھ کھلے دروازے ہیں اور کچھ درمیانی درجے کے البتہ جس نے کہا کہ سارے مومنین مراد ہیں اس نے صحیح کہا، کیونکہ ہر مومن کتاب کو جانتا ہے، اس کے اعجاز کی وجہ کا ادراک رکھتا ہے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سچا ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ میں (قرطبی) نے کہا: اس بنیاد پر کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اور جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جس نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو مراد لیا ہے اس نے ترمذی کی حدیث پر بھروسہ کیا ہے، اور یہ ممتنع نہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں کوئی بات نازل ہوئی ہو اور مراد سارے مومنین ہوں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ویقول الذین کفروا ذکر سب کافروں کا ہے اور مراد قریش ہیں، پس جن کے پاس کتاب کا علم ہے وہ یہود و نصاریٰ کے مومنین ہو سکتے ہیں یعنی وہ لوگ وہ ہیں جو بتوں کی پوجا کرنے والوں کی نسبت نبوت اور کتاب کی معرفت کے زیادہ قریب ہیں۔ نحاس نے کہا: اور جس آدمی نے کہا کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور دیگر ہیں تو اس کی بات کا احتمال بھی ہے کیونکہ جب دلائل بھی صحیح ہوں اور یہ بھی معروف ہو کہ نزول قرآن سے پہلے وہ کتابوں کو پڑھتے تھے تو بات اور زیادہ پختہ

ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔[1]

سورہ ابراہیم

یہ پوری سورت مکی ہے اور اس میں باون آیات اور آٹھ سو اکتیس کلمات اور تین ہزار چار سو چونتیس حروف ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام ابراہیم ہے، کیونکہ اس سورت میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر ہے، حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کا ذکر اس سورت کی اس آیت میں ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الأَصْنَامَ (ابراھیم: ۳۵) اور جب ابراہیم نے دعا کی اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنادے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھ۔

ہر چند کہ قرآن مجید کی اور سورتوں میں بھی ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر ہے، لیکن ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی، کسی چیز کا نام رکھنے کے لیے ضروری ہے اس چیز میں اور نام میں مناسبت ہو لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں بھی وہ مناسبت ہو وہاں وہ نام بھی ہو۔

مقام نزول

یہ سورت مکی ہے اور مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی ہے۔ قرآن کریم کی تمام سورتیں مقام نزول کے اعتبار سے

---

[1] تفسیر قرطبی ، ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی

دو قسموں پر مشتمل ہیں جنھیں مکی اور مدنی کہا جاتا ہے۔ مکی کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت سے پہلی نازل ہوئی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی ہے یا مکہ معظّمہ سے باہر اور مدنی کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے قطع نظر اس سے کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی یا مدینہ سے باہر۔

زمانہ نزول

اس سورت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزول کا زمانہ وہ ہے جب دعوت الی اللہ کے راستے میں مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دیے گئے تھے۔ اس سورت میں سابقہ امتوں کے حالات سے استشہاد کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ قومیں اپنی قوت وشوکت کے زعم میں اللہ تعالیٰ کے رسول (علیہ السلام) کو دھمکیاں دیتی تھیں کہ اگر تم نے اپنی اس دعوت کے سلسلے کو بند نہ کیا تو ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال باہر کریں گے اور یا تمہاری جینا اس حد تک مشکل کر دیں گے۔ کہ تم اپنا دین چھوڑ کر ہماری جاہلیت میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا تذکرہ یقینا مشرکین مکہ کو یہ سمجھانے کے لیے کیا جا رہا ہے کہ تم بھی ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اسی طرح کی دھمکیاں دینے لگے ہو اور اس کی قید اور قتل کے منصوبے باندھنے لگے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سابقہ امتوں کی طرح تباہی کے راستے پر چل نکلے ہو۔ سابقہ امتوں کے حالات سے جو نتیجہ نکلتا ہے اسے مشرکین مکہ کے حالات پر چسپاں کرنا بجائے خود ایک ایسی اندرونی شہادت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت اس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب قریش مکہ کی طرف سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایذا رسانی میں انتہائی شدت آ چکی تھی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کرنے کے منصوبے تیار کیے جا رہے تھے۔ یہ زمانہ یقینا مکی

زندگی کے آخری سالوں سے تعلق رکھتا ہے اور اسی زمانے میں اس سورت کا نزول معلوم ہوتا ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع 1: قرآن کریم کی عظمت وحکمت کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلائے ہیں۔

رکوع 2: بنی اسرائیل کی آزمائش، گزشتہ امتوں کے احوال اور پیغام حق کے بارے میں منکرین کا شک و شبہ کرنا اور انبیاء (علیہم السلام) کا ان کو جواب دینا۔

رکوع 3: عاجز ولاجواب ہوجانے کے بعد کافروں کا انبیاء (علیہم السلام) کو ملک سے نکال دینے کی دھمکی دینا۔ کافروں کے ایمان سے مایوس ہوکر انبیاء (علیہم السلام) کا ان کے لیے عذاب کی دعا کرنا مذکور ہے۔ پھر کافروں کے اعمال کی مثال، اللہ کی قدرت کاملہ اور قیامت کے روز کافروں کی باہم گفتگو کا بیان ہے۔

رکوع 4: شیطان سے کافروں کا مخاصمہ اور کلمہ ایمان اور کلمہ کفر کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

رکوع 5: کفار ومشرکین کی مذمت اور مومنین وصالحین کی مدح کا بیان ہے۔ آخر میں منعم حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی دس صفات مذکور ہیں۔

رکوع 6: اس میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی مختلف دعائیں مذکور ہیں جو انہوں نے مکہ شہر، اپنی اولاد اور اپنے والدین کے لیے کیں۔

رکوع 7: شروع میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال سے غافل نہیں، ان کا دنیا میں پھلنا پھولنا اللہ کے ہاں مقبولیت کی بنا پر نہیں بلکہ مہلت اور ڈھیل کی وجہ سے ہے۔ آخر میں قیامت کے روز

زمین وآسمان کا تبدیل ہونا بیان کیا گیا ہے۔

خواب میں سورہ ابراہیم کی تلاوت کرنا

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ توبہ کرنے والوں اور تسبیح کرنے والوں میں سے ہوگا۔(علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

﴿ الٓرٰ ۟ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ﴿۲﴾ ﴾

الف۔لام۔را، یہ ایک (عظیم الشان) کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں اس کے راستہ کی طرف جو سب پر غالب، بہت تعریف والا ہے۔(۱) وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب (کی وجہ) سے تباہی ہے۔(۲)

حرف مقطعہ جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں انکا بیان پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے یعنی اے محمد

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اس کتاب کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے، تاکہ آپ قرآن میں مذکور تعلیمات الٰہیہ کی روشنی میں انسانوں کو اللہ کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق کفر کی تاریکی سے نکال کر دین اسلام کی روشنی تک پہنچا دیں۔ پیغمبر کا کام ہدایت کا راستہ دکھانا ہے، اب جو کوئی بھی اس راستے کو اختیار کرتا ہے تو یہ صرف اللہ کے حکم اور مشیت سے ہوتا ہے، کیونکہ اصل ہادی وہی ہے، اس کی مشیت اگر نہ ہو تو پیغمبر کتنا بھی وعظ و نصیحت کر لے، لوگ ہدایت کا راستہ اپنانے پر تیار نہیں ہوتے۔

امام عبد ابن منذر و ابن ابی حاتم نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ "لتخرج الناس من الظلمت الی النور" سے مراد ہے گمراہی سے ہدایت کی طرف۔

مقسمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: کچھ لوگ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائے اور کچھ نے آپ کا انکار کیا جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت ہوئی تو جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا انکار کیا تھا وہ آپ پر ایمان لے آئے، اور جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان رکھتے تھے انہوں نے آپ کا انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی، اس کو ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

امام ابن بن حمید، ابو یعلی، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں حاکم نے (اس کو صحیح بھی کہا ہے) ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آسمانوں پر اور (سب) انبیاء (علیہم السلام) پر فضلیت عطاء فرمائی ان سے پوچھا گیا آسمان والوں پر ان کی فضیلت کیسی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں کے لیے فرمایا (آیت) "ومن یقل منہم انی الہ من دونہ فذلک نجزیہ جھنم" (الانبیاء آیت ۲۹) اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے فرمایا

(آیت) "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" (الفتح آیۃ: ۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے آگ سے چھٹکارا لکھ دیا ابن عباسؓ سے پھر پوچھا گیا کہ انبیاء (علیہم السلام) پر ان کی فضیلت کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (آیت) "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے فرمایا (آیت) "وما ارسلنک الا کافۃ اللناس" (سبا آیت ۲۸) یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ نے (تمام) انسانوں اور جنوں کا رسول بنا کر بھیجا ہے۔

دین اسلام اس اللہ کا راستہ ہے جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہر چیز کا مالک ہے، اس لیے دنیا میں ہلاکت و بربادی اور قیامت کے دن عذاب نار ہے ان کافروں کے لیے جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت کو قبول نہیں کرتے اور کفر کی تاریکی سے نکل کر ایمان و اسلام کی روشنی میں داخل نہیں ہوجاتے۔

﴿ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝٣

وہ لوگ جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

جو لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی عیش وعشرت کو ترجیح دیتے ہیں وہی لوگ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بننے کے ساتھ اس میں کج روی تلاش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ گمراہی میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ ان کا صراط مستقیم کی طرف پلٹنا نہایت ہی مشکل ہے۔ قرآن مجید انسان کو دنیا سے لاتعلقی کا حکم نہیں دیتا اس کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر انسان آخرت کو مقدم رکھنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ دنیا اور اس کی ہر چیز عارضی ہے اس کے مقابلے میں آخرت اور اس کی نعمتیں مستقل اور ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ آخرت کو مقدم رکھنے والا ہر وقت اپنا احتساب کرتا ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ لوگ آخرت کی بجائے دنیا کو ترجیح دیتے ہیں جو شخص دنیا کو آخرت کے مقابلے میں ترجیح دیتا ہے اس میں بیک وقت جو کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ ایسا شخص نہ صرف اپنے قول وفعل سے ہدایت کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے بلکہ وہ اس قدر گمراہ ہوجاتا ہے اور دین کو اپنی خواہشات کے تابع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے علماء سوء اور دنیا پرست لوگوں کا کردار ہمارے سامنے ہونا چاہیے۔ معاشرے میں جتنی بے پردگی، بے حیائی اور بے دینی پھیلتی ہے اس کا موجد کافی حد تک وہ طبقہ ہے جو آزادی کی آڑ میں نئے سے نیا فیشن اور آزادی کے نام پر اسلام کی من مانی کی تاویلیں کرتا ہے۔ یہ طبقہ ہر معاملہ میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ لوگ خود گمراہ ہونے کے ساتھ شعوری اور غیر شعوری طور پر معاشرے کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ بالخصوص حکمران طبقہ مذہبی لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے دین کے نام پر ہی بدعت، رسومات پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کام کے لیے علماء سوء ہراول دستے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے علما کے ذہن میں بھی دنیا پرستی کا عنصر ہی غالب ہوا کرتا ہے۔ جس کی قرآن مجید نے ان الفاظ میں نشاندہی کی ہے "اے ایمان والو! علماء اور

درویشوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ یہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کے ساتھ ساتھ اللہ کے راستے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے انہیں اذیت ناک عذاب کی خوشخبری دیجئے۔ قیامت کے دن سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں، کروٹوں اور پشتوں کو داغتے ہوئے کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہارا خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا اور اپنے جمع شدہ مال کی سزا پاتے رہو۔ (التوبۃ: ۳۵)

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝۴ ﴾

”اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ اپنی قوم کی زبان میں بات کرتا تھا تا کہ وہ ان کے لیے (اللہ کے احکام) کھول کر بیان کرے پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

چونکہ ہر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوّلین مخاطب اسی قوم کے لوگ ہوتے ہیں جس میں وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا جاتا ہے اس لیے اسی قوم کی زبان میں وحی بھیجی جاتی ہے تا کہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو، پھر جو لوگ کلام الٰہی میں غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ ہدایت کے

دروازے کھول دیتا ہے اور وہ ایمان لے آتے ہیں اور جو لوگ تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے روگردانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی انہیں گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوّلین مخاطب لوگ اہل عرب تھے اس لیے وحی کا نزول عربی زبان میں ہوا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ صرف عربی زبان ہی جانتے تھے۔ دراصل آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام مخلوق کے لیے نبی اور رحمت تھے اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انسانوں کے علاوہ جنوں، جانوروں اور درختوں کی بولیاں بھی جانتے تھے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے:

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے بعض گھروں والوں کے پاس ایک اونٹ تھا جس پر وہ پانی (کی مشکیں لاد کر) لاتے تھے، ان کا وہ اونٹ سرکش ہو گیا اور اس نے اپنے اوپر پانی لادنے نہیں دیا وہ انصار رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر پانی لاد کر لاتے تھے اب وہ سرکش ہو گیا ہے اور اب وہ ہم کو اپنی پشت پر پانی لادنے نہیں دیتا اور ہمارے کھیت اور ہمارے باغ سوکھے پڑے ہیں، وسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اصحاب سے فرمایا چلو، آپ کے اصحاب اٹھے اور آپ باغ میں داخل ہوئے جس کے ایک گوشے میں وہ اونٹ کھڑا ہوا تھا۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی طرف جانے لگے، انصار نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ اونٹ اب کاٹنے والے پاگل کتے کی طرح ہو گیا ہے اور ہمیں خطرہ ہے کہ وہ آپ پر حملہ کر دے گا؟ آپ نے فرمایا مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے جب وہ اونٹ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف دیکھا تو وہ آپ کی طرف آیا اور آپ کے سامنے آ کر سجدہ میں گر گیا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو پیشانی سے پکڑا تو وہ پہلے سے بہت زیادہ

متواضع اور مطیع تھا، حتی کہ آپ نے اس کو کام میں لگا دیا، آپ کے اصحاب نے آپ سے کہا یہ بے عقل جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم عقل والے اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا کسی بشر کے لیے دوسرے بشر کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی بشر کے لیے دوسرے بشر کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، کیونکہ خاوند کا اپنی پر عظیم حق ہے۔ (۱)

حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک جگہ سے گزرے تو وہاں ایک خیمہ میں ہرنی بندھی ہوئی تھی، اس کہا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھے کھول دیجئے تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے کھول دیا وہ تھوڑی دیر بعد واپس آ گئی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو پھر باندھ دیا، جب وہ خیمہ والے آئے تو آپ نے ان سے اس ہرنی کو مانگ لیا اور اس کو کھول کر آزاد کر دیا۔ (۲)

عبداللہ بن یعلیٰؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تین چیزیں دیکھیں جو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھیں۔ میں آپ کے ساتھ مکہ کے ایک راستہ میں جا رہا تھا، آپ ایک عورت کے پاس سے گزرے جس کا بیٹا بہت سخت جنون میں مبتلا تھا، اس عورت نے کہا: یارسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں میرے بیٹے کا کیا حال ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔ (مسند احمد رقم الحدیث: 12551 دار الحدیث قہرہ، حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، حافظ الہیثمی نے بھی کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج۹ ص۴، دلائل النبوت لابی نعیم رقم الحدیث: 287، مسند البزار رقم الحدیث: 2454، حافظ منذری نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: اس حدیث کو امام نسائی نے اس کو مختصر روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ سے مختصر روایت کر کیا ہے۔ الترغیب والترج 3 ص 55 مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، الترغیب والترہیب ج 2 ص 675۔674، رقم الحدیث 2893، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: 4162، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: 9147)

۲۔ (دلائل النبوت للبیہقی ج۶ ص 34، مطبوعہ دار الکتب العلمی بیروت ، اسنادہ ضعیف)

وسلم) نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اس کے لیے دعا کروں۔ آپ نے اس کے لیے دعا کی، پھر آپ چلے گئے، پھر آپ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جو اپنی گردن بڑھا کر بڑبڑا رہا تھا، آپ نے فرمایا: اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ، جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا: یہ اونٹ کہہ رہا ہے: میں ان کے ہاں پیدا ہوا، انہوں نے مجھ سے کام لینا شروع کر دیا حتیٰ کہ اب میں بوڑھا ہو گیا تو یہ لوگ مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں، پھر آپ آگے گئے تو آپ نے دو الگ الگ درختوں کو دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا: جاؤ ان دونوں درختوں سے کہو کہ وہ مل کر متصل ہو جائیں، جب وہ درخت مل گئے تو آپ نے ان کی اونٹ میں رفع حاجت کی اور فرمایا: جاؤ ان سے کہو: اب یہ الگ الگ ہو جائیں، پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آگے گئے، جب واپس آئے تو اس بچہ کے پاس سے گزرے، وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، اس کی ماں کے پاس چھ مینڈھے تھے، اس نے دو مینڈھے آپ کو ہدیہ کئے اور کہنے لگی: اس پر دوبارہ بالکل جنون طاری نہیں ہوا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے کافر اور فاسق جنوں اور انسانوں کے۔ [1]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں۔ (وہ یہ کہ) مہینے بھر کی مسافت پر رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے اور یہ کہ میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاکی کے لائق بنا دی گئی ہے۔ اس لیے جو آدمی جہاں نماز کا وقت پالے وہ وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لیے مال غنیمت حلال کیے گئے ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی پر حلال نہیں تھے اور مجھے شفاعت سونپی گئی ہے اور ہر نبی صرف اپنی قوم ہی کی طرف

۱۔ (معجم کبیر: جلد ۲۲: ص ۲۶۱ ، اسنادہ ضعیف)

آتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"[1]

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ
سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ
وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ ﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ (اے موسیٰ (علیہ السلام)!) تم اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور ان کو اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ بیشک اس میں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لیے بڑی نشانیاں ہیں ۔(۵) "اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم کو فرعون کی قوم سے نجات دی، جو تمہیں برا عذاب دیتے تھے اور

۱۔[بخاری، کتاب التیمّم، بابٌ: ۳۳۵۔ مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاۃ: ۵۲۱]

تمہارے بیٹے بری طرح ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔(۶)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کی ساتھ بھیجا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ نشانیاں دی گئیں تھیں (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) ٹڈیاں (۴) جوئیں (۵) خون (۶) مینڈکوں کی بارش (۷) سمندر کو چیرنا (۸) پتھر سے چشموں کا پھوٹنا (۹) پہاڑ کا سایہ کرنا (۱۰) المن اور السلوی کا نازل کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی قوم بنو اسرائیل کی طرف ان نشانیوں اور رات کے ساتھ بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ان کے لیے دین اور شریعت کو بیان کریں، اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (ابراھیم:۱) ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔

اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق فرمایا:

أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (ابراھیم:۵) کہ آپ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔

اس میں یہ بتانا ہے کہ تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد واحد ہے کہ وہ اس بات کی پیہم سعی کریں کہ وہ اللہ کی مخلوق کو گمراہی اور کفر کے اندھیروں سے ہدایت اور ایمان کی روشنی کی طرف لائیں۔

ایام اللہ کا معنی:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ایام اللہ (اللہ کے دنوں) کی یاد دلاؤ۔ ایام اللہ سے مراد ہیں وہ ایام جن میں اہم

واقعات رونما ہوئے یا جن ایام میں اللہ تعالیٰ نے منکروں اور کافروں کو سزا دینے کے لیے اور ان سے انتقام لینے کے لیے ان پر عبرت ناک عذاب نازل فرمایا، یا جن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر خاص نعمتیں نازل فرمائیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کیا ہے کہ ایام اللہ سے مراد اللہ کی نعمتیں ہیں، مجاہد، قتادہ اور ابن قتیبہؒ کا بھی یہی قول ہے، ابن زید، ابن السائب اور مقاتلؒ نے کہا اس سے مراد پہلے امتوں کے اہم واقعات ہیں۔ زجاج نے کہا اس سے مراد وہ ایام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں پر عذاب نازل فرمایا جیسے حضرت نوح کی قوم کو قوم اور عاد اور ثمود پر۔ [1]

سیدنا ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک دفعہ موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کو (وعظ ونصیحت کے دوران میں) ایام اللہ یاد دلا رہے تھے اور ایام اللہ سے مراد اللہ کی (بھیجی ہوئی) نعمتیں اور بلائیں ہیں اور اسی دوران میں انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر کوئی مجھ سے بہتر اور بڑا عالم ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ میں زمین میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو تم سے بہتر اور تم سے بڑا عالم ہے (یعنی خضر (علیہ السلام)۔" [2]

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ : سیدنا صہیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مومن کا ہر معاملہ بڑا عجیب ہے، کیونکہ اس کا ہر معاملہ اس کے لیے بہتر ہے اور مومن کے علاوہ یہ فضیلت کسی اور کے لیے نہیں۔ (وہ اس طرح کہ) اسے مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر اسے راحت وآرام ملے تو شکر کرتا ہے، اس کا انجام بھی اس کے

۱۔ (زاد المسیر ج4 ص346، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1407ھ)

۲۔ [مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل الخضر (علیہ السلام): ۲۳۸۰/۱۷۲]

لیے بہتر ہوتا ہے۔"[1]

آزادی حاصل کرنے کے بعد حضرت موسیٰ ؑ کا بنی اسرائیل کو خطاب

بنی اسرائیل اس قدر متلون مزاج اور احسان فراموش تھے کہ جب فرعون کی غرقابی کے بعد بیت المقدس کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں انہوں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو بتوں کے سامنے اعتکاف کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے ذہن میں شرک اس قدر سمایا ہوا تھا کہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی اس قوم کے معبودوں کی طرح معبود بنا دیجئے جس پر موسیٰ (علیہ السلام) نے انہیں ڈانٹا کہ تم کیسے جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ تو برباد ہونے والے ہیں اور جو کچھ یہ کرتے ہیں یہ سب کا سب باطل ہے۔ کیا اللہ کے سوا میں تمہارے لیے کوئی اور الٰہ تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں پوری دنیا پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (الاعراف: ۱۳۸۔۱۴۰)

آزادی کے بعد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا قوم کو خطاب:

(وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ)[الاعراف:۱۴۱]

"وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں آل فرعون کے مظالم سے نجات عطا فرمائی۔ آل فرعون تمہیں شدید ترین عذاب میں مبتلا رکھتے تھے حال یہ تھا کہ آل فرعون تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری بچیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے سخت ترین آزمائش تھی۔"

اسی بات کو موسیٰ (علیہ السلام) کے حوالے سے بیان کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے

---

[1]۔[مسلم، کتاب الزھد، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر: ۲۹۹۹]

فرمایا کہ اے میری قوم! اللہ کے احسان کو یاد کرو، جب اس نے آل فرعون سے نجات دی جو تمہیں بدترین سزا دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے بھاری آزمائش تھی۔ چند الفاظ اور سیاق وسباق کے فرق کے ساتھ یہ آیت مبارکہ قرآن مجید میں تین مرتبہ آئی ہے۔ جس میں بنی اسرائیل کو یہ یاد دلانا مقصود ہے کہ اہل کتاب! تم اپنے آپ کو بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد کہتے ہو۔ سوچو اور غور کرو کہ آج کس طرح تم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے ساتھیوں کی مخالفت پر تلے ہوئے ہو حالانکہ وہ نسل کے اعتبار سے تمہارے جد امجد حضرت اسحاق (علیہ السلام) کے بڑے بھائی، حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں، تمہارے انبیاء (علیہ السلام) پر ایمان لانے والے اور تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ تم آگے بڑھ کر ان کے معاون بنتے۔ مگر تم حسد وبغض میں آکر ان کی مخالفت کیے جا رہے ہو۔

﴿ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝٧ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۙ فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝٨ ﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت

سخت ہے۔(۷) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: اگر تم اور وہ سب کے سب لوگ جو زمین میں ہیں ناشکری کرنے لگیں تو بھی یقیناً اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور سب تعریفوں کا مستحق ہے۔(۸)

لفظ تاذن، اذن اور اطلاع دینے اور اعلان کرنے کے معنی میں ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان عام فرمادیا ہے کہ اگر تم نے میری نعمتوں کا شکر ادا کیا کہ انکو میری نافرمانیوں اور ناجائز کاموں میں خرچ نہ کیا اور اپنے اعمال وافعال کو میری مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کی تو میں ان نعمتوں کو اور زیادہ کردوں گا یہ زیادتی نعمتوں کی مقدار میں بھی ہوسکتی ہے، اور ان کی بقاء ودوام میں بھی رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگئی وہ کبھی نعمتوں میں برکت اور زیادت سے محروم نہ ہوگا (رواہ ابن مردویہ عن ابن عباس مظہری) اور فرمایا کہ اگر میری نعمتوں کی ناشکری کی تو میرا عذاب بھی سخت ہے ناشکری کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور ناجائز کاموں میں صرف کرے یا اس کے فرائض وواجبات کی ادائیگی میں سستی کرے اور کفران نعمت کا عذاب شدید دنیا میں بھی یہ ہوسکتا ہے کہ یہ نعمت سلب ہوجائے یا ایسی مصیبت میں گرفتار ہوجائے کہ نعمت کا فائدہ نہ اٹھا سکے اور آخرت میں بھی عذاب میں گرفتار ہو۔

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا کہ تمہارے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ اگر تم اس کی نعمتوں کا ایمان خالص اور عمل صالح کے ذریعے شکر ادا کروگے تو وہ تمہیں اور زیادہ روزی دے گا اور دنیا میں معزز ومکرم بنائے گا اور اگر ناشکری کروگے تو وہ نعمتیں تم سے چھین لے گا اور سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بنی اسرائیل

میں تین آدمی تھے، ایک کوڑھی، ایک گنجا اور ایک اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں آزمانا چاہا اور ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ فرشتہ پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور کہنے لگا، تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا اچھا رنگ اور اچھی جلد، کیونکہ لوگ مجھ سے نفرت و کراہت رکھتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کا رنگ اور جلد درست ہوگئی۔ پھر فرشتے نے پوچھا، تمہیں کونسا مال پسند ہے؟ وہ کہنے لگا، اونٹ۔ فرشتے نے اسے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی مہیا کر دی اور کہا، اللہ اس میں برکت دے گا۔ پھر وہ گنجے کے پاس آیا اور کہا، تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا، یہی کہ میرا گنجا پن جاتا رہے اور اچھے بال اگ آئیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ تندرست ہوگیا اور اس کے اچھے بال اگ آئے۔ پھر اس سے پوچھا، تمہیں کونسا مال پسند ہے؟ گنجے نے کہا، گائیں۔ چنانچہ فرشتے نے اسے ایک حاملہ گائے مہیا کر دی اور کہا، اللہ اس میں برکت دے گا۔ پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا، یہی کہ میری بینائی مجھے مل جائے، تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ بینا ہوگیا۔ پھر اس سے پوچھا، تمہیں کونسا مال پسند ہے؟ اس نے کہا، بکریاں۔ چنانچہ فرشتے نے اسے ایک حاملہ بکری مہیا کر دی اور کہا، اللہ اس میں برکت دے گا۔ کچھ مدت گزرنے پر کوڑھی کے پاس اونٹوں کا، گنجے کے پاس گائیوں کا اور اندھے کے پاس بکریوں کا بہت بڑا ریوڑ بن چکا تھا۔ اب فرشتہ پھر ان کے پاس ان کی پہلی صورت میں آیا۔ پہلے وہ کوڑھی کے پاس گیا اور کہا، میں محتاج و مسکین آدمی ہوں، میرا سب سامان سفر جاتا رہا، اب اللہ کی توفیق اور تیری مدد کے بغیر میں (منزل تک) نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا میں تم سے اس اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں، جس نے تیرا رنگ اور جلد اچھی کر دی اور تجھے بہت سا مال دیا کہ ایک اونٹ مجھے دے دو، تاکہ میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ سکوں۔ وہ کہنے لگا، میرے ذمے اور بہت سے حقوق ہیں۔

فرشتے نے کہا، غالباً میں تجھے پہچانتا ہوں، تو کوڑھی تھا، لوگ تجھ سے کراہت رکھتے تھے اور تو محتاج تھا اور اللہ نے تم پر مہربانی کی اور یہ سب کچھ عطا کیا۔ کوڑھی کہنے لگا، واہ! مجھے تو یہ سب کچھ باپ دادا کی وراثت سے ملا ہے۔ فرشتے نے کہا، اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے تیری پہلی حالت میں لوٹا دے۔ پھر وہ گنجے کے پاس آیا۔ اس سے بھی بالکل ویسے ہی سوال و جواب ہوئے جیسے کوڑھی سے ہوئے تھے۔ اسے بھی فرشتے نے بالآخر یہی کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تجھے اپنی پہلی حالت میں پھیر دے۔ اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی کہا اور ساتھ ایک بکری کا سوال کیا، تو اندھا یہ سن کر کہنے لگا، واقعی میں اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے بینائی بخشی اور میں محتاج تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے مال دار کر دیا۔ (اب تم نے مجھ سے اسی اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کیا ہے) تو اللہ کی قسم! جو کچھ چاہتے ہو لے لو، میں روکوں گا نہیں۔ فرشتے نے کہا، (میں محتاج نہیں فرشتہ ہوں) اپنی بکریاں اپنے پاس رکھو، اللہ تعالیٰ نے تم تینوں کو آزمایا تھا، اللہ تجھ سے تو خوش ہو گیا اور تیرے دونوں ساتھیوں (کوڑھی اور گنجے) سے ناراض ہوا۔"[1]

سیدنا عمرو بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقیری و محتاجی کا ڈر نہیں، لیکن مجھے اس چیز کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر کشادہ کر دی جائے گی، جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی۔ پھر تم بھی اس دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگو گے، جیسے وہ بڑھتے تھے اور پھر یہ دنیا تمہیں بھی ایسے ہی ہلاک کر دے گی جیسے اس نے ان لوگوں کو ہلاک کیا تھا۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے دوزخ

۱۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث أبرص وأعمی وأقرع فی بنی إسرائیل: ۳۴۶۴]

۲۔ [مسلم، کتاب الزہد، باب الدنیا سجن۔۔الخ: ۲۹۶۱]

دکھلائی گئی تو اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں، جو کفر کرتی ہیں۔" صحابہ نے کہا، کیا وہ اللہ کا کفر کرتی ہیں؟ فرمایا: "(نہیں) وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان فراموش ہوتی ہیں۔ اگر تم کسی عورت سے ایک لمبا عرصہ بھلائی کرو، پھر وہ تم سے کوئی ناگوار بات دیکھے تو کہہ دے گی کہ میں نے تو تجھ سے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔"[1]

اللہ کا شکر نہ کرنے سے اسے کوئی نقصان نہیں

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کردیا ہے۔ سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو ماسوا اس کے جس کو میں ہدیت دوں سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تم کو ہدایت دوں گا، اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو ماسوا اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں سو تم مجھ سے کھانا طلب کرو، میں تم کو کھانا کھلاؤں گا، اے میرے تم سب بے لباس ہو ماسوا اس کے جس کو میں لباس پہناؤں۔ سو تم مجھ سے لباس طلب کرو میں تمہیں لباس پہناؤں گا، اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشتا ہوں، سو تم مجھ سے بخشش طلب کرو میں تم کو بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نقصان پہنچا سکو، اور تم کسی نفع کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نفع پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن تم میں

---

[1]۔ [بخاری، کتاب الایمان، باب کفران العشیر وکفر دون کفر: ۲۹]

سب سے زیادہ بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے، اور میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر فرد کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہو گا جس طرح سوئی سمندر میں ڈال کر (نکالنے سے) اس میں کمی ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے جمع کر رہا ہوں پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزا دوں گا، پس جو شخص خیر کو پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کو خیر کے سوا کوئی اور چیز (مثلاً آفت یا مصیبت) پہنچے وہ اپنے نفس کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔ [1]

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بستر سے گم پایا، میں نے آپ کو ڈھونڈا تو میرے ہاتھ آپ کی تلووں پر لگا اور آپ سجدہ میں تھے اور آپ کے دونوں پاؤں نصب تھے اور آپ یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں میں تیری ایسی حمد و ثنا نہیں کر سکا جیسی حمد و ثنا تو خود اپنی فرماتا ہے۔ [2]

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے

۱۔ (صحیح مسلم، البر والصلہ۔55 (2577) 6450، سنن الترمذی رقم الحدیث: 2495، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 4257، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی 2663، مسند احمد 5 ص 154، الادب المفرد رقم الحدیث: 490، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: 619، حلیۃ الاولیاء ج 5 ص 126۔125، سنن کبری للبیہق ج 6 ص 93)

۲۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: 486، سنن ابوداؤد رقم الحدیث 879، سنن الترمذی رقم الحدیث: 3493، سنن النسائی رقم الحدیث: 1100، سنن ابن ماجہ: 3841، مسند احمد رقم الحدیث: 24193، دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد رقم الحدیث: 26174، عالم الکتب بیروت، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: 655، صحیح ابن حبان رقم الحدیث 1930)

میرے بندو! تم میرا نقصان نہیں کر سکتے اور نہ مجھے فائدہ پہنچا سکتے ہو۔ اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، تمہارے آدمی اور جن، سب ایسے ہو جائیں جیسے تم میں بڑا پرہیز گار شخص ہو تو میری سلطنت میں کچھ اضافہ نہیں ہوگا اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، تمہارے آدمی اور جن، سب ایسے ہو جائیں جیسے تم میں سے سب سے بدکار شخص ہو تو میری سلطنت میں سے کچھ کم نہیں ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے اور تمہارے انسان اور جن ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے مانگیں اور میں ہر انسان کے سوال کے مطابق اسے دے دوں، تو اس سے میری بادشاہت میں اتنی بھی کمی نہیں آتی جتنی دریا میں سوئی ڈبونے سے اس کے پانی میں کمی آتی ہے۔"[1]

﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ ﴾

کیا تمہیں تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد گزرے، خدا کے سوا جنھیں کوئی

---

[1]۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۷]

نہیں جانتا۔ان کے رسول (علیہ السلام) ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے۔ پس تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں ڈال لیے اور کہنے لگے: ہم نے اس دین کا انکار کر دیا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور بیشک جس دین کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم تو اس کے متعلق بڑے سخت شک میں مبتلا ہیں۔

کسی کو اپنا نسب نامہ آدم (علیہ السلام) تک نہیں پہنچانا چاہیے

والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ۔ سے معلوم ہوا کہ کسی کو اپنا نسب آدم (علیہ السلام) تک نہیں بیان کرنا چاہیے کیوں کہ قوم نوح اور عاد وثمود کے بعد ایسی قومیں گزری ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یاد رہے زمانہ نوح کے طوفان میں حضرت نوح کے چند ساتھیوں کے سوا سب انسان ہلاک کر دیے گئے تھے پھر حضرت نوح کے بیٹوں سے عاد وثمود دونوں قومیں خطہ عرب میں آباد ہوئیں پھر تباہ ہوئیں۔ البتہ ان میں سے بعض مومنین بچے، جن سے انسانیت کا سلسلہ چلتا رہا مگر اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اس وقت کون کون سی قومیں زمین پر آباد ہوئیں لہذا آدم تک کسی کا نسب کیسے حتمی و یقینی ہوسکتا ہے خواہ وہ کسی بزرگ کا نسب ہو یا کسی بادشاہ کا۔

اسی لیے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب سنا کہ بعض نسابین (انساب عرب کے ماہرین) آپ کا نسب معد بن عدنان سے آگے تک بیان کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا اہل نسب جھوٹ کہتے ہیں کیا اللہ نے نہیں فرمایا، لا یعلمھم الا اللہ۔ [1]

۱۔ (تفسیر قرطبی جلد نہم)

اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں پر رکھنے کی متعدد تفسیریں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ دیئے اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

(1) حضرت ابن مسعود، حضرت ابن زید اور ابن قتیبہ نے کہا: انہوں نے غیظ و غضب کی شدت سے اپنی انگلیا کاٹ لیں جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (آل عمران: 119) اور جب وہ اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کی وجہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔

(2) ابو صالح نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تو وہ آپ کی بات کو رد کرنے کے لیے اور آپ کی تکذیب کرنے لیے اپنی انگلیاں اپنے منہ پر رکھ کر آپ کو اشارہ سے کہتے کہ آپ چپ رہیں۔

(3) حسن نے کہا: جب رسول تبلیغ کرتے تو وہ ان کی بات کو رد کرنے کے لیے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے۔

﴿ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ط قَالُوٓا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ط تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾ ﴾

ان کے رسولوں نے کہا کیا (تمہیں) اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ اور مقررہ مدت تک تمہیں ڈھیل دے دے۔ وہ کہنے لگے کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو، تم چاہتے ہو کہ تم ہمیں روک دو۔ ان کی عبادت سے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ پس تم ہمارے پاس کوئی کھلا ہوا معجزہ لاؤ۔

انبیاء کرام (علیہ السلام) کا طریقہ، توحید کا عقیدہ اور اس کے دلائل اتنے ٹھوس، واضح اور شفاف تھے اور ہیں کہ اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ انہیں سمجھنا چاہے تو اسے کوئی دقّت پیش نہیں آتی۔ اللہ کی ذات اور اس کی قدرت کے شواہد اس قدر کھلے اور عام ہیں کہ ایک ان پڑھ سے ان پڑھ انسان بھی اس کا ادراک کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انبیاء کرام (علیہ السلام) ایک مرتبہ نہیں، زندگی بھر اللہ کی توحید کے دلائل دیتے رہے۔ مگر نہ ماننے والے یہ کہہ کر انکار کرتے تھے کہ ہمارے شک وشبہات ابھی تک دور نہیں ہوئے۔ جس پر انبیاء کرام (علیہ السلام) انہیں فرمایا کرتے کہ شک وشبہات کا بہانہ کرنے والو! کیا تم اللہ کی ذات کے بارے میں شک کرتے ہو؟ جس نے بغیر کسی پہلے سے موجود نقشے اور میٹریل کے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا وہ تمہیں سمجھاتا اور بلاتا ہے کہ میرے بندو! میری طرف آجاؤ۔ میں تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کے لیے تیار ہوں اور میں ہی تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دیئے رکھتا ہوں۔ انسان جتنا بھی اللہ سے دور اور اس کا سرکش ہوجائے اللہ تعالیٰ پھر بھی اسے مدت مدید تک مہلت

دیے رکھتا ہے تا کہ میرا بندہ میری رحمت کا حقدار ہوجائے۔لیکن لوگوں نے توحید خالص کا عقیدہ قبول کرنے کی بجائے انبیاء (علیہ السلام) کو یہ بھی جواب دیا کہ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو۔اس دعوت کے پیچھے تمہارا مقصد یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں اور معبودوں کے عقیدہ اور طریقہ سے روک دیا جائے۔ہم تمہاری دعوت اور باتوں پر مطمئن نہیں۔اس لیے ہمارے سامنے کوئی بھاری معجزہ پیش کرو۔کچھ اہل علم نے شک سے مراد فکری تذبذب لیا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ لوگ انبیاء (علیہ السلام) کی عظیم اور پر خلوص جدوجہد کے باوجود عقیدہ توحید کو نہ سمجھ سکے مگر شرک کے بارے میں ضرور شک کا شکار ہو گئے۔ صد احترام کے باوجود اس توجیہہ کے ساتھ اتفاق کرنے کو دل نہیں مانتا۔کیونکہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر تھے۔جس طرح آج مادہ پرست سائنسدان اور عام لوگ انکار کرتے ہیں۔اسی طرح ہر دور کے مشرک صرف ایک اللہ کو حاجت روا، مشکل کشا ماننے کی بجائے یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تنہا ہماری مشکلات حل نہیں کرسکتا اور نہ ہی برائے راست ہماری فریادیں سنتا ہے۔یہی وہ شک اور مشرکانہ عقیدہ ہے۔جس میں ہلاک ہونے والی اقوام مبتلا تھیں۔

توبہ کرنے کی ترغیب میں احادیث

حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تا کہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تا کہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے۔(وہ یونہی کرتا رہے گا) حتی کہ سورج مغرب سے طلوع ہوجائے گا۔[1]

۱۔(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۷۵۹، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۸)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص اس سے پہلے توبہ کرلے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔ ①

حضرت صفوان بن عسال ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مغرب کی طرف توبہ کا ایک دروازہ ہے جس کی چوڑائی چالیس سال یا ستر سال کی مسافت ہے۔ اللہ عزوجل نے اس دروازہ کو اس دن کھولے دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا اور اس دروازہ کو اس وقت تک بند نہیں کرے گا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ ②

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور وہ اس گناہ سے الگ ہو جاتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس کا صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک اور نقطہ پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ وہی ران ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (المطففین: 14) ہرگز نہیں! ان کے دلوں پر ان کے (برے) کاموں نے زنگ چڑھا دیا۔ ③

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اپنی گمشدہ سواری کے مل جانے سے جتنی خوشی ہوتی ہے اللہ کو تمہاری توبہ سے اس زیادہ خوشی ہوتی

۱۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: 2703)

۲۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: 3536، شعب الایمان رقم الحدیث: 7076)

۳۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: 3334، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 4244، مسند احمد ج 2 رقم الحدیث: 297، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: 930۔ 2787، المستدرک ج 2 ص 517)

ہے۔ ①

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم سے جس قدر ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور ہر پتھر کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور تم جو برا کام کرو اس کے بعد توبہ کرو، پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ کرو اور کھلم کھلا گناہ کی توبہ کھلم کھلا کرو۔ ②

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس گناہ نہ کیا ہو۔ ③

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے ابن آدم شک تو نے مجھ سے دعا کی اور مجھ سے امید رکھی، تم میں جو بھی گناہ تھا اس کو میں نے معاف کر دیا اور مجھے پرواہ نہیں، اے ابن آدم! اگر تو پوفی روئے زمین کے برابر گناہ لے کر آیا پھر تو نے مجھ سے ملاقات کی تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت لاؤں گا بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔ ④

﴿ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ ﴾

۱۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: 3538، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 4247)

۲۔ (المعجم الکبیر ج 20 ص 159، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج 10 ص 74)

۳۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 4250، شعب الایمان: 7178)

۴۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: 3540)

ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ بیشک ہم تمہاری ہی طرح کے آدمی ہیں لیکن اللہ احسان فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں، اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

قوم کے اعتراضات کا جواب

اللہ تعالیٰ کے رسولوں (علیہ السلام) نے اپنی قوموں کی طرف سے اٹھائے گئے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم نے ہم پر یہ طعن توڑا ہے کہ ہم تو تمہاری طرح کے بشر اور انسان ہیں۔ اور بشر اللہ تعالیٰ کا رسول (علیہ السلام) کیسے ہوسکتا ہے؟ رسالت ایک عظیم منصب ہے اور بشریت نہایت فروتر مقام۔ یہ دونوں اکٹھے کیسے ہوسکتے ہیں؟ یہ وہ غلط فہمی ہے جس نے بہت سے لوگوں کو ہدایت کی طرف آنے سے روکا۔ انسان بھی عجیب واقع ہوا ہے، اس کے بگاڑ کا ایک رنگ یہ ہے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے ربوبیت کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ اور دوسری طرف حال اس کا یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس قدر فروتر سمجھتا ہے کہ یہ تصور بھی اس کے نزدیک گناہ ہے کہ نبی بشر ہوسکتا ہے یا بشر نبی ہوسکتا ہے۔ حالانکہ معمولی عقل کا آدمی بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ آدم بشر تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں مسجودِ ملائک بنایا جبکہ ملائکہ نورانی مخلوق ہیں اور باقی کوئی مخلوق تو ان دونوں مخلوقات سے شان میں بلند نہیں۔ اور مزید یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کے رسول (علیہ السلام) انسانوں کی ہدایت کے لیے آتے ہیں اور ہدایت ہمیشہ اپنے ہم جنس سے حاصل کی جاتی ہے کیونکہ ہدایت کے لیے ضروریات کا یکساں ہونا، احساسات کا یک رنگ ہونا اور فہم وشعور کے

سرچشموں کا مشترک ہونا ضروری ہے۔ اگر ان بنیادی چیزوں میں فرق ہوگا تو افادہ اور استفادہ ناممکن ہوجائے گا۔ اگر انبیاء فرشتے ہوتے تو وہ نہ انسانوں کو نظر آتے اور نہ انسان ان کو دیکھ سکتے۔ نہ انھیں بھوک لگتی کہ وہ روزے میں نمونہ بن سکیں اور نہ انھیں بیماری لاحق ہوتی کہ ان سے صبر سیکھا جاسکے۔ نہ انھیں زخمی ہونے کا ڈر ہوتا کہ ان سے شجاعت واستقامت کا سبق پڑھا جاسکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ہی سے جس کو اس قابل جانا اسے نبوت دے کر احسان فرمایا۔ اس لیے کفار کا یہ کہنا کہ تم چونکہ انسان ہو اس لیے نبی نہیں ہوسکتے، یہ بے عقلی بھی ہے اور احسان ناشناسی بھی۔

کفار نے دوسری بات یہ کہی تھی کہ تم اگر واقعی پیغمبر ہو تو کھلم کھلا اور واضح قسم کا معجزہ ہمیں دکھاؤ جس سے ہمیں یقین ہوجائے کہ تم کوئی بڑی قدرتوں کے مالک ہو۔ اس کے جواب میں رسولوں (علیہ السلام) نے کہا کہ ہم نے ایسی کسی بات کا دعویٰ کب کیا ہے؟ کہ ہم کوئی غیر معمولی قوت رکھتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہم پر اترتی ہے۔ وہ انسانی ہدایت کے لیے ہمارے لیے رہنما ہے، ہم اسی کی روشنی میں تمہاری اصلاح کرنے کے لیے اٹھے ہیں تو ہمارا کام تمہیں ہدایت دینا ہے، غیر معمولی معجزات دکھانا نہیں۔ اس کی قدرت کا سررشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تو ہمارے ہاتھوں کسی بھی غیر معمولی معجزے کا صدور ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کا دارومدار اس کی مرضی اور اس کی مشیت پر ہے ہم تو صرف اس کے نمائندہ ہیں۔ اس لیے جب وہ چاہے گا تو تمہیں کوئی معجزہ اور نشانی دکھا دے گا۔ لیکن اس کا اظہار یقیناً ہمارے ذریعے سے ہوگا تاکہ پتہ چلے کہ ہم واقعی اس کے رسول ہیں۔

رسولوں (علیہ السلام) کی قوموں نے ہمیشہ اپنے پیغمبروں (علیہ السلام) کا تمسخر بھی اڑایا اور اذیتیں بھی پہنچائیں۔ اس لیے ان کی باتوں کا جواب دینے کے بعد ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ تم عجیب

وغریب مطالبات ہمیشہ زچ کرنے کے لیے کرتے ہو، ورنہ حقیقت تم سے بھی مخفی نہیں۔ یاد رکھو ہم تمہارے اس رویئے کی وجہ سے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی سے رکنے والے نہیں۔ ہم تمہاری ایذا رسانیوں پر صبر کریں گے۔ ہمارا سرمایہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔

﴿ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ﴾

اور ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں؟ حالانکہ اس نے ہماری رہنمائی کی ہے اور تم ہمیں جو بھی اذیتیں پہنچاؤ گے اس پر ہم صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

انبیاء کرام (علیہ السلام) ہر مصیبت اور مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے اور اپنے ماننے والوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھی کہ حالات جیسے بھی ہوں ہمیں اپنے رب پر ہی توکل کرنا چاہیے۔ اس عقیدہ اور تعلیم کا یہ اثر تھا کہ ان پر ایمان لانے والے حضرات بے پناہ مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود ظلم کرنے والوں کو کہتے کہ تم جو چاہو کر گزرو۔ ہمارا ایمان اور اعتماد ہے کہ ہمارا رب ہماری ضرور مدد فرمائے گا۔ ہم کیوں نہ اپنے رب پر توکل کریں جب کہ اس نے کفر و شرک اور بدعت و رسومات کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس لیے ہم صبر کریں گے اور وہ ایک

دوسرے کو یہی بات کہتے کہ ہمیں اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا: عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے پوچھا کہ مشرکوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سب سے سخت ایذا کون سی دی تھی؟ تو انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حطیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے اپنا کپڑا آپ کی گردن میں ڈالا اور آپ کا گلا زور سے دبایا، اتنے میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ آ گئے اور انھوں نے اس کا کندھا پکڑ کر اس کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے الگ کیا اور کہا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ) [المؤمن:۲۸] "کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے "میرا رب اللہ ہے۔"[1]

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ: سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھ پر (بطور کشف و مشاہدہ کے) امتیں پیش کی گئیں تو ایک ایک دو دو نبی گزرتے رہے اور ان کے ساتھ ان کے ماننے والے بھی گزرتے رہے، کوئی نبی ایسا بھی تھا کہ اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ اتنے میں اچانک ایک بڑا گروہ میرے سامنے ظاہر ہوا، میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ کیا یہ میری امت ہے؟ لیکن مجھے بتلایا گیا کہ یہ موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم ہے اور آپ افق کی طرف دیکھیں، (میں نے اس طرف دیکھا) تو ایک بہت بڑا گروہ تھا جو افق پر چھایا ہوا ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ ادھر ادھر آسمان کے دوسرے کناروں کی طرف دیکھو، میں نے دیکھا کہ ایک جماعت ہے جو تمام افق پر چھائی ہوئی ہے۔ مجھ سے کہا گیا، یہ آپ کی امت ہے اور اس کے ساتھ ستر ہزار آدمی ایسے

۱۔ [بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب ما لقی النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وأصحابہ من المشرکین بمکۃ: ۳۸۵۶]

ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور عذاب کے داخل ہونگے۔" آپ (یہ بیان کرنے کے بعد اپنی مجلس سے) اٹھے اور گھر تشریف لے گئے۔ لوگوں نے ان لوگوں کے متعلق بحث کرنا شروع کردی، جو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں جائیں گے۔ بعض نے کہا، شاید یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہوگا۔ بعض نے کہا، شاید یہ وہ لوگ ہوں گے جو اسلام میں پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انھوں نے کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ اس طرح انھوں نے (اپنے اپنے گمان کے مطابق) کئی چیزوں کا ذکر کیا۔ اتنے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واپس تشریف لے آئے۔ آپ نے پوچھا: "تم کس چیز میں بحث کر رہے تھے؟" انھوں نے آپ کو ساری بات بتلائی تو آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ خود جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور نہ کسی اور سے کرواتے ہیں اور نہ بدشگونی لیتے ہیں اور صرف اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔" (یہ سن کر) عکاشہ بن محصنؓ کھڑے ہوگئے اور کہا، اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ان میں سے کردے۔ آپ نے فرمایا: "تو ان میں سے ہے۔" پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا، میرے لیے بھی دعا فرمائیں، اللہ مجھے بھی ان میں سے کردے۔ آپ نے فرمایا: "عکاشہ اس معاملہ میں تجھ سے سبقت لے گیا ہے۔"[1]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کے لیے نکلے۔ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واپس ہوئے تو یہ بھی ان کے ساتھ واپس ہوئے۔ (راستے میں) صحابہ کو گھنے خاردار درختوں کی ایک وادی میں دوپہر کو نیند نے آلیا۔ چنانچہ رسول اللہ

۱۔ [بخاری، کتاب الطب، باب من اکتوی أوکوی غیرہ: ۵۷۰۵۔ مسلم، کتاب ال إیمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنۃ بغیر حساب: ۲۲۰]

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (آرام کرنے کے لیے) یہاں پڑاؤ کیا۔ صحابہ درختوں کے سائے کی تلاش میں ادھر ادھر بکھر گئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیکر کے ایک درخت کے نیچے (آرام کے لیے) گئے اور آپ نے اس کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا دی اور ہم سب تھوڑی دیر کے لیے سو گئے۔ پس اچانک (ہم نے سنا کہ) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں بلا رہے ہیں، (جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ) ایک دیہاتی آپ کے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا: "اس نے میری تلوار مجھ پر سونت لی، جب کہ میں سویا ہوا تھا۔ میں بیدار ہوا تو یہ اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا، آج تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا، اللہ۔" (آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین مرتبہ کہا کہ اللہ بچائے گا تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی) اور آپ نے اس دیہاتی کو کوئی سزا نہیں دی اور بیٹھ گئے۔ (۱)

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ ﴾

اور کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ یا تو ہم تم کو اپنے ملک سے باہر نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ۔ تو اللہ رب العزت نے ان کی طرف وحی بھیجی

۱۔ [بخاری، کتاب الجهاد، باب من علق سیفه بالشجر فی السفر: ۲۹۱۰۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب توکله علی الله تعالیٰ وعصمة الله تعالیٰ له من الناس: ۸٤۳، قبل الحدیث: ۲۲۸۲]

کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔

کافر جب تنگ ہوئے، کوئی حجت باقی نہ رہی تو نبیوں کو دھمکانے لگے اور دیس نکالنے سے ڈرانے لگے۔ قوم شعیب نے بھی اپنے نبی اور مومنوں سے یہی کہا تھا کہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ لوطیوں نے بھی یہی کہا تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے نکال دو۔ وہ اگرچہ مکر کرتے تھے لیکن اللہ بھی ان کے داؤ میں تھا۔ اپنے نبی کو سلامتی کے ساتھ مکہ سے لے گیا مدینے والوں کو آپ کا انصار و مددگار بنا دیا وہ آپ کے لشکر میں شامل ہو کر آپ کے جھنڈے تلے کافروں سے لڑے اور بتدریج اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترقیاں دیں یہاں تک کہ بالآخر آپ نے مکہ بھی فتح کر لیا اب تو دشمنان دین کے منصوبے خاک میں مل گئے ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی ان کی آرزوئیں پامال ہو گئیں۔ اللہ کا دین لوگوں کے دلوں میں مضبوط ہو گیا، جماعتوں کی جماعتیں دین میں داخل ہونے لگیں، تمام روئے زمین کے ادیان پر دین اسلام چھا گیا، کلمہ حق بلند و بالا ہو گیا اور تھوڑے سے زمانے میں مشرق سے مغرب تک اشاعت اسلام ہو گئی فالحمد للہ۔ یہاں فرمان ہے کہ ادھر کفار نے نبیوں کو دھمکایا ادھر اللہ نے ان سے سچا وعدہ فرمایا کہ یہی ہلاک ہوں گے اور زمین کے مالک تم بنو گے۔ جیسے فرمان ہے کہ ہمارا کلمہ ہمارے رسولوں کے بارے میں سبقت کر چکا ہے کہ وہی کامیاب ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا اور آیت میں ہے آیت (كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝21) 58 ۔ المجادلة : 21) اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ہی غالب آئیں گے، اللہ قوت والا اور عزت والا ہے۔ اور آیت میں ارشاد ہے کہ ذکر کے بعد زبور میں بھی یہی تحریر ہے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا کہ تم اللہ سے مدد طلب کرو، صبر و برداشت کرو، زمین اللہ ہی کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے

چاہے وارث بنائے انجام کار پرہیز گاروں کا ہی ہے۔اور جگہ ارشاد ہے۔آیت (وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۱۳۷۔) ۷۔ الاعراف: 137) ضعیف اور کمزور لوگوں کو ہم نے زمین کی مشرق ومغرب کا وارث بنادیا جہاں ہماری برکتیں تھیں بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے ہمارا ان سے جو بہترین وعدہ تھا وہ پورا ہوگیا ان کے دشمن فرعون اور فرعونی اور ان کی تمام تیاریاں سب یکمشت خاک میں مل گئیں۔نبیوں سے فرمادیا گیا کہ یہ زمین تمہارے قبضے میں آئے گی یہ وعدے ان کے لیے ہیں جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہیں اور میرے ڈراوے اور عذاب سے خوف کھاتے رہیں۔جیسے فرمان باری ہے آیت (فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۳۷ۙ) ۷۹۔النازعات: 37)،یعنی جس نے سرکشی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔اور آیت میں ہے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف جس نے کیا اس کے لیے دوہری جنتیں ہیں۔

﴿ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۱۴ ﴾

اوران کے بعد ہم تمہیں اس ملک میں ضرور آباد کریں گے، یہ (وعدہ) ہر اس شخص کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے میرے عذاب سے خوف کھایا۔

عنقریب ہم تمہارے مخالفین کو ہلاک کردیں گے اور ان کی جگہ ان لوگوں کو لا کھڑا کریں گے جو تمہارے

دین کو ماننے والے ہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لا چکے ہیں اور یہ وعدہ ہر اس شخص کیلئے ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعد سے خائف ہے گویا رمایا کہ یہ کامرانی کا مژدہ ان تمام لوگوں کیلئے ہے جن کے دل روز محشر میرے روبرو حاضر ہونے سے ہر لحاظ خائف وترساں رہتے ہیں اور یہ تصور ان کو میری نافرمانی سے روکتا ہے اور میری اطاعت وفرماں برداری پر انہیں ثابت قدم رکھتا ہے یہی کامیاب وکامران ہوں گے اور انہی کے دشمنوں کیلئے ناکامی ونامرادی ہے۔ ابھی ابھی فتح و نصرت کا وعدہ حضرات انبیاء سے تھا کہ تمہارے مخالفین تمہارے سامنے نیست ونابود کئے جائیں گے اور سرفرازی وسربلندی تم کو نصیب ہوگی معابعد اس وعدہ کا دائرہ وسیع کر کے اسے ہر مومن کیلئے عام کر دیا گیا ہے اور مومن کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ موقف حشر کی حاضری اور اللہ کی وعید کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہے۔

﴿ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ ﴾

اور (رسولوں نے) فتح مانگی اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہر سرکش ضدی نامراد رہ گیا۔(۱۵) اس کے پیچھے جہنم ہے۔ اور اسے وہاں پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔(۱۶) جس کو وہ

گھونٹ گھونٹ کر پیئے گا اور اس کو گلے سے اتار نہ سکے گا اور ہر طرف سے اسے موت آ رہی ہوگی مگر وہ مرے گا نہیں۔ اور اس کے پیچھے سخت عذاب ہوگا۔ (۱۷)

وَاسْتَفْتَحُوْا کا فاعل کون ہے؟

وَاسْتَفْتَحُوْا کا فاعل انبیائے کرام بھی ہو سکتے ہیں اور کفار بھی۔ انبیائے کرام کے فاعل ہونے کی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ جب کفار کی جانب سے اذیت رسانیوں کا سلسلہ نا قابل برداشت حد کو پہنچ جاتا ہے اور کفار انبیائے کرام کو دق کرنے کے لیے بار بار عذاب لانے کا مطالبہ بھی کرنے لگتے ہیں تو انبیائے کرام پر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ جب وہ ان کے ایمان سے مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہمارے اور ان کافروں کے درمیان فیصلہ فرما دے یعنی ان پر وہ عذاب نازل فرما جس کے یہ مستحق ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں انبیائے کرام کی دعا نقل کی گئی ہے رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ (الاعراف ۸۹) اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔ ایسی صورتحال میں اللہ تعالیٰ پیغمبروں (علیہ السلام) کی دعا قبول فرماتے ہوئے انھیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہجرت کا حکم دیتا ہے اور مخالفین پر عذاب نازل فرما دیتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وَاسْتَفْتَحُوْا کا فاعل کفار ہوں۔ اور کفار اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگتے ہیں کہ یا اللہ اگر یہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے ہیں تو آپ ہم پر عذاب نازل فرمایئے، جس سے یہ بات کھل جائے کہ ہم جھوٹے تھے اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے۔

چنانچہ ان دونوں میں سے صورت کوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ معاملہ کچھ بھی ہو اور دعا کسی جانب سے بھی مانگی گئی ہو اس کی قبولیت کے بعد حق و باطل کے فیصلے کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ حق کو غالب کر دیا گیا اور باطل کو مغلوب کر دیا گیا۔ اہل باطل اس طرح عذاب کا شکار ہوئے کہ ان میں سے ایک ایک شخص جو اپنے آپ کو جبر کی تصویر سمجھتا تھا اور جس نے حق کی دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، ان سب کو نامرادی کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان کی دنیا تباہ کر دی گئی، رسوائیاں ان کا مقدر بن گئیں اور یہ لوگ دنیا میں عبرت کا نشان بن گئے۔ لیکن اسی پر بس نہیں، ابھی آخرت کا عذاب ان کے انتظار میں ہے جہاں انھیں جہنم میں پھینکا جائے گا اور جب پیاس کی شدت سے یہ جان کنی میں مبتلا ہوں گے تو انھیں خون اور پیپ ملا پانی پینے کو دیا جائے گا۔ شدتِ پیاس سے ایک ایک گھونٹ کر کے اسے پینے کی کوشش کریں گے لیکن ان سے نگلا نہیں جائے گا۔ موت کے اسباب ہر طرف سے ان کی طرف بڑھ رہے ہونگے۔ شدتِ عذاب جان لیوا ہوگی، آگ کی تپش اور جلن ہر چیز کو جلائے دے رہی ہوگی اور پیاس سے انتڑیاں ٹوٹ رہی ہوں گی اور یہ ان تمام ناقابل برداشت تکلیفوں سے نجات پانے کے لیے موت کی تمنا کریں گے لیکن انھیں موت نہیں آئے گی۔ اس شخص کی تکلیف اور اذیت کا کیا ٹھکانا ہے کہ جسے موت کے سوا کوئی چیز عذاب سے نجات دینے والی نہ ہو لیکن اسے موت بھی نہ آئے۔

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابراھیم: 16 کی تفسیر میں فرمایا: وہ پانی اس کے مونہہ کے قریب لایا جائے گا سو وہ اکو ناپسند کرے گا جب وہ اس کے زیادہ قرین کی جائے گا تو اس کا چہرہ جل جائے گا اور اس کے سر کی کھال گر جائے گی اور جب وہ اس کو پیئے گا تو وہ پانی اس کی انتڑیاں کاٹ دے گا حتی کہ اس انتڑیاں اس کی سرین سے نکل جائیں گی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ (محمد:۱۵) ان کو کھولتا ہو پانی پلایا جائے گا تو وہ ان کی انتڑیاں کاٹ دے گا۔

وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ (الکھف:۲۹) اور اگر وہ پیاس کی وجہ سے فریاد کریں تو اس پانی سے ان کی فردرسی کی جائے گی جو پگھلتے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلادے گا سو وہ کیسا برا پینا ہے۔ [1]

دوزخیوں کے عذاب کی کیفیت اور ان پر موت کا نہ آنا

اس بعد فرمایا: اور اس ہر جگہ سے موت گھیرے گی اور وہ مرے گا نہیں۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ نے لکھا ہے اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں۔

(۱) عطا نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا اس کے جسم کے ہر بال سے موت اس کو گھیر لے گی، سفیان ثوری نے کہا اس کی ہر رگ سے اس کو موت گھیر لے گی ابن جریج نے کہا اس کی روح اس کے نرخرہ پر پہنچ کر رک جائے گی اور اس کے منہ سے نہیں نکلے گی حتی کہ وہ مر جائے گا اور نہ واپس جائے گی تا کہ اس کو راحت ملے۔

(۲) حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ موت اس کو ہر جہت سے گھیر لے گی اوپر سے نیچے سے دائیں سے بائیں سے آگے سے اور پیچھے سے۔

(۳) اخفش نے کہا دوزخ میں کافر پر جو مصائب اور بلائیں آئیں گی ان کو موت سے تعبیر فرمایا ہے۔ [2]

۱۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:2583، مسند احمد ج5 ص265، المعجم الکبیر رقم الحدیث:7460)

۲۔ (زاد المسیر ج4 ص354۔353، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، 1407ھ)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اہل جنت سے کہا جائے گا ہمیشہ رہنا ہے موت نہیں ہے۔ اور دوزخ والوں سے کہا جائے گا اے دوزخ والو! ہمیشہ رہنا، موت نہیں ہے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخ والے دوخ میں چلے جائیں گے تو موت کا لایا جائے گا حتی کہ اسے جنت کے اور دوزخ کے درمیان میں رکھ دیا جائے گا پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا پھر ایک منادی ندا کرے گا اے جنت والو! موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو! موت نہیں ہے پھر جنت والوں کو خوشی بہت بڑھ جائے گی اور دوزخ والوں کا غم بہت زیادہ ہو جائے گا۔ (۲)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک گردن قیامت کے دن دوزخ سے نکلے گی، اس کی دو آنکھیں ہوں گی کہ دیکھتی ہوں گی اور دو کان ہوں گے کہ سنتے ہوں گے اور ایک زبان کہ بولتی ہوگی، وہ کہے گی کہ میں تین قسم کے لوگوں کے لیے مقرر ہوئی ہوں، ایک جبار و سرکش، دوسرے جس نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا اور تیسرے مصور لوگ۔" (۳)

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث مسند احمد رقم الحدیث: 8516، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث 7449)

۲۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 6548، صحیح مسلم رقم الحدیث: 2850، مسند احمد رقم الحدیث 6138)

۳۔ [ترمذی، کتاب صفۃ جہنم، باب ماجاء فی صفۃ النار: ۲۵۷۴۔ مسند أحمد: ۳۳۶/۲، ح: ۸۴۵۱]

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ
جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (یہ ہے کہ) جیسے راکھ کا ڈھیر کہ آندھی کے دن ہوا لے اڑے، جو کچھ انہوں نے (اپنے اعمال کے ذریعہ سے) کمایا ہے اس میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آئے گا۔ یہی گمراہی کی حالت ہے جو بڑی ہی گہری گمراہی ہے۔ (۱۸) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔ (۱۹) اور یہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ (۲۰)

ان آیات میں اول تو کافروں کے ان اعمال کا باطل ہونا بیان فرمایا جنہیں دنیا میں نیکی سمجھ کر کرتے ہیں مثلاً صلہ رحمی کردی مہمانوں کو کھانا کھلا دیا مجبور و پریشان حال آدمیوں کی مدد کردی وغیرہ ذالک ارشاد فرمایا ان کے یہ اعمال آخرت میں بے حیثیت ہوں گے ان کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں ملے گا ان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی راکھ پڑی ہوئی ہو جسے خوب تیز آندھی اڑا کر لے جائے اول تو راکھ یوں ہی

بے حیثیت ہے پھر کسی جگہ اس کا ڈھیر بنا ہوا ہو پھر اسے آندھی نے اڑا کر ادھر ادھر منتشر کر دیا، نظروں کے سامنے جو اس کا ذرا سا وجود تھا وہ بھی نہ رہا اسی طرح کافروں کے ان اعمال کو سمجھ لیا جائے جو دنیا میں نیکیوں کے عنوان سے کرتے تھے، یہ اعمال قیامت کے دن بیکار ہوں گے اور ان اعمال کا کوئی فائدہ نہ ملے گا نہ ثواب ملے گا نہ عذاب سے چھٹکارہ۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ سائل کے اس سوال کا جواب ہے کہ کافروں کا یہ حال کیوں ہوگا جو گزشتہ آیت میں مذکور ہوا جبکہ انہوں نے دنیا میں کچھ نیک اعمال بھی کیے تھے اس کا جواب دیدیا کہ ان کے ان اعمال کی قیامت کے دن کوئی حیثیت نہ ہوگی اور کوئی قیمت نہ اٹھے گی ان کا یہ سمجھنا کہ ان اعمال پر ہمیں کچھ ملے گا یا ان اعمال کی وجہ سے ہم ہدایت پر ہیں یہ ضلال بعید ہے یعنی دور کی گمراہی ہے۔ سورہ فرقان میں فرمایا (وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا) (اور ہم ان کے ان کاموں کی طرف جو کہ وہ کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار)

سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ مومن پر (اس کی) نیکی کے معاملہ میں ذرا سا بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اس کو اس کی نیکی کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جائے گا اور آخرت میں بھی دیا جائے گا اور کافر نے جو عمل اللہ کے لیے کیے ہوں گے تو اس کو ان (نیک) اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں ہوگی کہ جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے روز قیامت جسموں کے دوبارہ پیدا کرنے کے بارے میں اپنی قدرت کا ذکر کرتے

---

[1] [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب جزاء المؤمن بحسناتہ فی الدنیا والآخرۃ۔۔الخ: ۲۸۰۸]

ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا جو انسانوں کے پیدا کرنے کی نسبت زیادہ بڑی بات ہے۔ وہ ذات گرامی جس نے ان بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ، بے حد و حساب، وسیع و عریض اور عظیم الشان آسمانوں کو پیدا فرمایا، پھر اس نے ان میں مختلف حرکات کے حامل سیاروں اور دیگر بیشمار روشن نشانیوں کو پیدا کیا، پھر اس زمین کو پیدا فرمایا جسے اس نے بچھونے کی طرح ہموار بنایا اور کہیں ناہموار کر دیا اور کہیں اس میں میخوں کی طرح پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں میدانوں، صحراؤں، جنگلوں، دریاؤں، سمندروں، درختوں، نباتات اور حیوانات کے مختلف انواع و اقسام، متعدد فوائد اور بیشمار شکلوں اور رنگوں سے مزین سلسلے پیدا فرما دیے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے؟۔

حضرت ابوسعیدؓ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال کی فراوانی عطا کی تھی۔ جب اس کا آخری وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں تمہارے لیے کیسا باپ ہوں؟ انہوں نے کہا بہترین! اس نے کہا کہ میں نے کبھی نیک عمل نہیں کیا۔ جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا کر میری راکھ ہواؤں میں اڑا دینا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کر کے دریافت فرمایا۔ تجھے ایسا کرنے پر کس بات نے ابھارا تھا؟ وہ کہنے لگا آپ کے ڈر نے! اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت میں لے لیا۔"[1]

﴿ وَبَرَزُوا لِلّٰهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا

---

[1]۔[رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء]

كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾

اور جب یہ سب کے سب لوگ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے تو کمزور لوگ ان لوگوں سے جو (دنیا میں) بڑے بنے ہوئے تھے، کہیں گے ہم تو تمہارے پیتابع تھے (بتاؤ آج) آپ اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے ہمارے کچھ کام آسکتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اللہ ہمیں ہدایت دے دیتا تو ہم تمہیں بھی دے دیتے۔ اب ہم خواہ بیقراری کریں یا صبر سے رہیں ہمارے لیے (دونوں) یکساں ہیں۔ بہرحال ہمارے لیے نجات کی کوئی جگہ نہیں۔

امام ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ دوزخ والے بعض بعض سے کہیں گے آجاؤ ہم روئیں اور تضرع اور زاری کریں اللہ تعالیٰ کی طرف کیونکہ جنت والوں نے جنت کو پایا اپنے رونے سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع اور زاری تو وہ روئیں گے جب اس کو دیکھیں گے کہ کوئی ان کو نفع نہیں ہوا تو کہیں گے آجاؤ ہم صبر کریں کیونکہ جنت والوں نے صبر کیا ساتھ جنت کو پایا تو صبر کریں گے مگر اس کی مثل صبر نہیں دیکھا گیا مگر ان کو یہ صبر کرنا نفع نہیں دے گا اس وقت وہ کہیں گے

(آیت) "سواء علینا اجزعنا ام صبرنا مالنا من محیص"۔

امام ان ابی حاتم، طبرانی اور ابن مردویہ نے کعب بن مالکؓ سے ایک مرفوع حدیث میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کیا ان چیزوں میں سے جن کے بارے میں وہ گمان کرتے ہیں (آپ کی طرف سے) اللہ تعالیٰ کے اس قول (آیت) "سواء علینا اجزعنا ام صبرنا مالنا من محیص" کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ دوزخ والے کہیں گے آجاؤ چاہیے کہ ہم صبر کریں تو وہ لوگ پانچ سال تک صبر کریں گے جب وہ اس کو دیکھے گے کہ ان کو اس بات کا نفع نہیں دیا تو وہ کہیں گے آجاؤ چاہیے کہ ہم بے صبری کریں تو وہ پانچ سو سال تک روئیں گے اور جب دہ دیکھیں گے کہ ان کو اس بات کا نفع نہیں دیا تو وہ کہیں گے (آیت) "سواء علینا اجزعنا ام صبرنا مالنا من محیص"

امام ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ بعض سے کہیں گے کہ جنتی لوگ اللہ کی بارگاہ میں رونے اور فریاد کرنے کی وجہ سے جنت میں پہنچے ہیں آؤ ہم مل کر روئیں اور فریاد کریں شاید ہمیں جنت مل جائے وہ روتے اور فریاد کرتے رہیں گے پھر جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے رونے سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تو وہ کہیں گے جنتی لوگ مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے جنت میں پہنچے ہیں آؤ ہم صبر کرتے ہیں پھر وہ صبر کریں گے لیکن اس پر بھی کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوگا پھر وہ کہیں گے کہ خواہ ہم روئیں یا صبر کریں ہم کو عذاب سے نجات ملے گی۔[1]

﴿ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ

---

[1]۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 15638، مطبوعہ دار الفکر بیروت 1415ھ)

الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ
سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ
وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ
اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا کہ بیشک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا بالکل سچا وعدہ تھا اور میں نے تم سے جو (طرح طرح) کے وعدے کئے تھے ان میں میں نے تم لوگوں سے قطعی طور پر جھوٹ بولا تھا، مگر میرا تم پر کسی طرح کا کوئی زور نہیں تھا، سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا، اور تم نے میری بات مان لی، لہٰذا اب تم مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ خود اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری کوئی فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری، میں خود تمہارے اس کردار بد کا قطعی طور پر منکر ہوں کہ تم نے اس سے قبل مجھے شریک بنائے رکھا تھا، بیشک ایسے ظالموں کے لیے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔

لما قضی الامر کا معنی یہ ہے کہ جنتیوں کو جنت حاصل ہو جائے گی اور دوزخیوں کو دوزخ جس طرح کہ سورہ مریم میں اس کا بیان آئے گا۔ ان اللہ وعدکم وعد الحق اس سے مراد بعث بعد الموت، جنت، دوزخ، اطاعت گزار کا ثواب اور نافرمانی کی سزا کا وعدہ ہے پس اس نے اپنے وعدے کو تمہارے سامنے سچ کر دکھایا ہے، اور میں نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا کہ بعث بعد الموت نہیں ہوگا، نہ جنت ہوگی، نہ دوزخ، نہ ثواب اور نہ عقاب ہوگا سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔

شیطان سے مراد ابلیس ہونا

ہر چند کہ شیطا کا لفظ کے تمام افراد کو شامل ہے لیکن اس آیت میں شیطان سے مراد ابلیس ہے۔

امام ابن جریرؒ متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں یہ قیامت کے ابلیس کا قول ہے وہ کہے گا کہ نہ تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو نہ میں تمہیں نفع پہنچا سکتا ہوں اور تم نے اس سے پہلے جو مجھے شریک بنایا تھا اور میری عبادت کی تھی میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ [1]

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اولین آخرین کو جمع فرمائے گا اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ان فیصلہ سے فارغ ہو جائے، تو مومنین کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر کے فارغ ہو چکا ہے پس ہمارے رب کے پاس ہماری شفاعت کون کرے گا؟ چلو حضرت آدمؑ کے پاس چلیں وہ ہمارے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان سے کلام کیا پس وہ حضرت آدم کے پاس جا کر ان سے کلام کریں گے اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے وہ کہیں گے تم نوح کے پاس جاؤ وہ حضرت نوحؑ کے پاس جائیں

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث 15644، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

گے وہ ان کی حضرت ابراھیم کی طرف رہنمائی کریں گے وہ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے وہ ان کی حضرت موسیٰ کی طرف رہنمائی کریں گے وہ کہیں گے میں نبی امی کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں پھر وہ میرے پاس آئیں گے پھر اللہ تعالیٰ مجھے کھڑے ہونے کا اجازت دے گا اور وہ مجلس اتنی پاکیزہ خوشبو سے معطر ہوجائے گی کہ اس سے پہلے کسی نے ایسی خوشبو نہ سونگھی ہوگی۔ پھر میں اپنے تبارک وتعالی کے سامنے حاضر ہوں گا پس اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور میرے سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخنوں تک کو منور کر دے گا پھر کفار کہیں گے کہ مومنوں نے تو اپنی شفاعت کرنے والوں کا پالیا ہمارے لیے شفاعت کون کرے گا پھر وہ کہیں گے وہ ابلیس کے سوا اور کون ہوسکتا ہے جس نے سب کو گمراہ کیا تھا، پھر وہ اس کے پاس جا کر کہیے گے مومنوں نے تو اپنے شفاعت کرنے والے کو پالیا، اب اٹھوں تم ہماری شفاعت کرو۔ کیونکہ تم نے ہمیں گمراہ کیا تھا وہ اٹھ کر کھڑا ہوگا تو اس مجلس میں اتنی سخت بدبو پھیل جائے گی کہ ایسی بدبو کسی نے کبھی نہ سونگھی ہوگی پھر وہ ان کو جہنم میں لائے گا اور اس وقت کہے گا بیشک اللہ نے تم سے جو عدہ کیا تھا وہ برحق تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا میں نے اس کے خلاف کیا۔ ①

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: (اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ) [الانعام: ۸۲] "وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں" تو مسلمانوں پر یہ آیت بڑی شاق گزری، انھوں نے کہا، اے اللہ کے

ا۔ (المعجم الکبیر ج17 ص321، 220، رقم الحدیث: 887، جامع البیان رقم الحدیث 1564، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 1225 الجامع لاحکام القرآن جز9 ص311، التذکرہ ج381، تفسیر ابن کثیر ج2 ص585، روح لمعانی جز13 ص301)

رسول! ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو؟ اس پر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ظلم سے یہ (عام گناہ) مقصود نہیں (جو تم نے سمجھ لیے ہیں) بلکہ اس سے مراد شرک ہے، کیا تم نے لقمان (علیہ السلام) کا وہ قول جو انھوں نے اپنے بیٹے سے کہا تھا، نہیں سنا، جب وہ اسے نصیحت کر رہے تھے: (يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ) [لقمان:۱۳] "اے میرے چھوٹے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بیشک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔"[1]

﴿ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ ﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ ایسی جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کی ملاقات کا تحفہ سلام ہوگا۔

قرآن کریم نے اپنے اسلوب کے مطابق پہلے کفار، مشرکین اور معصیت کاروں کا انجام بیان فرمایا۔ اب ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا جا رہا ہے جنھوں نے دنیا میں ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کیا۔ وہ

۱۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (ولقد آتینا لقمٰن الحکمۃ)۔۔الخ: ۳۴۲۹۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب صدق الإیمان وإخلاصہ: ۱۲۴]

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آخرت پر ایمان لائے۔ اور ہر اس بنیادی عقیدے کو مانا جسے ماننے کا اسلام حکم دیتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت پر پوری طرح عمل کر کے دکھایا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کی بجائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کو ہمیشہ اپنا مقصد جانا۔ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات گرامی کو اپنا آئیڈل اور اپنا محبوب سمجھا اور دنیا کی ہزاروں ترغیبات کے باوجود کبھی اسلامی شریعت سے سرمو ہٹنا پسند نہ کیا۔ ان کے لیے قیامت کے دن ایسے محلات ہوں گے جو باغوں میں گھرے ہوئے اور جن کے نیچے سے ندیاں بہتی ہوں گی۔ اور جس کی خوش عیشی، خوش باشی اور سرسبزی کا تصور بھی اس دنیا میں ممکن نہیں۔ وہاں وہ چند روز کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ وہ ان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کی قیام گاہ ہوگی جہاں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے شاہی مہمان کی طرح ٹھہریں گے اور وہاں ان تمام نعمتوں سے شادکام ہونے والے وہ تنہا نہیں ہوں گے بلکہ اور بھی بیشمار افراد ہوں گے لیکن حیرانی کی بات ہے کہ اتنی بڑی تعداد ہونے کے باوجود ہر ایک کے دل میں دوسروں کے لیے درازیٔ عمر اور سلامتی کی دعائیں ہوں گی۔ جب وہ بھی ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو بے ساختہ ایک دوسرے کی سلامتی کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست گزار ہونگے۔

حضرت عمران بن حصینؓ کا بیان ہے کہ ایک آدمی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اس نے السلام علیکم کہا۔ آپ نے فرمایا دس نیکیاں ہیں۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس کیلیے بیس نیکیاں ہیں پھر تیسرا آدمی آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ

اللہ وبرکاتہ کہا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس کیلیے تیس نیکیاں ہیں۔ [1]

حضرت ابو ہریرہؓ ذکر کرتے ہیں کہ رسول معظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا۔ ان کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق سے فارغ ہوا تو حکم فرمایا: آدم اس جماعت کے پاس جا کر سلام کہو۔ وہ فرشتوں کی مجلس ہے۔ وہ جو جواب دیں اسے سنو، وہی جواب تیرا اور تیری اولاد کا ہوگا۔ جب حضرت آدم (علیہ السلام) نے جا کر السلام علیکم کہا تو انہوں نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ سے جواب دیا۔ نبی محترم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں: جنت میں داخل ہونے والا ہر شخص آدم (علیہ السلام) کی شکل وصورت پر ہوگا اور ہر جنتی کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔ لیکن حضرت آدم (علیہ السلام) کے بعد انسانی قد میں مسلسل کمی ہوتی رہی یہاں تک کہ انسان کا قد اتنا رہ گیا۔" [2]

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ
اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ
حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨ اجْتُثَّتْ

۱۔ [رواہ الترمذی: باب ماذکر فی فضل السلام]

۲۔ [رواہ مسلم: کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا وأہلہا، باب یدخل الجنۃ أقوام أفئدتہم مثل أفئدۃ الطیر]

مِنۡ فَوۡقِ الۡاَرۡضِ مَا لَهَا مِنۡ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی کلمہ طیبہ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔(۲۴) وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل پیدا کرتا رہتا ہے اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔(۲۵) اور ناپاک بات (کلمہ خبیثہ) کی مثال اس ناپاک درخت کی سی ہے جسے زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے، اس کے لیے کچھ بھی قرار نہ ہو۔(۲۶)

شجرہ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہے

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین اور کفار کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کلمہ طیبہ سے مراد لا الا اللہ ہے اور شجر طیبہ سے مراد مومن ہے اور مجاہد، عکرمہؒ نے کہا کہ شجرہ سے مراد کھجور کا درخت ہے اور اس آیت کا یہ معنی ہوسکتا ہے کہ مومن کے قلب میں کلمہ کی جڑ ہے اور ایمان ہے، جس طرح کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں اسی طرح ایمان مومن کے سینہ میں راسخ ہوتا ہے، اور جس طرح کھجور کی شاخیں اوپر کی جانب بلند ہوتی ہیں، اسی طرح مومن کے نیک اعمال کو فرشتے اوپر کی جانب لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو ان نیک اعمال پر ثواب عطا فرماتا ہے اس کو کھجور کے پھلوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تازہ کھجوروں کا ایک خوشہ لایا گیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی: مَثَلا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (۲۴) تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ (ابراھیم:۲۵) آپ نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے پھر آپ نے پڑھا: وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (ابراھیم:۲۶) آپ نے فرمایا اس سے مراد حنظلہ (اندرائن کڑوا پھل) ہے۔ [1]

نیز حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایمان کی مثال اس درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط ہیں ایمان اس کی جڑیں ہیں نماز اس کی اصل ہے زکوۃ اس کی شاخیں ہیں، روزے اس کے پتے ہیں اللہ کی راہ میں تکلیف اٹھانا اس کی روئیدگی ہے اچھے اخلاق (بھی) اس کے پتے ہیں اور حرام کاموں سے بچنا اس کے پھل ہیں۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ بے ہودہ اور بے حیائی کی باتیں کرنے والے سے بغض رکھتا ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے جب تک امین کو خائن نہ قرار دیا جائے اور خائن کو امین نہ سمجھا جائے اور بے ہودگی اور بے حیائی کا ظہور نہ ہوجائے اور رشتوں کو قطع نہ کیا جائے اور برے پڑوس نہ ہوں اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے بیشک مومن کی مثال سونے کے ٹکڑے کی طرح ہے اس کا مالک اس پر پھونک مارے تو اس میں کوئی تغیر نہیں

۱۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:3119، مسند ابویعلی رقم الحدیث:4165، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:475، المستدرک ج2 ص352)

۲۔(الجامع الاحکام القرآن جز9 ص314، مطبوعہ دار الفکر، 1415ھ)

ہوتا ہے نہ کمی ہوتی ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے مومن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے جس کا پھل پاکیزگی کے ساتھ کھایا جاتا ہے اور پاکیزگی کے ساتھ رکھا جاتا ہے اور وہ گر جائے تو ٹوٹتا ہے نہ خراب ہوتا ہے۔ [1]

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مومن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے اگر تم مومن کو اپنا ساتھی بناؤ گے تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس سے مشورہ کرو گے تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس کے پاس بیٹھو گے تو وہ تم کو نفع دے گا اس کے ہر حال میں نفع ہے اسی طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز میں نفع ہے۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہ؛ ے مجھے بتاؤ وہ کونسا درخت ہے لوگو جنگل کے درختوں کے متعلق سوچنے لگے حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا میرے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے پس مجھے (بزرگوں کے سامنے لب کشائی کرنے سے) حیا آئی پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں بتایئے وہ کونسا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔ [3]

شجر طیبہ سے مراد شجر معرفت ہے

امام رازیؒ نے فرمایا ہے: شجرہ طیبہ سے مراد شجر معرفت ہے اس کی اصل ثابت ہونے سے مراد یہ ہے کہ

۱۔ (مسند احمد ج2 ص119، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: 6872، عالم الکتب)

۲۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: 9072، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 1410ھ)

۳۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 61، صحیح مسلم رقم الحدیث 2811، السنن الکبرا اللنسائی رقم الحدیث 11261، مسند احمد رقم الحدیث: 4599)

مومن کے دل پر اللہ کی تجلیات وارد ہوتی ہے اور آسمان میں اس کی شاخیں ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرتا ہے اور اللہ کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے ان پر رحم کرتا ہے ان کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے ان سے شر کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان خیر ان تک پہنچانے کی سعی کرتا ہے اور وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے اس سے مراد ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تلاش کرتا ہے اس کے احکام کو سن کر اس پر عمل کرتا ہے اور ہر حال میں حق بات بیان کرتا ہے اور پھر اس مقام سے ترقی کرتا ہے اور جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی ذات کی تجلیات کو دیکھتا ہے اور پھر اس مقام سے بھی ترقی کرتا ہے اور پھر اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ کسی نعمت کے ملنے پر اس نعمت کی وجہ سے خوش نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ اس کو یہ نعمت اللہ کی طرف سے ملی ہے ہماری اس تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مثال عالم القدس حضرت الجلا اور کبریائی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے مزید ہدایت اور رحمت کا سوال کرتے ہیں بعض علماء نے کہا درخت میں تین چیزیں ہوتی ہیں: اس کی جڑیں اس کا تنا اور اس کی شاخیں اسی طرح ایمان کے بعد ارکان ہیں تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالابدان۔ [1]

ناپاک کلمہ اور ناپاک درخت کا مصداق اور وجہ مشابہت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نے فرمایا: اور ناپاک کلمہ (بات) کی مثال اس ناپاک درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا اور اس کے لیے ثبات نہیں۔

ناپاک کلمہ سے مراد شرک ہے اور ناپاک درخت سر مراد حنظل ہے یعنی اندرائن، یہ بہت کڑوے پھل کا

ا۔ (تفسیر کبیر ج 7 ص 90۔92، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، 1415ھ)

درخت ہے۔ ①

امام عبدالرحمن جوزی متوفی 593ھ نے لکھا ہے کہ اس ناپاک درخت کی تفسیر میں پانچ اقوال ہیں:

(1) حضرت انس بن مالکؓ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حنظلہ ہے اور حضرت انس اور مجاہدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

(2) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ناپاک درخت سے مراد کافر ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کافر کا عمل مقبول نہیں ہوتا اور اس کے اعمال اللہ کی طرف نہیں چڑھتے پس اس کی جڑ زمین میں مضبوط ہے نہ آسمان میں اس کی شاخیں ہیں

۔(3) ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد الکشوثی ہے یہ ایک ایسی گھاس ہے جس کی شاخیں ہوتی ہیں اور جڑیں نہیں ہوتی۔

(4) حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد لہسن کا پودا ہے۔

(5) ابوالعالیہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ ایک مثل ہے اور ایسا کوئی درخت پیدا نہیں کیا گیا۔ ②

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص "لا الٰہ الا اللہ" کہہ لے اور اس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی نیکی ہوئی (یعنی ایمان ہوا) تو وہ دوزخ سے نکل آئے گا اور جو شخص "لا الٰہ الا اللہ" کہے اور اس کے دل میں گیہوں کے دانہ کے برابر بھی خیر ہوئی (یعنی ایمان ہوا) تو وہ بھی دوزخ سے نکل آئے گا اور جو شخص "لا الٰہ الا اللہ" کہے اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی خیر

۱۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:3119، مسند ابویعلی رقم الحدیث:4165)

۲۔(زادالمسیر ج4 ص361، 360، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1407)

ہوئی (یعنی ایمان ہوا) تو وہ بھی دوزخ سے نکل آئے گا۔"[1]

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ۔۔ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا : یعنی یہ مومن کے عمل سے عبارت ہے کہ اس کی بات پاکیزہ اور اس کا عمل صالح ہوتا ہے۔ مومن کھجور کے درخت کی مانند ہے کہ صبح وشام بلکہ ہر وقت اس کا عمل صالح آسمانوں کی طرف اٹھایا جاتا ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: "مجھے بتلاؤ! وہ کونسا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے، جس کے پتے نہیں جھڑتے، نہ سردیوں میں نہ گرمیوں میں، جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے۔" عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ درخت کھجور کا ہے، لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں سیدنا ابوبکرؓ ہیں، سیدنا عمرؓ ہیں اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپ ہو رہا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "وہ درخت کھجور کا ہے۔" جب یہاں سے اٹھ کر چلے تو میں نے اپنے باپ سیدنا عمرؓ سے یہ ذکر کیا، تو انھوں نے فرمایا، پیارے بیٹے! اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے تو تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا۔[2]

مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ تک سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ رہا، میں نے اس ایک (مذکورہ بالا) حدیث کے سوا ان سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کوئی اور حدیث نہیں سنی، اس میں ہے کہ یہ سوال آپ نے اس وقت کیا جب آپ کے سامنے کھجور کا ایک گھابا لایا گیا اور میں اس لیے

---

[1]۔[بخاری، کتاب الإیمان، باب زیادۃ الإیمان ونقصانہ۔۔الخ: ٤٤]

[2]۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (کشجرۃ طیبۃ أصلہا ثابت۔۔الخ): ٤٦٩٨۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب مثل المؤمن مثل النخلۃ: ٢٨١١]

خاموش رہا کہ اس مجلس میں بڑی عمر کے لوگ موجود تھے۔ [1]

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾

جولوگ ایمان لائے اللہ انہیں پختہ بات کے ساتھ قائم رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

قول ثابت (مضبوط قول) سے مراد کلمہ توحید ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کلمہ توحید کو قبول کر لیتے ہیں یعنی ایمان لاتے ہیں ان کو ایک مضبوط اساس فراہم ہوتی ہے۔ اس اساس پر ان کے عقائد میں مضبوطی، ان کے خیالات اور ان کے کردار میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کار زار حیات میں اللہ تعالیٰ انہیں استحکام اور ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور جب وہ قبر یعنی عالم برزخ میں پہنچتے ہیں تو وہاں بھی انہیں استقلال حاصل ہوتا ہے۔

اس آیت میں آخرت میں ثابت قدم رکھنے سے مراد قبر میں ثابت قدم رکھنا ہے۔ آخرت سے مراد قبر ہے کیونکہ قبر کا پہلا دن ہی آخرت کا پہلا دن ہے، جیسا کہ سیدنا براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب مومن کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتہ

۱۔ [بخاری، کتاب العلم، باب الفہم فی العلم: ۷۲۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب مثل المؤمن مثل النخلۃ: ۲۸۱۱/٤]

بھیجا جاتا ہے (فرشتے کے سوال پر) مومن گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔" بس یہی اللہ کے اس فرمان کا مطلب ہے: (يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ)۔"[1]

سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب بندہ اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے رخصت ہو جاتے ہیں اور وہ ابھی ان کی جوتیوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تو اس شخص یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق کیا کہتا ہے؟ مومن جواب دیتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کی طرف دیکھ، اللہ نے اس کے بدلے تجھے جنت عطا کی۔ وہ شخص یہ دونوں مقامات اکٹھے دیکھتا ہے۔ رہا منافق یا کافر تو اس سے جب پوچھا جاتا ہے کہ تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا تھا تو وہ کہتا ہے، میں نہیں جانتا، میں تو بس وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ اس سے کہا جاتا ہے، تو نے نہ کچھ سمجھا اور نہ (اچھے لوگوں کی) پیروی کی۔ پھر لوہے کے ہتھوڑوں سے اسے مارا جاتا ہے۔ تو وہ چیختا ہے اور اس کی چیخ کو سوائے جن وانس کے تمام چیزیں جو اس کے قریب ہوتی ہیں، سنتی ہیں۔"[2]

سیدہ اسماء بنت ابوبکر ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ قبر میں فتنہ دجال کے مثل یا (فرمایا) اس کے قریب قریب آزمائش ہوگی۔ تم میں سے ہر شخص کے پاس فرشتہ بھیجا جاتا ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے، اس آدمی یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۱۳۶۹۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار۔۔ الخ: ۲۸۷۱

۲۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۱۳۷٤۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ۔۔ الخ: ۲۸۷]

سے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ تو جو بندہ مومن یا (فرمایا جو) موقن ہوتا ہے، وہ کہتا ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، جو ہمارے پاس کھلی دلیل اور ہدایت کی باتیں لے کر آئے تو ہم نے اسے قبول کیا، ہم ایمان لائے اور ہم نے (ان کی) پیروی کی۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے، آرام سے سو جا، ہم جانتے تھے کہ تو موقن ہے۔ اور جو شخص منافق یا (فرمایا) شک کرنے والا ہوتا ہے وہ کہتا ہے، میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تھا وہی میں نے بھی کہہ دیا۔"[1]

سیدنا زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنونجار قبیلہ کے ایک باغ میں اپنے خچر پر سوار (چلے جا رہے) تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے کہ آپ کا خچر بدکا اور قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دے۔ وہاں چھ یا پانچ یا چار قبریں تھیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ان قبر والوں کو کون پہچانتا ہے؟" ایک شخص نے کہا، میں (پہچانتا ہوں)۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ کب مرے تھے؟" اس شخص نے کہا، شرک کے زمانہ میں مرے تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس امت کے لوگوں کی آزمائش بھی ان کی قبروں میں ہوگی۔ اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ قبر کا عذاب جو میں سنتا ہوں، تمہیں بھی سنا دے۔"[2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ فام عورت یا ایک جوان مرد مسجد کی خدمت کیا کرتا تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک دن اسے نہ دیکھا تو دریافت کیا، صحابہ نے کہا، وہ تو فوت

---

[1]۔ [بخاری، کتاب الکسوف، باب صلاۃ النساء مع الرجال فی الکسوف: ۱۰۵۳۔ مسلم، کتاب الکسوف، باب ما عرض علی النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فی صلاۃ الکسوف: ۹۰۵]

[2]۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار۔۔ الخ: ۲۸۶۷]

ہوگیا ہے۔آپ نے فرمایا:"تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔" گویا کہ انھوں نے اس معاملے کو اتنا اہم نہ سمجھا۔آپ نے فرمایا:"مجھے اس کی قبر بتاؤ۔" صحابہ نے آپ کو اس کی قبر بتادی۔آپ نے اس کی قبر پر نماز پڑھی اور پھر فرمایا:"یہ قبریں، قبر والوں پر اندھیرے سے بھری ہوئی ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان قبروں کو میری نماز کی وجہ سے ان کے لیے روشن کر دیتا ہے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:"جب قبر میں میت رکھ دی جاتی ہے یا فرمایا، تم میں سے کسی کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، تو اس کے پاس سیاہ فام نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں، ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔وہ دونوں اس سے کہتے ہیں، تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا، جو وہ (دنیا میں) ان کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔(یہ سن کر) وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں، ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہو گے۔پھر اس کی قبر میں (ہر طرف سے) ستر ستر ہاتھ کشادگی کر دی جاتی ہے اور اس میں روشنی کر دی جاتی ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے، سو جاؤ۔وہ کہتا ہے، کیا میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤں، تاکہ انھیں (اس بات کی) خبر دے دوں (کہ میں کامیاب ہوگیا)؟ وہ فرشتے کہتے ہیں، (نہیں!) تم اس طرح سو جاؤ جس طرح دلہن سوتی ہے، جسے سوائے اس کے محبوب کے کوئی نہیں جگاتا۔(پھر وہ اس قبر میں سویا رہتا ہے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے سونے کے مقام سے (قیامت کے دن) اٹھائے گا۔اور اگر وہ منافق ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے، میں نے جو کچھ لوگوں کو

۱۔[مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی القبر: ۹۵۶]

کہتے سنا میں بھی وہی کہتا رہا، میں نہیں جانتا (کہ وہ کون تھے) پھر وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں، ہم جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا۔ چنانچہ زمین سے کہا جاتا ہے کہ تو اس پر تنگ ہو جا، تو زمین اس کو اتنے زور سے بھینچتی ہے کہ اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں، پھر قبر میں اس کو برابر عذاب دیا جاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کو اس کے لیٹنے کی جگہ سے اٹھائے گا۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دو قبروں کے پاس سے گزرے، آپ نے فرمایا: "ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے کام کی وجہ سے ان پر عذاب نہیں ہو رہا۔" پھر فرمایا: "ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھایا کرتا تھا۔" پھر آپ نے ایک تازہ شاخ لی اور اسے دو ٹکڑے کیا اور ایک ایک ٹکڑا ہر قبر پر گاڑ دیا۔ لوگوں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: "شاید ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جائے، جب تک یہ دونوں شاخیں خشک نہ ہوں۔"[2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ دعا مانگا کرتے تھے: (اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ) "اے اللہ! میں تجھ سے عذاب قبر سے، دوزخ کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔"[3]

۱۔ [ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۱۰۷۱]

۲۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب الجریدۃ علی القبر: ۱۳۶۱]

۳۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر: ۱۳۷۷]

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا وَّاَحَلُّوۡا قَوۡمَهُمۡ
دَارَ الۡبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ؕ وَبِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوۡا
لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمۡ
اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ ﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا۔(۲۸) وہ تباہی کا گھر جہنم ہے جس میں (یہ سب ناشکرے) داخل ہوں گے اور وہ جہنم بہت بری قرارگاہ ہے۔(۲۹) اور انھوں نے اللہ کے لیے کچھ شریک بنا لیے ہیں تا کہ لوگوں کو اس کے راستے سے گمراہ کریں۔ آپ کہیے کہ (دنیا کی زندگی میں) تم فائدہ اٹھا لو پھر یقیناً تمہارا لوٹنا آگ ہی کی طرف ہے۔(۳۰)

شان نزول

الم تر الی الذین بدلوا نعمت اللہ کفرا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے بدلے کفر کیا یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان میں مبعوث فرمایا تو انہوں نے آپ کی تکذیب کرتے ہوئے کفر اختیار کر لیا، اس سے مراد قریش ہیں اور آیت انہیں کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن

عباسؓ اور حضرت علیؓ سے یہی مروی ہے۔

عقیدہ توحید اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس عقیدہ کے ذریعے انسان کو اپنے سوا سب کی محتاجی اور در در کی ٹھوکریں کھانے سے بچا لیتا ہے۔ اس سے نہ صرف انسان کو دینی اور دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں بلکہ انسان کی خودی اور غیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو شخص اس عظیم عقیدہ کو چھوڑ کر شرک اختیار کرتا ہے۔ وہ در در کی ٹھوکریں کھانے کے ساتھ اپنی خودی بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اس شخص کے کردار اور زیادتی کے بارے میں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا آپ نے ایسے لوگوں کے بارے میں غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت یعنی عقیدہ توحید کو کفر میں بدل ڈالا۔ نہ صرف خود گمراہ ہوئے بلکہ اپنے ساتھ اپنے خاندان اور قوم کو بھی ہلاکت کے گھر اتار دیا۔ ہلاکت کے گھر سے مراد جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے، ان کا ظلم یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنایا۔ ذاتی اور گروہی فائدے کی خاطر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کیا۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ان سے فرمائیں دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھا لو، لیکن یاد رکھو آخر میں تمہیں جہنم میں جانا ہے۔ ند کی جمع انداد ہے جس سے مراد ہر وہ ذات یا چیز جسے اللہ تعالیٰ کا ساجھی یا اسے اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک سمجھا جائے۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آیت: (اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا) سے مراد کفار مکہ ہیں۔ [1]

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کی روایت کیا ہے:

---

[1]۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (ألم تر إلى الذين بدلوا نعمت الله كفرا): ۴۷۰۰]

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: الذین یدلونعمۃ اللہ کفر، !اس مراد کفار قریش ہیں عمرو نے کہا وہ قریش ہیں اور اللہ کی نعمت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واحدوا قومھم دارالبوار، اس سے مراد دوزخ کی آگ ہے جو جنگ بدر کے نتیجہ میں ان کو ملی۔

حضرت حسن بصریؒ نے کہا: یہ تمام مشرکین کے متعلق عام حکم ہے۔ واحلوا قومھم یعنی انہیں اتارا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: یہ بدر والے دن مشرکین کی قیادت کرنے والے لوگ ہیں انہوں نے اپنی قوم کو اتارا یعنی جنہوں نے ان کی اتباع کی۔ دارالبوار ایک قول کے مطابق ابن زید کے نزدیک اس سے مراد جہنم ہے۔ ایک قول کے مطابق حضرت علی بن ابی طالبؓ اور مجاہدؒ کے نزدیک اس سے مراد بدر کا دن ہے۔

﴿ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿٣١﴾ ﴾

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیجئے میرے ان خاص بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز کا اہتمام رکھیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کریں۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تو کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک بنانے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ انھیں بتادیں کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اس لیے قرآن کے طریقہ کے مطابق اب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیا کہ وہ مومنوں کو کہہ دیں کہ تم لوگ نماز قائم کرو اور اللہ نے جو روزی دی ہے اس میں سے چھپا کر اور دکھلا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرو، یعنی زکوۃ ادا کرو، رشتہ داروں پر خرچ کرو اور غیروں کی بھی مدد کرو اور یہ کام اس دن کے آنے سے پہلے پہلے ہونے چاہئیں کہ جب کسی کی جانب سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ کوئی معاوضہ دے کر اللہ کے عذاب سے جانبر ہوجائے اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی کہ کوئی دوست اپنے دوست کے لیے اللہ کے یہاں سفارش کرے اور اسے عذاب سے نجات دلا دے۔

يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ: سیدنا معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمام کاموں کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔"[1]

سیدنا بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہمارے اور ان (کفار) کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے، لہٰذا جس نے نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔"[2]

وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً: یعنی مومنوں کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے، کبھی اعلانیہ تو کبھی پوشیدہ خرچ کرنا ان کا شیوہ ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

---

[1] ۔[ترمذی، کتاب الإیمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلوۃ:۲۶۱۶]

[2] ۔[ترمذی، کتاب الإیمان، باب ماجاء فی ترک الصلوۃ:۲۶۲۱]

يَحْزَنُوْن)[البقرة:٢٧٤] "وہ لوگ جو اپنے مال رات اور دن، چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں، سو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم گین ہونگے۔" اور فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۤءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ٢٦٤ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۤءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ)[البقرة:٢٦٤، ٢٦٥] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقے احسان رکھنے اور تکلیف پہنچانے سے برباد مت کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، تو اس کی مثال ایک صاف چٹان کی مثال جیسی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو، پھر اس پر ایک زوردار بارش برسے، پس اسے ایک سخت چٹان کی صورت چھوڑ جائے۔ وہ اس میں سے کسی چیز پر دسترس نہیں پائیں گے جو انھوں نے کمایا اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اور اپنے دلوں کو ثابت رکھتے ہوئے خرچ کرتے ہیں، اس باغ کی مثال جیسی ہے جو کسی اونچی جگہ پر ہو، جس پر ایک زوردار بارش برسے تو وہ اپنا پھل دوگنا دے، پس اگر اس پر زور کی بارش نہ برسے تو کچھ شبنم۔ اور اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو اسے خوب دیکھنے والا ہے۔" اور فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ

الظّٰلِمُوْن)[البقرۃ:۲۵۴] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے، میں تمام شریکوں سے زیادہ شرک سے مستغنی و بے پروا ہوں۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا کہ اس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرلیا تو میں اس کو بھی چھوڑ دیتا ہوں اور اس کے شرک کو بھی چھوڑ دیتا ہوں۔"[1]

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ: ارشاد فرمایا: (وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝۱۰ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝۱۱ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝۱۲ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝۱۳ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ)[المعارج :۱۰ تا ۱۴] "اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہیں پوچھے گا۔ حالانکہ وہ انھیں دکھائے جا رہے ہونگے۔ مجرم چاہے گا کاش کہ اس دن کے عذاب سے (بچنے کے لیے) فدیے میں دے دے اپنے بیٹوں کو۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو۔ اور اپنے خاندان کو، جو اسے جگہ دیا کرتا تھا۔ اور ان تمام لوگوں کو جو زمین میں ہیں، پھر اپنے آپ کو بچا لے۔" اور فرمایا: (اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ)[الزخرف:۶۷] "سب دلی دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی لوگ۔"

۱۔[مسلم، کتاب الزھد، باب تحریم الریاء:۲۹۸۵]

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ
لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ
وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ﴾

وہ اللہ کی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ تمہارے لیے پھلوں میں سے رزق نکالا اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا، تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کر دیا۔ (۳۲) اور تمہارے لیے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا ہے جو مسلسل گردش کر رہے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا ہے۔ (۳۳) اور اس نے تمہیں ہر وہ چیز عطا کی جو تم نے مانگی اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم اس کی گنتی نہیں کر سکتے یقیناً انسان بڑا بے انصاف، بڑا ہی ناشکرا ہے۔ (۳۴)

اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو صرف حکم دیتا کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میری عبادت کرو۔ اس نے حکم دینے کی بجائے اپنی ذات پر ایمان لانے اور اپنی عبادت کے استحقاق کے بیشمار دلائل دیے ہیں۔ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اے لوگو! اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہارے کھانے پینے کے لیے انواع واقسام کے پھل پیدا کیے۔ بس اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ کیونکہ تم جانتے ہو زمین وآسمان کو بنانے اور تمہارے رزق کا بندوبست کرنے میں کوئی دوسرا اللہ کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ (البقرۃ:۲۱)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ: یعنی شمس وقمر دن رات چل رہے ہیں اور چلتے چلتے کبھی نہیں رکتے، پھر کیفیت یہ ہے کہ: (لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ) [یٰسٓ:۴۰] "نہ سورج، اس کے لیے لائق ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آنے والی ہے اور سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔" اور فرمایا: (يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ) [الأعراف:۵۴] "رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے، جو تیز چلتا ہوا اس کے پیچھے چلا آتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے (پیدا کیے) اس حال میں کہ اس کے حکم سے تابع کیے ہوئے ہیں، سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے، بہت برکت والا ہے اللہ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔"

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ: ارشاد فرمایا: (ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ

النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْر)[الحج:٦١] "یہ اس لیے کہ بیشک اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔" اور فرمایا: (يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّار)[الزمر:٥] "وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو تابع کر رکھا ہے، ہر ایک ایک مقرر وقت کے لیے چل رہا ہے۔ سن لو! وہی سب پر غالب، نہایت بخشنے والا ہے۔"

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندے اس بات سے عاجز ہیں کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو شمار کر سکیں، ان سب کا شکر بجالانا تو بہت دور کی بات ہے۔ سیدنا ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے: (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ ، غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلاَ مُوَدَّعٍ وَلاَ مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا) "تمام تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، تعریف بہت زیادہ پاکیزہ، جس میں برکت کی گئی ہے، جسے نہ کافی سمجھا گیا ہے (کہ مزید کی ضرورت نہ ہو) نہ چھوڑا گیا ہے اور نہ اس سے بے پروائی کی گئی ہے، اے ہمارے رب!۔۔۔"[1]

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ

---

[1]۔[بخاری، کتاب الأطعمۃ، باب مایقول إذا فرغ من طعامہ:٥٤٥٨]

النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾

اور یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے رب! اس شہر کو لوگوں کے لیے امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بچا لے اس بات سے کہ ہم بتوں کی پوجا کریں۔(۳۵) اے میرے رب! بیشک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا جس نے میری پیروی کی یقیناً وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی یقیناً تو بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔(۳۶)

اے دنیا جہان کے انسانوں بالخصوص مکہ میں بسنے والے لوگو! جس عالی مرتبت شخصیت کے ساتھ تم ناطہ جوڑتے اور اس کے بسائے ہوئے شہر میں رہتے ہو اس کا عقیدہ یہ تھا کہ جب اس نے اپنی زوجہ مکرمہ اور اکلوتے لخت جگر کو مکہ میں ٹھہرا کر اس شہر کی بنیاد رکھی تھی تو اس نے اپنے رب کے حضور سب سے پہلے یہ التجا کی تھی۔

دعائے ابراہیم (علیہ السلام)

یعنی مکہ کو "حرم آمن" بنا دے (چنانچہ خدا نے بنا دیا) نیز مجھ کو اور میری اولاد کو ہمیشہ بت پرستی سے دور رکھ۔ غالباً یہاں "اولاد" سے خاص صلبی اولاد مراد ہے سو آپ کی صلبی اولاد میں یہ مرض نہیں آیا اور اگر عام ذریت مراد ہو تو کہا جائے گا کہ دعا بعض کے حق میں قبول نہیں ہوئی۔ باوجودیکہ حضرت ابراہیم معصوم

پیغمبر تھے، مگر یہ دعا کا ادب ہے کہ دوسروں سے پہلے آدمی اپنے لیے دعا کرے۔ اس قسم کی دعائیں جو انبیاء سے منقول ہوں ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی عصمت بھی خود ان کی پیدا کی ہوئی نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی حفاظت وصیانت سے ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اسی کی طرف التجا کرتے ہیں جو ان کی عظمت کا ضامن وکفیل ہوا ہے۔ (تنبیہ) حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ کے نزدیک ابراہیم (علیہ السلام) نے یہ دعائیں مکہ کی آبادی اور تعمیر کعبہ کے بعد کی ہیں۔ سورہ بقرہ میں اول پارہ کے ختم پر جس دعا کا ذکر ہے وہ البتہ بنائے کعبہ کے وقت حضرت اسمٰعیل کی معیت میں ہوئی۔ یہ دعائیں اس کے بہت زمانہ بعد پیرانہ سالی میں کی گئی۔

اولاد اسماعیل علیہ السلام

اللہ جل شانہ نے اپنے خلیل کی دعاء قبول فرمائی ان کی اولاد شرک وبت پرستی سے محفوظ رہی اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اہل مکہ تو عموماً اولاد ابراہیم (علیہ السلام) ہیں ان میں تو بت پرستی موجود تھی بحر محیط میں اس کا جواب بحوالہ سفیان بن عیینہ یہ دیا ہے کہ اولاد اسماعیل (علیہ السلام) میں کسی نے درحقیقت بت پرستی نہیں کہ بلکہ جس وقت مکہ پر قوم جرہم کے لوگوں نے قبضہ کرکے اولاد اسماعیل (علیہ السلام) کو حرم سے نکال دیا تو یہ لوگ حرم سے انتہائی محبت وعظمت کی بناء پر یہاں کے کچھ پتھر اپنے ساتھ اٹھالے گئے تھے ان کو حرم محترم اور بیت اللہ کی یادگار کے طور پر سامنے رکھ کر عبادت اور اس کے گرد طواف کیا کرتے تھے جس میں کسی غیر اللہ کی طرف کوئی رخ نہ تھا بلکہ جس طرح بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا یا بیت اللہ کے گرد طواف کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہے اسی طرح وہ اس پتھر کی طرف رخ اور اس کے گرد طواف کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے منافی نہ سمجھتے تھے اس کے بعد یہی طریقہ کار بت پرستی کا

سبب بن گیا۔۔

سفیان بن عیینہؒ کی یہ تشریح قرآن کے بھی خلاف ہے اور سنت و اجماع کے بھی۔ خبر متواتر سے ثابت ہے کہ اللہ کی کتاب میں مشرکوں سے مراد اہل مکہ (نسل اسماعیل) ہیں اور اللہ نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ اس کے علاوہ بھی دوسری آیات سے (یہی) ثابت ہے (کہ اہل مکہ مشرک تھے اور ان کے باپ دادا بھی)۔

ابراہیم (علیہ السلام) کی دوسری دعا

اے میرے پالنہار! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھنا۔ یاد رہے کہ دنیا میں شرک کی ابتدا مٹی اور پتھروں کے مجسموں سے ہی ہوئی تھی۔ حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم نے پہلے انبیاء (علیہ السلام) اور فوت شدگان بزرگوں کے مجسمے اس لیے بنائے تھے تاکہ بزرگوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے ان کی ارواح کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اس کے حضور دعا اور عبادت کی جائے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو طبعاً اور شرعاً شرک اور ان کے ذرائع سے شدید نفرت تھی۔ اس بنا پر انہوں نے اپنے شہر کے سب سے بڑے بت خانہ کو پاش پاش کیا تھا۔ اس لیے دعا کرتے ہیں اے میرے پالنہار! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھنا۔ اپنے بارے میں بتوں کی عبادت سے بچنے کی دعا انہوں نے نفرت کا اظہار کرنے اور آئندہ نسلوں کو پیغام دینے کے لیے کی تھی تاکہ لوگوں کو ابراہیم (علیہ السلام) کا عقیدہ معلوم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف اپنے ساتھ شرک سے نفرت ہے بلکہ قیامت کے دن ان لوگوں کو بھی جہنم میں جھونکا جائے گا جنہوں نے کسی نہ کسی طریقہ سے

شرک کی راہ ہموار کی تھی۔ یہاں تک کہ جن پتھروں کے مجسمے بنائے گئے یا برکت کے طور انہیں استعمال کیا گیا۔ جس طرح کچھ لوگ برکت کے طور پر بعض پتھروں کو انگوٹھی کے نگینہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں ان پتھروں کو بھی جہنم میں تپایا جائے گا۔ (الانبیاء:۹۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیان کرتے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مکہ کو محترم قرار دیا ہے۔ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے جائز تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے جائز ہے۔ میرے لیے دن کی ایک گھڑی میں جائز قرار دیا ہے، نہ اس کی گھاس کو کاٹا جائے اور نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے اور نہ اس کا شکار کیا جائے اور نہ اس کی گری ہوئی چیز کو اٹھایا جائے مگر اعلان کرنے کی غرض سے۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت تلاوت کی جس میں سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) کا یہ قول ہے: (رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) [ابراہیم:۳۶] اور پھر یہ آیت تلاوت کی جس میں سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کا یہ قول ہے: (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ) [المائدۃ:۱۱۸] "اگر تو انھیں عذاب دے تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو بیشک تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور فرمایا: "اے میرے اللہ! میری امت، میری امت۔" اور آپ رونے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے کہا: "اے جبرائیل! تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جا،

۱۔ [رواہ البخاری: کتاب الجنائز، باب الإذخر والحشیش فی القبر]

حالانکہ تیرا رب سب کچھ جانتا ہے اور ان سے پوچھ کہ آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟" تو جبرائیل (علیہ السلام) آپ کے پاس آئے اور آپ سے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے سب حال بیان کر دیا، پھر جبرائیل (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کو خبر دی، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے جبرائیل! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ اور کہہ دو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے، ناراض نہیں کریں گے۔"[1]

﴿ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۹﴾ ﴾

اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت والے گھر کے پاس

---

[1] [مسلم، کتاب الایمان، باب دعاء النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لأمتہ وبکاہ شفقۃ علیھم: ۲۰۲]

ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی، ہمارے پروردگار! (یہ میں نے اس لیے کیا) تا کہ یہ نماز قائم کریں' تو تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو رزق عطا کر پھلوں سے تا کہ وہ شکر ادا کریں۔(۳۷) اے ہمارے پروردگار تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں لیکن زمین اور آسمانوں کی کوئی بات آپ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔(۳۸) تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل و اسحاق عطا فرمائے بیشک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔(۳۹)

اللہ کے حکم پر اولاد کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑنا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن مشقی شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

اہل کتاب نے بیان کیا ہے جب حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کو بیت المقدر کے شہروں میں رہتے ہوئے بیس سال ہو گئے تو حضرت سارہ نے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) سے کہا: بیشک مجھے میرے رب نے اولاد سے محروم رکھا ہے آپ میری باندی سے عمل تولید کیجئے شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مجھے اولاد عطا فرمائے۔ جب حضرت سارہ نے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کو حضرت ہاجرہ ہبہ کر دی اور حضرت ابراھیم نے ان کے ساتھ شب بسر کی تو حضرت ہاجرہ ان سے حاملہ ہو گئیں جب سے ان کو حمل ہوا تھا وہ حضرت سارہ پر فخر کرنے لگی تھی۔ حضرت سارہ کو ان پر رشک آتا تھا، انہوں نے حضرت ابراھیم

(علیہ السلام) سے ان کی شکایت کی حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے فرمایا تم اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو حضرت ہاجر، حضرت سارہ سے ڈر کر وہاں سے فرار ہوگئیں وہ ایک چشمہ کے پاس پہنچیں تو ایک فرشتہ نے کہا تم ڈرو مت اللہ تعالیٰ تم سے جو بچہ پیدا کرنے والا ہے اس میں بہت خیر ہے اور ان کو واپس جانے کا حکم دیا اور ان کو یہ بشارت کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اور تم ان کا نام اسماعیل رکھنا۔ وہ لوگوں سے فتنے دور کریں گے ان کا تمام لوگوں پر ہاتھ ہوگا اور تمام لوگ ان کی مدد کریں گے وہ اپنے بھائیوں کے ملکوں کے مالک ہوں گے حضرت ہاجر نے اس پر شکر ادا کیا اور یہ بشارت حضرت ابراھیم کے بیٹے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر پوری ہوئی کیونکہ آپ ہی تمام بلاد عرب کے سردار تھے، اور اشرق اور غرب کے تمام ممالک میں آپ کا دین پھیل گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر زیادہ علوم نافعہ اور اعمال صالحہ عطا کیے کہ پچھلی امتوں میں سے کسی کو اتنے علوم اور اعمال صالحہ عطا نہیں کیے تھے اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ آپ کو تمام رسولوں پر فضیلت حاصل ہے اور آپ کی رسالت میں کمال اور برکت ہے اور آپ کی نبوت تمام روئے زمین کے لیے ہے جب حضرت ہاجر واپس گئیں اور حضرت اسماعیل پیدا ہوگئے اس وقت حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کی عمر چھاسی سال تھی اور وہ حضرت اسحاق کی پیدائش سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ امام ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ اس وقت حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کی عمر ۹۹ سال تھی اور اس کے تیس سال بعد حضرت اسحاق (علیہ السلام) پیدا ہوئے تھے۔ [1]

اور مقصود یہ ہے کہ جب حضرت ہاجر (علیہما السلام) کے ہاں حضرت اسماعیل پیدا ہوگئے تو حضرت ہاجر پر

۱۔ (الطبقات الکبری ج ۱ ص ۴۱)

حضرت سارہ کی غیرت بہت زیادہ ہوگئی اور انہوں نے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ حضرت ہاجر کو ان کی نگاہ سے دور کر دیں پھر حضرت ابراھیم (علیہ السلام) حضرت ہاجر اور ان کے بیٹے سماعیل کو لے کر روانہ ہوئے اس وقت اسماعیل دودھ پیتے تھے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے ان کو لے جا کر اس جگہ چھوڑ دیا جس کو آج کل مکہ کہا جاتا ہے۔ [1]

حضرت ہاجر اور حضرت اسماعیل کو مکہ میں چھوڑ کر جانے کی پوری تفصیل اس حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے اپنی کمر پر پٹکا باندھا وہ حضرت اسماعیل کی والدہ تھیں انہوں نے یہ پٹکا اس لیے باندھا تھا کہ ان کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اور حضرت سارہ کو پتا نہ چلے پھر حضرت ابراھیم (علیہ السلام) انہیں اور ان کے دودھ پیتے بیٹے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو لے کر روانہ ہوئے اور جس جگہ بیت اللہ ہے وہاں ایک درخت کے پاس چھوڑ دیا جس جگہ پر آب زمزم کا کنواں ہے۔ اس وقت مکہ میں کوئی آبادی نہیں تھی اور نہ وہاں پانی تھا انہوں نے اس جگہ ان دونوں کو چھوڑ دیا ان کے پاس ایک تھیلا رکھ دیا جس میں کھجوریں ستو اور پانی تھا، حضرت ابراھیم (علیہ السلام) واپس جانے لگے تو حضرت اسماعیل کی والدہ ان کے پیچھے گئیں اور کہا: اے ابراھیم! آپ کہا جا رہے ہیں اور ہم کو اس غیر آباد اور بے آب و گیاہ وادی میں کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ وہ بار بار جملے دہراتی رہیں اور حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا پھر انہوں نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے کہا ہاں! حضرت ہاجر نے کہا پھر اللہ

---

[1] ۔(البدایہ والنہایہ ج 1 ص 228، 229، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور وہ مطمئن ہو ہو کر لوٹ آئیں پھر حضرت ابراھیم (علیہ السلام) واپس روانہ ہوئے حتی کہ جب وہ مقام ثنیہ پر پہنچے جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا تھا تو انہوں نے اپنا منہ اس طرف کیا جس طرف اب بیت اللہ ہے پھر انہوں نے دونوں ہاتھ بلند اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا کی: اے ہمارے رب! میں اپنی بعض اولاد کو بے اب و گیاہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے تیرے حرمت والے گھر میں کے نزدیک اے ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم رکھیں تو کچھ لوگوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تا کہ وہ شکر ادا کریں۔ (ابراھیم:37)

حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی والدہ حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی تھیں، اور اس پانی سے پیتی تھیں؟ حتی کہ جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو وہ اور انکا بیٹا دونوں پیاسے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کی طرف دیکھتیں جو پیاس سے تڑپ رہے تھے، جب وہ ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں تو وہاں سے چل پڑیں، انہوں نے دیکھا اس زمین کے قریب صفا پہاڑ تھا، وہ اس پہاڑ پر کھڑی ہو گئیں کہ کوئی آتا ہوا دکھائی دے انہیں کوئی نظر نہیں آیا پھر وہ صفا سے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں انہوں نے اپنی قمیض کا دامن اٹھا دیا اور بہت تیز دوڑ کر اس وقدی کے پار گئیں پھر مروہ پہاڑ پر گئیں اور دیکھا کہ کوئی شخص دکھائی دے انہیں کوئی نظر نہیں آیا انہوں نے صفا مروہ کے درمیان اس طرح سات مرتبہ دوڑ لگائی، پھر انہوں نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا آپ ٹھہرو جاؤ پھر انہوں نے کان لگا کر سنا تو انہیں ایک آواز سنائی دی اور اس نے کہا اگر تمہارے پاس کوئی فریادرس ہے تو تم نے اس کو اپنی آواز پہنچا دی ہے اچانک دیکھا تو زمزم کے قرین ایک فرشتہ کھڑا تھا اس فرشتے نے اس جگہ اپنی ایڑی یا اپنے پر مارے حتی کہ پانی نکلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ اپنے ہاتھوں سے اس طرح اس پانی کو حوض کی طرح اکٹھا کرنے لگیں۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ اسماعیل کی ماں پر رحم فرمائے کاش وہ زمزم کو بہتا چھوڑ دیتیں یا فرمایا کاش وہ اس میں سے چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک بہتا ہو چشمہ بن جاتا، پھر حضرت ہاجرہ نے خود پانی پیا اور اپنے بیٹے کو دودھ پلایا۔ فرشتہ نے ان سے کہا تم اپنے بچے کے متعلق فکر نہ کرو، اس جگہ بیت اللہ ہے جس کو یہ لڑکا اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ اسکے اہل کو ضائع نہیں کرے گا اور بیت اللہ کی زمین سے بلند تھی ان کے دائیں اور بائیں جانب سے سیلاب گزر جاتے تھے۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا حتی کہ جرم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا جرہم کے گھرانوں میں سے کو کچھ لوگ وہاں سے گزرے وہ مکہ کے نشیب میں اترے انہوں نے وہاں پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا انہوں نے آپس میں کہا یہ پرندے پانی پر جارہے رہیں ہم اس وادی اور اس میں جو پانی ہے اس کا ارادہ کرتے ہیں انہوں نے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا تو وہ پانی تک پہنچ گئے انہوں نے واپس جا کر ان کو خبر دی تو وہ سب وہاں پہنچ گئے وہاں حضرت اسماعیل کی والدہ تھیں۔ انہوں نے کہا کیا آپ ہم کو اس کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ کے پاس قیام کریں حضرت ہاجرہ نے کہا ہاں! لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس چیز سے حضرت اسماعیل کی ماں ڈھارس بندھی اور وہ انس چاہتی تھیں۔ وہ لوگ وہاں ٹھر گئے اور انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی بلا لیا حتی کہ جب وہاں بہت سے گھر بن گئے اور ان کا بیٹا جوان ہو گیا اور اس نے ان سے عربی زبان سیکھ لی، جب حضرت اسماعیل جوان ہوئے تو وہ جرہم کے لوگوں کو اچھے لگے تو انہوں نے اپنی ایک عورت کا ان سے نکاح کر دیا اور حضرت اسماعیل کی والدہ فوت ہو گئیں، حضرت اسماعیل کی شادی ہو جانے کے بعد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اپنے ہل وعیال کے احوال

معلوم کرنے کے لیے آئے، انہوں نے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو موجود پایا تو ان کی بیوی سے ان کے متعلق معلوم کیا اس نے کہا وہ ہمارے لیے کچھ چیزیں لینے گئے ہیں (دوسری روایت میں وہ شکار کرنے گئے ہیں) پھر حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے ان کے حالات اور گزراوقت کے متعلق ان سے پوچھا اس نے کہا ہم بہت برے حالات میں ہیں اور ہم بہت تنگی اور سختی میں ہیں اور ان سے شکایت کی حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے کہا کہ جب تمہارا خواند آئے تو تم اس سے میرا اسلام کہنا اور اس سے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کرلے، جب اسماعیل آئے تو ان کو کچھ تغیّر محسوس ہوا انہوں نے پوچھا کی اتمہارے پاس کوئی آیا تھا بیوی نے کہا ہاں اس اس شکل کا ایک بوڑھا آیا تھا اس نے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اس کو بتایا اس نے مجھ سے پوچھا تمہارے حالات کیسے ہیں؟ تو میں نے اس کو بتایا ہم بہت جفاکشی اور سختی کے ایام گزار رہے ہی۔ حضرت اسماعیل نے پوچھا کی انہوں نے کسی چیز کی وصیت کی تھی؟ اس نے کہا ہاں انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں آپ کو ان کا سلام کہوں اور وہ کہتے تھے کہ تم اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کرلو، حضرت سماعیل نے کہا وہ میرے والد تھے اور انہوں نے مجے حکم دیا ہے کہ میں تم سے علیحدہ ہوجاؤں تم اپنے والدیں کے گھر چلی جاؤ، انہوں نے اس کو طلاق دے دی اور ان لوگوں میں دوسری شادی کرلی اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا حضرت ابراھیم (علیہ السلام) ٹھرے رہے، پھر کچھ عرصہ بعد آئے تو حضرت اسماعیل نہیں ملے وہ ان کی بیوی کے پاس گئے اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے متعلق سوال کیا، ان کی بیو نے کہا وہ ہمارے واسطے کچھ لینے گئے ہیں حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اور ان کی گزاراوقات کے متعلق سوال کیا، ان کی بیوی نے کا ہم خیریت سے ہیں اور بہت خوش حال ہیں اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا

حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے پوچھا تم لوگ کیا کھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم گوشت کھاتے ہیں حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے پوچھا اور تم لوگ کی پیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم پانی پیتے ہیں۔ حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے دعا کی: اے اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس وقت ان لوگوں کے پاس اناج نہیں تھا ورنہ حضرت ابراھیم (علیہ السلام) ان کے لیے اس میں بھی برکت کی دعا کرتے پھر آپ نے فرمایا کہ صرف ان دہ چیزوں (گوشت اور پانی) پر مکہ مکرمہ کے سوا اور کسی جگہ گزارہ نہیں ہوسکتا صرف دو چیزیں اور جگہوں پر مزاج کے موافق نہیں ہوگی حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے فرمایا جب تمہارا شوہر آئے تو اس کے میرا سلام کہنا اور اس کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھے جب حضرت اسماعیل آئے تو پوچھا کوئی شخص تمہارے پاس آیا تھا۔ ان کی بیوی نے کہا ہاں! ہمارے پاس اچھی شکل وصورت کا ایک بوڑھا آیا تھا اور انہوں نے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کی تعریف کی انہوں نے ہماری گزاراوقات اور حالات کے متعلق پوچھا میں نے ان کو بتایا کہ میں خیریت سے ہوں۔ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے پوچھا کی انہوں نے کوئی وصیت بھی کی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں! انہوں نے آپ کو سلام کہا اور آپ کے متعلق یہ حکم دیا کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے کہا یہ میرے والد تھے اور تم چوکھٹ ہو انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پاس برقرار رکھوں۔

پھر جب تک اللہ نے چاہا حضرت ابراھیم (علیہ السلام) ٹھرے پھر اس کے بعد اس وقت حضرت اسماعیل زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنا تیر درست کر رہے تھے جب انہوں نے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کو دیکھا تو کھڑے ہوگئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے

جیسے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ملتا ہے پھر حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے کہا اے اسماعیل مجھے اللہ ایک چیز کا حکم دیا ہے، حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے کہا آپ وہی کیجئے جس کا آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا ہے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے پوچھا آیا تم میری مدد کرو گے؟ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے کہا میں آپ کی مدد کروں گا حضرت ابراھیم (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ بیت اللہ تعمیر کروں اور انہوں نے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا جو اپنے اردگرد کی زمین سے کافی بلند تھا آپ نے فرمایا اس وقت ان دونوں نے بیت کی بنیادیں اٹھائیں، حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراھیم (علیہ السلام) ان پتھروں کو جوڑ کر لگاتے تھے حتی کہ جب بنیادیں زیادہ بلند ہوگئیں تو حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اس پتھر (مقام ابراھیم) کو لائے اور اس دیوار کے ساتھ رکھ دیا، حضرت ابراھیم (علیہ السلام) اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) پتھر لاتے رہے اور وہ دونوں یہ دعا کرتے تھے: اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما بیشک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے وہ دونوں بیت اللہ کی تعمیر کرتے رہے اور بیت اللہ کے گرد طواف کرے رہے اور یہ دعا کرتے رہتے تھے اے: اے ہمارے رب! تو ہم سے قبول فرما بیشک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔[1]

زمزم کے فضائل

صحیح بخاری کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ فرشتے کے ایڑی یا پر زمین پر مارنے کی وجہ سے زمین سے پانی نکل آیا جس کو حضرت ہاجرہ نے زمزم فرمایا اور اس چشمہ کا نام زمزم پڑ گیا سو اب ہم زمزم کے فضائل

---

[1] صحیح البخاری رقم الحدیث: 3364 مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: 9107، مسند رقم الحدیث: 2285، عالم الکتب)

کے متعلق احادیث ذکر کر رہے ہیں۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباسؓ زمزم سے پانی پیتے تو یہ دعا کرتے اے اللہ میں تجھ سے علم نافع اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں۔ (۱)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب زمزم کے پانی کو پیا جائے تو تم اس کو شفائے طلب کے نے کی نیت سے پیو تو اللہ تعال تم کو شفاء عطا فرمائے گا اور اس کو سیر ہونے کی نیت سے پیو تو اللہ تم کو سیر کرے گا اور اگر تم زمزم کو پیاس بجھانے کے لیے پیو تو اللہ تمہاری پیاس بجھائے گا اور حضرت جبرائیل کے ایڑی مارنے اور حضرت اسماعیل کا پانی پلانے کے لیے زمزم وجود میں آیا۔ (۲)

علامہ ابن العربیؒ نے کہا کہ زمزم کی یہ صفات قیامت تک کے لیے ہیں بشرطیکہ پینے والے کی نیت صحیح ہو اور وہ ان صفات کی تکذیب نہ کرتا ہو اور زمزم کو آزمانے کے لیے نہ پیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کی مدد فرماتا ہے اور آزمانے والوں کو رسوا کرتا ہے اور ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی نے کہا میرے والدؒ نے بیان کیا کہ ایک اندھیری رات میں، میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا مجھے بڑے زور سے پیشاب آیا، میں اس کو روکتا رہا حتی کہ مجھے تکلیف ہوئی اور مجھے یہ خدشہ تھا کہ اگر میں مسجد سے نکلا تو میں بعض آدمیوں کے قدموں تلے روندا جاؤں گا اور یہ حج کے ایام تھے مجھے یہ حدیث یاد آئی میں زمزم پر آیا اور خوب سیر ہو کر زمزم کو پیا پھر صبح تک مجھے پیشاب کی ضرورت نہیں ہوئی۔ (۳)

۱۔(سنن دار قطنی رقم الحدیث:2712، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1417ھ)

۲۔سنن دار قطنی رقم الحدیث:2713، المستدرک ج1 ص473 سنن کبرای للبیہقی ج5 ص202، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:3063)

۳۔(الجامع لاحکام القرآن جز9 ص325۔324، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

ابراہیم (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے بڑھاپے میں انھیں دو بیٹوں سے نوازا، تاکہ ان کے بعد دعوت الی اللہ کا کام کرتے رہیں، لوگوں کو توحید کی طرف بلائیں اور نماز قائم کریں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے بیٹے کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حلیم بیٹے کی خوش خبری دی۔ ارشاد فرمایا: (وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۹۹ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۱۰۰ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ) [الصافات: ۹۹ تا ۱۰۱] "اور اس نے کہا بیشک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا۔ اے میرے رب! مجھے (لڑکا) عطا کر جو نیکوں سے ہو۔ تو ہم نے اسے ایک بہت بردبار لڑکے کی بشارت دی۔" دوسرے بیٹے اسحاق (علیہ السلام) کی پیدائش ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی زوجہ محترمہ کی عمروں کے ایسے حصے میں ہوئی کہ اس عمر میں بچہ پیدا ہونے کی کوئی امید نہیں ہوتی، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (قَالَتْ یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ۷۲ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ) [ھود: ۷۲، ۷۳] "اس نے کہا ہائے میری بربادی! کیا میں جنوں گی، جب کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا خاوند ہے بوڑھا، یقیناً یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ انھوں نے کہا کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بیشک وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔"

﴿ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۴۰ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ

الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

اے میرے رب! مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی۔ اے ہمارے رب اور میری دعا قبول فرمایئے۔ (۴۰) اے ہمارے رب! مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور ایمان والوں کو بھی، جس دن حساب قائم ہوگا۔ (۴۱)

پھر یوں دعا کی (رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ) (اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری ذریت میں سے بھی نماز قائم کرنے والے بنایئے اے ہمارے رب دعا کو قبول فرمایئے) اس کے بعد اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے اور تمام مومنین کے لیے دعا کی کہ جس دن حساب قائم ہو اس دن ان سب کی مغفرت فرما۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا باپ تو کافر مشرک تھا اس کے لیے کیسے مغفرت کی دعا کی جبکہ کافروں کی بخشش نہ ہوگی اس کا جواب سورہ توبہ کی آیت (وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ) کی تفسیر میں گزر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے وعدہ کرلیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے استغفار کروں گا انہیں اپنے والد کے مسلمان ہونے کی امید تھی پھر جب انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ اس کی موت کفر پر ہوگی تو اس سے بیزار ہوگئے یہ دعا بیزار ہونے سے پہلے کی ہے جب تک والد کی موت علی الکفر کا علم نہ ہوا تھا اور مسلمان ہونے کی امید بندھی ہوئی تھی اس وقت تک بشرط ہدایت باپ کی مغفرت کی دعا کی بعد میں چھوڑ

دی۔آیت بالا میں والدہ کے لیے بھی دعائے مغفرت کرنے کا تذکرہ ہے اگر وہ ایمان لے آئی تھی تب تو کوئی اشکال نہیں اور اگر وہ ایمان نہیں لائی تھی تو اس کے بارے میں وہی بات کہی جائے گی جو والد کے بارے میں عرض کی گئی۔

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ ﴾

اور تم یہ گمان بھی نہ کرنا کہ وہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر ہے۔ بلکہ وہ ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس دن ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں ۔(۴۲) اور لوگ سر اٹھائے ہوئے (قیامت کے میدان کی طرف) دوڑ رہے ہونگے، ان کی نگاہیں ان کی طرف لوٹ نہ سکیں گی اور ان کے دل مارے خوف کے ہوا ہو رہے ہوں گے۔(۴۳)

مکہ کے کافر جو کچھ کرتے ہیں اس سے تم خدا کو ہرگز غافل نہ سمجھو، وہ تو ان کو عذاب سے اس دن تک کے لیے مہلت دیئے ہوئے ہیں کہ جس دن منظر کی ہولناکی کی وجہ سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، کہا جاتا ہے شخص بصر فلان، یعنی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جس کو وہ بند نہ کر سکا، حال یہ کہ وہ آسمان کی طرف اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے (داعی کی آواز کی طرف) تیزی سے دوڑے چلے جا رہے ہوں

گے (ایک لمحہ کیلئے بھی) ان کی پلک نہ جھپکے گی اور ان کے قلوب ان کے خوف کی وجہ سے عقل سے خالی ہوں گے۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ برائی کرنے والوں کی برائی کا اللہ کو علم ہی نہیں اس لیے یہ دنیا میں پھل پھول رہے ہیں، نہیں اللہ ایک ایک کے ایک ایک گھڑی کے برے بھلے اعمال سے بخوبی واقف ہے یہ ڈھیل خود اسکی دی ہوئی ہے کہ یا تو اس میں واپس ہوجائے یا پھر گناہوں میں بڑھ جائے یہاں تک کہ قیامت کا دن آجائے۔ جس دن کی ہولناکیاں آنکھیں پتھرا دیں گی، دیدے چڑھا دیں گی، سر اٹھائے پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑے چلے جائیں گے، کہیں ادھر ادھر نہ ہونگے۔ سب کے سب پورے اطاعت گزار بن جائیں گے، دوڑے بھاگے حضور کی حاضری کیلئے بے تابانہ آئیں گے، آنکھیں نیچے کو نہ جھکیں گی، گھبراہٹ اور فکر کے مارے پلک سے پلک نہ جھپکے گی۔ دلوں کا یہ حال ہوگا کہ گویا اڑے جاتے ہیں۔ خالی پڑے ہیں۔ خوف کے سوا کوئی چیز نہیں۔ وہ حلقوم تک پہنچے ہوئے ہیں، اپنی جگہ سے ہٹے ہوئے ہیں، دہشت سے خراب ہو رہے ہیں۔

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم ننگے پاؤں، ننگے بدن بغیر ختنہ کیے ہوئے اٹھائے جاؤ گے۔" سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! پھر تو (اس روز) مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: "وہ وقت اتنا زیادہ سخت ہوگا کہ وہ اس کا قصد بھی نہ کرسکیں گے۔"[1]

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرمائے

---

[1] [بخاری، کتاب الرقاق، باب الحشر: ٦٥٢٧۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب فناء الدنیا وبیان الحشر: ٢٨٥٩]

گا، اے آدم! آدم (علیہ السلام) عرض کریں گے، اے اللہ! میں بار بار تیری خدمت میں حاضر ہوں اور خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، جو لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے، انھیں نکالو۔ آدم (علیہ السلام) عرض کریں گے، کتنے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ تو یہی وہ وقت ہوگا کہ جب بچہ (غم سے) بوڑھا ہو جائے گا: (وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ) [الحج:۲] "اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور تو لوگوں کو نشے میں دیکھے گا، حالانکہ وہ ہرگز نشے میں نہیں ہوں گے اور لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔"[1]

﴿ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾ وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ﴿۴۵﴾ ﴾

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آئے گا۔ پھر ظالم کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی مدت تک

---

[1] [بخاری، کتاب الرقاق، باب (إن زلزلة الساعة شيء عظيم)۔۔۔ الخ: ٦٥٣٠]

مہلت دے دے تا کہ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں اور رسولوں کی اتباع کر لیں۔ (ان کو جواب دیا جائے گا) کیا تم وہی نہیں تھے جو پہلے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم کو کچھ بھی زوال نہیں۔ (۴۴) حالانکہ تم ایسے لوگوں کی بستیوں میں آباد ہوئے تھے جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا تمہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا تھا اور تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔ (۴۵)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا جا رہا ہے کہ آج یہ کفار قریش اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات مان کے نہیں دے رہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی پرواہ نہ کریں۔ البتہ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے آنے والے عذاب سے ضرور ڈرائیں۔ اور انھیں اچھی طرح باخبر کر دیں کہ عذاب کا آنا تم سے دور نہیں لیکن تمہیں اندازہ نہیں کہ اس دن تمہاری بے بسی کس حال کو پہنچ چکی ہوگی۔ عذاب کا پہلا جھٹکا لگتے ہیں تمہاری یہ رعونت ہوا ہو جائے گی اور تم اللہ تعالیٰ سے عاجزی کرنے لگو گے کہ ہمیں ایک مختصر سی مدت کے لیے مہلت دے دی جائے۔ یعنی ہمیں مزید کچھ دن جینے کا موقع دیا جائے تا کہ ہم آپ کی دعوت کو قبول کر لیں کہ آپ نے سالوں تک جس بات کی طرف ہمیں بلایا ہے اور ہم نے اس کی پرواہ نہیں کی اس وقت تم اس کے لیے مہلت مانگو گے کہ ہمیں زندگی کا ایک اور موقع دیا جائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس دعوت کو جسے پیغمبر لے کر آئے ہیں اسے قبول کر لیں اور رسولوں (علیہ السلام) کی پیروی کریں۔ لیکن اس کے جواب میں پروردگار ارشاد فرمائے گا کہ آج تم مزید مہلت مانگتے ہو، کل تک تمہاری حال یہ تھا کہ تمہیں دنیا سے چلے جانے کا یقین نہیں آتا تھا اور تم اس بات کو باور

کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ کبھی تمہیں بھی زوال آ سکتا ہے بلکہ تم قسمیں کھا کھا کے یہ کہتے تھے کہ جس آنے والی زندگی سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ ایک بہکاوے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور تم کسی قیمت پر اپنی ضد سے ٹلنے والے نہیں تھے، اب آخر تمہاری وہ قسمیں اور وہ ڈینگیں کہاں گئیں جس نے تمہیں دنیوی زندگی میں نہ جانے کیا بنا رکھا تھا۔

یعنی تم ان بستیوں کو دیکھ چکے ہو، جن کے رہنے والوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، جیسے عاد وثمود کی بستیاں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو عذاب نازل کیا تھا اس کے آثار اب تک باقی ہیں اور اس کی خبریں تواتر کے ساتھ تم تک پہنچ چکی ہیں، اور جو کچھ انھوں نے کہا تھا اور جس کی وجہ سے وہ اس انجام بد کو پہنچے، وہ ساری باتیں تمہیں معلوم ہیں۔ پھر بھی تم میں کوئی ایسا نہ ہوا جو عبرت حاصل کرتا اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے سرکش لوگوں کے انجام سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ)[الرعد:٦] "اور وہ تجھ سے بھلائی سے پہلے برائی کو جلدی طلب کرتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے کئی عبرت ناک سزائیں گزر چکیں اور بیشک تیرا رب یقیناً لوگوں کے لیے ان کے ظلم کے باوجود بڑی بخشش والا ہے اور بلاشبہ تیرا رب یقیناً بہت سخت سزا والا ہے۔" اور فرمایا: (فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ)[یونس:١٠٢] "تو یہ لوگ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے ان لوگوں کے سے ایام کے جو ان سے پہلے گزر چکے۔ کہہ دے پس انتظار کرو، یقیناً میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔" اور فرمایا: (مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ، اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ، وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ)[العنکبوت:۴۱ تا ۴۳] "ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اللہ کے سوا اور مددگار بنا رکھے ہیں مکڑی کی مثال جیسی ہے، جس نے ایک گھر بنایا، حالانکہ بیشک سب گھروں سے کمزور تو مکڑی کا گھر ہے، اگر وہ جانتے ہوتے۔ یقیناً اللہ جانتا ہے جسے وہ اس کے سوا پکارتے ہیں کوئی بھی چیز ہو اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں صرف جاننے والے ہی سمجھتے ہیں۔"

﴿ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ ﴾

اور انہوں نے اپنی بڑی بڑی تدبیریں کیں اور ان کی سب تدبیریں اللہ کے ہاں لکھی ہوئی ہیں، گو وہ تدبیریں ایسی خطرناک تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں۔

فرمایا ان لوگوں نے دین حق مٹانے اور دعوت حق قبول کرنے والے مسلمانوں کو ستانے اور ایذا دینے کیلئے بھرپور تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سب کھلی اور پوشیدہ تدبیریں سب کے سامنے موجود ہیں وہ سب کو جاننے والا اور ان کو ناکام بنا دینے پر قادر ہے اگرچہ ان کی مخفی تدبیریں ایسی سخت اور عظیم تھیں کہ ان کے مقابلہ پر پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ ساری تدبیریں گرد راہ بن کر رہ گئیں اور ان کی داستانیں ان کے بعد آنے والوں نے سنیں۔

جن مخالف اور مخفی تدبیروں کا اس جگہ ذکر کیا گیا ہے اس میں ممکن ہے کہ اس سے مراد گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کی تدبیریں ہوں جیسے نمرود، فرعون، عاد وثمود وغیرہ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں موجودہ مشرکین عرب کا حال بیان کیا گیا ہو کہ انہوں نے نبی اعظم وآخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابلہ میں بڑی گہری اور دوررس سازشیں کیں اور مخفی تدبیریں بنائیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ناکام بنادیا اور کامیابی کی راہیں اپنے رسول محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیلئے کھول دیں۔

"وان کان مکرھم" میں لفظ ان کو حرف نفی قرار دے کر یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اگرچہ ان لوگوں نے بہت سی تدبیریں کیں اور سخت سے سخت چالیں چلیں لیکن ان کی تدبیروں اور چالوں سے ممکن تو نہ تھا کہ پہاڑ ٹل جاتے اور پھر اس جگہ پہاڑ (جبال) سے مراد نبی اعظم وآخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا عزم وارادہ اور استقلال مراد لیا گیا ہے کہ کفار مکہ کی کوئی چال بھی اس پر اثر انداز نہ ہوسکی۔

امام ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ ضحاک اور قتادہؒ سے یہ نقل کیا ہے اس مکر اور سازش سے مراد یہ ہے کہ مشرکین مکہ اور کفار نے اللہ تعالیٰ کے شریک گھڑ لیے اور عیسائیوں نے اللہ کی طرف بیٹے کو منسوب کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا (۸۸) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا (۸۹) تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (۹۰) أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا (۹۱) وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا (ابراھیم : ۹۲) اور کافروں نے کہا رحمن نے اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ بیشک تم نے یہ بہت سنگین بات کہی۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں، اور زمینیں ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر جائیں۔ اور رحمن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اپنے لیے بیٹا بنائے۔

﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ ﴾

پس اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہرگز گمان نہ کریں کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا ہے۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔

فرمایا کوئی یہ نہ سمجھے اور نہ ہی ایسا گمان کرے کہ اللہ نے کوئی وعدہ اپنے کسی رسول سے کر کے ان کے خلاف کیا ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ کوئی ایسا واقعہ جس میں اللہ نے اپنے وعدہ کا خلاف کیا ہو۔ تلاش کرتے جاؤ اور جہاں تک چاہتے ہو مطالعہ کرو تم کہیں ثابت نہیں کر سکو گے یعنی کوئی ایک واقعہ بھی تم کو ایسا نہیں مل سکے گا۔ ہاں! اگر لوگوں نے کوئی ایسی صورت بیان کر دی ہو تو وہ دوسری بات ہے لیکن اس کی تحقیق کر کے دیکھو تو تم کو کبھی کامیابی نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ ناکام ہی رہو گے اور یہ بات اس لیے بیان کی جا رہی ہے کہ اب بھی وہ وعدے جو نبی اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کئے گئے ہیں وہ اپنے اپنے وقت پر پورے ہو کر رہیں گے۔ لوگوں کو یہ غلطی لگی کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جب "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا محاورہ درست ہے تو پھر طاقتور کا اپنے معاہدہ کے مطابق کرنا اور اس کے خلاف نہ کرنا چہ معنی وارد۔ گویا ان کی عقل پر ایسا پردہ پڑا کہ انہوں نے اللہ کو بھی اس کھاتے میں رکھا جس میں اس دنیا کے سارے ظالموں کو رکھا۔ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا محاورہ دنیا کے ان سارے ظالموں پر بولا جاتا ہے جو

ا۔ (جامع البیان جز 13 ص 322، مطبوعہ دار الفکر بیروت 1415ھ)

کمزوروں پر ظلم کرتے آئے ہیں اور کر رہے ہیں کیا اللہ کا شمار بھی انہی ظالموں میں سے ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وعدہ کر کے پورا نہ کرنا دراصل کمزوری کی نشانی ہے۔ اگرچہ اس کمزوری کا تم کو احساس نہ رہا ہو تمہاری نگاہ اس ظلم پر تو ہے لیکن تم کو یہ معلوم نہیں کہ یہ بھی اس ظالم کی کمزوری کو ظاہر کر رہا ہے اگرچہ آپ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے۔

﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ ﴾

جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب کے سب لوگ اللہ واحد قہّار کے روبرو پیش ہونگے۔

زمین کے تبدیل ہونے کے متعلق صحابہ اور تابعین کے اقوال:

اس آیت میں فرمایا ہے کہ زمین دوسرزمین سے بدل دی جائے گی اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) ابو صالح نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے زمین یہی ہوگی صرف اس کی صفات تبدیل کردی جائیں گی اس میں زیادتی یا کمی کردی جائے گی اس کے ٹیلے، پہاڑ وادیا اور درخت ختم کر دیئے جائیں گے اور اس کو چمڑے کی طرح پھیلا کر ہموار کر دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے قیامت کی نشانیوں کے متعلق ایک حدیث روایت کی ہے اس مذکور ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے گرا دیا جائے گا اور زمین کو رنگے ہوئے چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے

گا۔۔۔۔[1]

(2) عمر بن میمون نے حضرت ابن مسعود سے اور عطا نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا جو چاندی کی طرح صاف ہوگی اس پر کوئی؛ گناہ نہیں ہوگا۔

(3) حضرت ابو ہریرہ، سعید بن جبیر اور قرظی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس زمین کو سفید روٹی سے بدل دیا جائے گا مومن اپنے قدموں کے نیچے سے اس کو کھائے گا دوسروں نے کہا حساب سے فارغ ہونے تک مسلمان اس کو کھاتے رہیں گے۔[2]

زمین کے ہونے کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کا حشر اس زمین پر کیا جائے گا جو میدہ کی روٹی کی سفید ہوگی اس میں کسی گھر کے کی کوئی نشان نہیں ہوگی۔[3]

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے یہ آیت تلاوت کی یوم تبدل الارض غیر الارض رسول اللہ! اس دن لوگ کہاں ہوں گے! آپ نے فرمایا پل صراط پر۔[4]

۱۔(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 4081، مصنف ابن ابی شیبہ ج 15 ص 157، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: 5294، المستدرک ج 4 ص 489، 488، مسند احمد ج 1 ص 375، یہ ضعیف حدیث ہے)

۲۔(زاد المسیر ج 4 ص 376، 375، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، 1407ھ)

۳۔صحیح البخاری رقم الحدیث: 6521، صحیح مسلم رقم الحدیث: 2790،)

۴۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: 2791 سنن الترمذی رقم الحدیث 3121، مسند احمد ج 6 ص 35، سنن الدارمی رقم الحدیث 2812، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 4279، صحیح ابن حبان رقم الحدیث 7380، المستدرک ج 2 ص 352)

عمرو بن میمون حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یوم تبدل الارض غیر الارض کی تفسیر میں فرمایا وہ سفید زمین ہوگی گویا کہ وہ چاندی ہے اس میں کوئی حرم خون نہیں بہایا یگا اور نہ اس میں کوئی گناہ کیا گیا ہے۔ [1]

زمین کو تبدیل کرنے کی حکمت اور مختلف اقوال میں تطبیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے قیامت کے دن لوگوں کا حشر اس زمین پر کیا جائے گا جو میدہ کی روٹی کی سفید ہوگی اس میں کسی کی گھر کی نشانی نہیں ہوگی علامہ خطبی نے کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ زمین بالکل ہموار ہوگی قاضی عیاض نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس زمین میں کوئی عمارت ہوگی نہ پہاڑیاں اور چٹانیں ہوں گی جس سے زمین پر کوئی علامت مقرر کی جا سکے علامہ ابوحمزہ نے کہا اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلیل ہے اور قیامت کی ہولناکیوں کا اس کو پہلے علم ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو ان دہشت ناک چیزوں کے لیے تیار کر لے تاکہ وہ تمام امور اچانک پیش آئیں اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ میدان حشر کی زمین اس موجودہ زمین سے بہت بڑی ہوگی اور زمین کی ان صفات میں یہ حکمت ہے کہ جس زمین میں حساب و کتاب ہوگا ہو زمین ظلم اور گناہوں سے پاک ہو اور اللہ تعالیٰ سبحانہ اپنے مومن بندوں پر جو تجلی فرمائے گا وہ ایسی زمین ہو جو اس تجلی کی عظمت کے لائق ہو کیونکہ اس زمین میں صرف اللہ وحدہ لاشریک کا حکم ہوگا پس اس کے مناسب یہ ہے کہ وہ زمین بھی خالص اس کے لیے ہو (یعنی اس میں مجازا بھی کسی اور کا حکم نافذ نہ ہو) اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی زمین مضمحل

---

[1] (المعجم الاوسط رقم الحدیث: 7163، المعجم الکبیر رقم الحدیث: 10323)

ہوجائے گی اور معدوم ہوجائے گی اور اس میں متقدمین کا اختلاف ہے معض کے نزدیک زمین کا مادہ اور اس کی ذات تبدیل کردی جائے گی اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے یہی ثابت ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک زمین یہی رہے گی اور اس کی صفات تبدیل کردی جائیں گی جیسا کہ سنن ابن ماجہ مستدرک اور مسند احمد میں ہے کہ پہاڑوں اور ٹیلوں کی ختم کر کے زمین کو چپٹا کر کے پھیلا دیا جائے گا ان میں تطبیق دینے کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں جو ہے کہ زمین روٹی کی طرح ہوگی یہ محشر کی زمین کے متعلق ہے اور جس حدیث میں یہ کہا کہ پہاڑ ٹیلوں وادیاں اور درخت سب کو گرا کر ریزہ ریزہ کردیا جائے گا وہ اسی زمین کے متعلق ہے قیامت میں اسی زمین پر یہ تمام تغیرات وارد ہوں گے اور محشر میں جو زمین سفید روٹی کر طرح ہوگی جس سے مسلمان کھائیں گے وہ اور زمین ہوگی جو اپنی ذات اور صفات میں اس زمین سے مختلف ہوگی۔ [1]

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: "قیامت کے دن لوگ سفید زمین پر جو سرخی مائل ہوگی، جمع کیے جائیں گے۔ وہ زمین ایسی ہوگی جیسے میدے کی روٹی، اس زمین پر کسی کا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا (یعنی چٹیل میدان ہوگی)۔" [2]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اللہ عزوجل کے اس فرمان: (يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) کے سلسلہ میں دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! آدمی اس دن کہاں ہوں گے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔ (فتح الباری ج 11 ص 376۔375)

۲۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب فی البعث والنشور۔۔الخ:۔ ۲۷۹۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب یقبض اللہ الأرض یوم القیامۃ: ۶۵۲۱]

وسلم) نے فرمایا: "(پل) صراط پر۔"[1]

سیدنا ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس کھڑا تھا، اتنے میں یہودی علماء میں سے ایک عالم آیا اور اس نے عرض کی، السلام علیک یا محمد! تو میں نے اسے ایک ایسا دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ وہ بولا، تو مجھے کیوں دھکا دیتا ہے؟ میں نے کہا، تو "یا رسول اللہ!" کیوں نہیں کہتا؟ یہودی نے کہا، ہم آپ کو اس نام کے ساتھ پکارتے ہیں جو آپ کے گھر والوں نے رکھا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی) ہے جو میرے گھر والوں نے رکھا ہے۔" یہودی نے کہا، آپ سے کچھ پوچھنے آیا ہوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر میں تجھے کچھ بتاؤں گا تو تجھے کوئی فائدہ ہوگا؟" اس نے کہا، میں اپنے کانوں سے سنوں گا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک لکڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی، زمین پر لکیر کھینچی اور فرمایا: "پوچھ!" یہودی نے کہا، جس دن یہ زمین بدل کر دوسری زمین ہو جائے گی اور آسمان بدل کر دوسرے آسمان ہو جائیں گے، تو لوگ اس وقت کہاں ہوں گے؟ فرمایا: "لوگ اس وقت اندھیرے میں پل صراط کے قریب ہونگے۔" اس نے دریافت کیا، تو پھر سب سے پہلے کون اس پل سے پار ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "فقراء مہاجرین۔"[2]

﴿ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ

۱۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب فی البعث والنشور۔۔الخ: ۲۷۹۱]

{7717} [مسلم، کتاب الحیض، باب بیان صفۃ منی الرجل والمرأۃ۔۔الخ: ۳۱۵]

النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

اس دن تم مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے۔(۴۹)ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور آگ کے شعلوں ان کے چہروں پر چھائے جارہے ہوں گے۔(۵۰) تا کہ اللہ تعالیٰ ہر (مجرم) شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا۔ بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔(۵۱)

ان کے لباس گندھک کے ہوں گے اور ان کے چہروں پر آگ لپک رہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کی شکل وصورت کی قباحت اور ان کی بدترین حالت کو بیان کرنے کے لیے انھیں اس خارش زدہ اونٹ سے تشبیہ دی ہے، جس کے جسم سے پیپ نکل رہی ہو اور علاج کے لیے اس کے سارے جسم پر گندھک مل دیا گیا ہو۔ جس کی بدبو بہت ہی شدید اور جس کا منظر بڑا ہی قبیح ہوتا ہے۔ قیامت کے دن اہل جرائم کے ساتھ جو کچھ ہوگا اس لیے ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ چکائے۔

سیدنا ابو مالک اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں، جنھیں وہ نہیں چھوڑیں گے: 1 حسب پر فخر۔ 2 نسب میں طعنہ زنی۔ 3 ستاروں سے بارش کی طلبی۔ 4 اور میت پر نوحہ۔" پھر فرمایا: "(سنو!) نوحہ کرنے والی نے اگر اپنی موت

سے پہلے توبہ نہ کی تو اسے قیامت کے دن گندھک کا قمیص اور کھجلی کا دوپٹا پہنایا جائے گا۔"[1]

اندازہ فرمایئے کہ پروردگار تو حاکمیت کے جلال میں ہوگا اور پیش ہونے والے انسان مجرموں کی صورت زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہونگے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کے گلے میں طوق بھی ہوں گے تو یہ بھی غلط نہیں، کیونکہ اصفاد کا لفظ زنجیروں، بیڑیوں اور طوقوں سب پر بولا جاتا ہے۔ نہ اپنی مرضی سے چل سکیں گے، نہ سر اوپر اٹھا سکیں گے، نہ آسانی سے حرکت کر سکیں گے اور ذلت کا عالم یہ ہوگا کہ ان کا لباس تارکول کا ہوگا۔ سرابیل، سربال کی جمع ہے۔ یہ قمیض کو بھی کہتے ہیں اور لباس کو بھی۔ اور قطران گندھک پر بھی بولا جاتا ہے، لیکن عام طور پر تارکول پر بولا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں ہی آتش پذیر مادے ہیں کہ ایک طرف تو شدت عذاب انتہا کو پہنچی ہوگی اور دوسری طرف ذلت کی بھی کوئی انتہاء نہیں ہوگی۔ یہ دراصل بدلہ ہوگا ہر شخص کے اعمال کا۔ کیونکہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مسجودِ ملائک بنایا لیکن اس نے اپنے آپ کو اس حد تک ذلیل کیا کہ بتوں کو اپنا مسجود بنالیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے عزت راس نہ آئی اور ذلیل ہو کر اس نے خوشی محسوس کی۔ جس شخص نے زندگی میں اپنے لیے یہ رویہ اختیار کیا اسے قیامت کے دن یقیناً ایسی ہی سزا ملنی چاہیے تھی۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ شدت و ذلت کا عذاب اربوں کھربوں مخلوق کو دیا جارہا ہوگا جبکہ ابھی اس کا تفصیلی حساب ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ حساب کب تک ہو سکے گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ تمہیں اس کا فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔ اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے محض اس بات کو قریب الفہم کرنے کے لیے فرمایا کہ اس سرعت حساب کو یوں سمجھو

---

[1]۔[مسلم، کتاب الجنائز، باب التشدید فی النیاحۃ: ۹۳٤۔ مسند أحمد: ۳٤۲/۵، ۳٤۳، ح: ۲۲۹٦۹]

کہ صبح حساب شروع ہوگا اور دو پہر تک ختم ہو جائے گا۔

امام واحدیؒ نے کہا ہے کہ اس آیت میں ہر شخص سے مراد کفار ہیں کیونکہ سیاق کلام کفار کے متعلق ہے امام رازیؒ نے فرمایا اس آیت کو اپنے عموم پر برقرار رکھنا بھی جائز ہے یعنی مومنین اور پرہیزگار جو نیک عمل کریں گے ان کو اس کے بدلے میں اچھی جزا ملے گی اور کفار اور فساق کو ان کے کفر اور فسق کی سخت سزا ملے گی۔

اس سے لوگوں کو ڈرایا ہے تا کہ وہ برے کاموں سے باز آجائیں اور توبہ کرنے میں جلدی کریں کیا پتا کس وقت موت آجائے۔

﴿ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ﴾

یہ (قرآن) لوگوں کو پہنچا دینا ہے، اور تا کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں اور تا کہ وہ جان لیں کہ وہ اکیلا ہی معبود ہے اور تا کہ عقلمند نصیحت حاصل کریں ۔

اس سورہ مبارکہ کی پہلی آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم نے اس قرآن مجید کو آپ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو کفر و شرک کے اندھیروں اور ہر قسم کی جہالت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی روشنی میں لا کھڑا کریں۔ کیونکہ یہی آپ کے رب کا بتلایا ہوا سیدھا راستہ ہے جو لوگ اس راستہ کی طرف نہیں آئیں گے ان کے لیے شدید ترین عذاب ہوگا۔ یہی پیغام موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو دیا اور اسی کی دعوت حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے دی۔ لہٰذا لوگوں کو

چاہیے کہ وہ ایک اللہ پر ایمان لائیں، اس کا حکم مانیں جو لوگ ایک اللہ کو چھوڑ کر ادھر ادھر مشکل کشا اور حاجت روا تلاش کرتے اور آخرت کو بھول بیٹھے ہیں انہیں ان کے انجام سے ڈرائیں۔ نصیحت کی نعمت کو وہی لوگ پائیں گے جو حقیقی عقل سے بہرہ مند ہیں۔ گویا کہ آخرت کے لیے تیاری کرنا اور عقیدہ توحید اپنانا اور اس کے تقاضے پورے کرنا عقل کی بات ہے۔ آخرت کو فراموش اور شرک کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔

یعنی قرآن اللہ کا پیغام ہے اور یہ پیغام عربوں کے لیے خاص نہیں بلکہ دنیا کی تمام قوموں اور تمام انسانوں کے لیے ہے۔

یہ ہے قرآن کا اصل مشن (Mission): اولاً خدا اور آخرت سے غافل لوگوں کو جگانا اور انہیں اس کے نتائج بد سے آگاہ کرنا۔

ثانیاً توحید یعنی اس حقیقت سے لوگوں کو واقف کرانا کہ اللہ کے سوا نہ کسی خدا کا وجود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہے

ثالثاً جو عقل سے کام لینے والے ہیں ان کے لیے تذکیر تا کہ وہ دنیا میں ایک ذمہ دارانہ زندگی گزاریں۔

سورہ الحجر

یہ پوری سورت مکی ہے اس میں چھ سو چون کلمات اور دو ہزار سات سو ستر حروف ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الحجر ہے، کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں الحجر کا ذکر ہے قرآن مجید کی وہ آیت یہ ہے: وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ الحجر: ۸۰) اور بیشک وادی حجر والوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ الحجر کا معنی علامہ حسین بن محمد اصفہانی متوفی 502ء لکھتے ہیں: حجر کا معنی منع کرنا ہے عقل کو بھی حضر کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو غلط اور برے کاموں سے روکتی ہے جو مکان پتھروں سے بنایا جائے اس کو بھی حجر کہتے ہیں۔ قوم ثمود کی آبادیاں چونکہ پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں اس لیے ان کو الحجر کہا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی الحجر: 80 میں ہے قرآن کریم میں حجر کا لفظ عقل کے معنی میں استعمال ہوا ہے: هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ (الفجر: ۵) بیشک اس میں عقل والے کے لیے عظیم قسم ہے۔ وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ (الانعام: ۱۳۸) اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں۔ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا (الفرقان: ۵۳) اور دریاؤں کے درمیان پردہ رکھا اور منع کی ہو حجاب۔[1]

زمانہ نزول

یہ سورت مکی ہے، یعنی یہ ہجرت سے پہلے اور مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اندازِ بیان سے مترشح ہوتا ہے

۱۔ (المفردات ج 1 ص 142 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ 1418ھ)

کہ اس کا نزول سابقہ سورہ ابراہیم کے متصل زمانے میں ہوا ہے۔ سورہ ابراہیم میں تہدید و وعید کفار کے لیے کسی حد تک مدھم انداز میں تھی۔ وہ اس سورہ میں بالکل کھل کر سامنے آ گئی ہے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو تسلی کسی حد تک مجمل انداز میں دی جا رہی تھی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت کے حوالے سے دبے لفظوں میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو اطمینان دلایا جا رہا تھا اب اس کی لے نمایاں ہو گئی اور لہجہ مستحکم ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلائل و براہین سے جو اساسی باتیں ان کے دماغوں میں اتاری جا رہی تھیں اور وہ ہر ممکن طریق سے اس سے ابا کر رہے تھے اب ان دلائل کی فراوانی میں کمی کی جا رہی ہے اور ان کے انکار کے انجام کو واضح طور پر ان کے سامنے لایا جا رہا ہے۔ مشرکینِ قریش نے جس طرح مسلسل ایک سے ایک بڑھ کر نشانی کا مطالبہ جاری رکھا ہوا تھا اب ان کی طرف سے صرف نظر کیا جا رہا ہے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو درخشاں مستقبل کی نوید سنائی جا رہی ہے۔ حق و باطل کی مسلسل کشمکش میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے جو صورتحال پیش آ رہی ہے اور جس کی وجہ سے بعض دفعہ آپ کی ہمتیں جواب دینے لگتی ہیں اس سورت میں آپ کو قدم قدم پر حوصلہ دیا جا رہا ہے اور ہمت کو توانا کیا جا رہا ہے۔

خواب میں سورہ الحجر کی تلاوت کرنا

جس نے خواب میں اس سورہ کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان میں محفوظ رہے گا۔ اور [اگر اس کا پڑھنے والا بادشاہ ہو تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی مدت قریب ہو گی اور اگر قاضی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی سیر اچھی ہو گی اور اگر تاجر ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ خاندان والوں پر فضیلت

حاصل کرے گا اور اگر عالم ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا عزت کی حالت میں انتقال ہوگا۔[1]

مضامین کا خلاصہ

رکوع 1: قرآن کی حقانیت، قیامت کے روز اہل غفلت کی حسرت اور کافروں کی سرکشی مذکور ہے۔ آخر میں اللہ کی طرف سے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لینا اور کافروں کی طرف سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب پر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔

رکوع 2: توحید کے دلائل اور عجائبات قدرت بیان کئے گئے ہیں۔

رکوع 3: آدم و ابلیس کی تخلیق، فرشتوں کے سامنے تخلیق آدم کا اعلان اور ابلیس کے غرور و تکبر کا بیان ہے۔ اس کے بعد ابلیس مردود پر ابدی لعنت اور ابلیس کا اعلان انتقام مذکور ہے۔

رکوع 4: اہل جنت کا ثواب اور نعمتیں اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

رکوع 5: قوم لوط اور اصحاب ایکہ (قوم شعیب) کا عذاب الٰہی کے نتیجے میں ہلاک ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع 6: شروع میں اصحاب حجر کا ذکر ہے پھر تخلیق کائنات کی حکمت و مصلحت اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے سبع مثانی اور قرآن عظیم کے تحفوں کا بیان ہے۔ آخر میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ کا پیغام صاف صاف پہنچانے کا حکم ہے۔

﴿ الٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ ﴾

الف۔لام۔را۔ یہ کتاب (الٰہی) کی آیتیں ہیں اور قرآن مبین کی۔

---

[1] (تعبیر الرویا، حضرت علامہ ابن سیرین)

الٓرٰ۔۔حروف مقطعات میں سے ہے۔اس پر ہم کسی حد تک تفصیل سے سورہ البقرہ کے آغاز میں عرض کر چکے ہیں۔اس لیے اب اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ آیت کریمہ اس سورت کی مختصر تمہید ہے جس کے فوراً بعد اصل خطبہ شروع ہو گیا ہے۔اس تمہید میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اس سورت کی آیات جو تمہارے سامنے ہیں یہ الکتاب کی آیات ہیں، یعنی اس کتاب کی جس کا پہلی کتابوں میں پروردگار نے وعدہ فرمایا تھا کہ انسانی بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مفصل کتاب نازل فرمائیں گے اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت اس کتاب کا حصہ ہے یعنی قرآن مجید کا کہ جو اپنی ذات میں مکمل کتاب کہلانے کی مستحق ہے۔ باقی جتنی کتابیں بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتاری گئی ہیں ان کی عظمت اور افادیت میں کوئی کلام نہیں۔ البتہ اس کتاب کے مقابلے میں ان کی حیثیت اس کتاب کے ابواب کی ہے۔ کیونکہ ان میں سے کسی کتاب میں بھی نہ آج کے مسائل کا ذکر ہے اور نہ ان کے حل کا اور نہ اس کے کسی باب میں تکمیلی شان پائی جاتی ہے۔

(آیت) "مبین"۔قرآن کریم نے جا بجا اپنے اس وصف پر زور دیا ہے کہ وہ "مبین"۔ ہے یعنی ظاہر ہے ،نمایاں ہے، روشن ہے، اپنے مطالب میں، اپنی دعوت میں، اپنے دلائل آیات میں۔یعنی اس کی کوئی بات نہیں جو الجھی ہوئی ہو اور مبہم ہو خصوصا جب کہ انسانیت کو اس کی ضرورت بھی ہو اس طرح ایسی مشکل ہو کہ سمجھ میں نہ آئے، نا قابل فہم ہو کہ سمجھی نہ جا سکے، ہر ذہن اسے بوجھ سکتا ہے ہر دل اسے قبول کر سکتا ہے ، ہر روح اس پر مطمئن ہو سکتی ہے، وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی سادی بات ہے جو انسان کے دل و دماغ کیلئے ہو سکتی ہے چونکہ وہ سچائی ہے اور سچائی کی کوئی بات بھی مشکل اور الجھی ہوئی نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے آپ کو" النور" بھی کہا ہے یعنی روشنی اور روشنی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر بات کو

نمایاں کر دیتی ہے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اگر وضاحت اور عذر نہیں ہے تو پھر اجالا بھی نہیں ہے، اجالا جب ہی ہوگا تو غور و وضاحت اپنے ساتھ لائے گا۔

﴿ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾

کسی وقت کافر لوگ تمنا کریں گے کہ اے کاش وہ مسلمان ہوتے۔

حضرت موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب دوخ والے دوزخ میں جمع ہو گے اور ان کے ساتھ وہ اہل قبلہ بھی ہوں گے جس کو اللہ چاہے گا تو کفار کہیں گے کیا تم مسلمان نہیں تھے۔؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں! پھر کفار کہیں گے تو تمہارے اسلام نے تم سے کونسا عذاب دور کر دیا تم بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں آ گئے ہو! مسلمان کہیں گے ہمارے گناہ کی وجہ سے ہم پر گرفت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ ان کی باتیں سنے گا پھر فرمائے گا جو لوگ اہل قبلہ سے ہیں، ان کو دوزخ سے نکالو۔ جب دوزخی یہ معاملہ دیکھیں گے تو حسرت سے کہیں گے کاش ہم بھی مسلمانہ ہوتے تو ہم بھی دوزخ سے اس طرح نکال لیا جاتا جس طرح ان کو نکال دیا گیا ہے پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی: رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (الحجر:۲) بسا اوقات کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ [1]

حضرت جابرؓ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میری امت میں سے کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا سو جب تک اللہ چاہے گا وہ دوزخ میں رہیں

۱۔ (کتاب السنہ رقم الحدیث: 843، جامع البیان رقم الحدیث: 15877، تفسیر امام ابن ابی حاتم: 12324، البعث والنشور رقم الحدیث: 85، المستدرک ج 2 ص 242، مجمع الزوائد ج 7 ص 48، تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 604)

گے پھر مشرکین ان کو عار دلائیں گے اور کہیں گے کہ تم اپنے ایمان اور اپنی تصدیق کی وجہ سے ہماری مخالفت کیا کرتے تھے اب ہم نہیں دیکھ رہے کہ تمہارے ایمان نے تمہیں کوئی نفع پہنچایا ہو۔ پھر ہر موحد کو اللہ دوزخ سے نکال لے گا اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی۔ ربما یودلذین کفروالوکانوا مسلمین۔ اس حدیث کی روایت میں محمد بن عباد متفرد ہے۔ (۱)

حضرت ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کو بھی دوزخ میں ڈال دے گا مشرکین کہیں گے تم دنیا میں یہ گمان کرتے تھے کہ تم اللہ کے اولیاء ہو پھر کی وجہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ دوزخ میں ہو۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی اس بات کو سنے گا تو ان کے لیے شفاعت کی اجازت دے دے گا پھر فرشتے اور انبیاء اور مومنین شفاعت کریں گے حتی کہ اللہ کی اجازت سے ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا جب مشرکین یہ معاملہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی ان کی مثل ہوتے تو ہمیں بھی ان کے ساتھ دوزخ سے نکال لیا جاتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے۔ ربما یودلذین کفروالو کانوا مسلمین، چونکہ دوزخ سے نکالے ہوئے ان مسلمانوں کے چہرے سیاہ ہوں گے تو جنت میں ان کا نام جہنمین رکھا جائے گا، پھر وہ دعا کریں گے اے رب! ہم سے یہ نام دور کردے اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا وہ جنت کے دریا میں نہائیں تو ان سے وہ سیاہی دور ہو جائے گی۔ (۲)

﴿ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝٣ ﴾

۱۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: 5142)

۲۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: 8106، تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 605)

(اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے کہ وہ (خوب) کھالیں اور فائدہ اٹھالیں اور ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں ان کو ان کی جھوٹی آرزوئیں (اور امیدیں)، عنقریب ان کو (سب کچھ) خود ہی معلوم ہوجائے۔

بدبختی کی علامت

رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ چار چیزیں بدبختی اور بدنصیبی کی علامت ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہونا (یعنی اپنے گناہوں، غفلتوں پر نادم ہوکر نہ رونا) اور سخت دلی، طول امل اور دنیا کی حرص۔ [1]

اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اس امت کے پہلے طبقہ نجات ایمان کامل اور دنیا سے اعراض کی وجہ سے ہوگی۔ اور آخری امت کے لوگ بخل اور طول امل کی وجہ سے ہلاک ہوں گے۔

اور حضرت ابوالدرداءؓ سے منقول ہے کہ وہ جامع مسجد دمشق کے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا اے اہل دمشق! کیا تم اپنے ایک ہمدرد خیر خواہ بھائی کی بات سنو گے سن لو! کہ تم سے پہلے بہت بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے مال ومتاع بہت جمع کیا اور بڑے بڑے شان دار محلات تعمیر کئے اور دور درازے طویل منصوبے بنائے آج وہ سب ہلاک ہوچکے ہیں ان کے مکانات، ان کی قبریں ہیں اور ان کی طویل امیدیں سب دھوکا اور فریب ثابت ہوئیں قوم عاد تمہارے قریب تھی جس نے اپنے آدمیوں سے اور ہر طرح کے مال ومتاع سے اور اسلحہ اور گھوڑوں سے ملک کو بھر دیا تھا، آج کوئی ہے جو ان کی

۱۔ (قرطبی عن مسند البزار عن انس)

وراثت مجھ سے دو درہم میں خریدنے کو تیار ہو جائے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی میں طویل امیدیں باندھتا ہے اس کا عمل ضرور خراب ہو جاتا ہے۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مربع شکل بنائی اور اس کے درمیان ایک خط کھینچا جو اس سے نکلا ہوا تھا اور اس کے بعد درمیان والے خط کے اس حصے پر جو مربع شکل کے اندر تھا، چھوٹے چھوٹے بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا: "یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ باہر نکلا ہوا (درمیانی خط) اس کی آرزو ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط مصائب ہیں۔ پس اگر وہ ایک مصیبت سے بچ نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں گرفتار ہو جاتا ہے۔" (۲)

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک چھڑی اپنے سامنے گاڑی، دوسری اس کے پہلو میں اور تیسری (اس سے) ذرا دور، پھر فرمایا: "کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟" انھوں نے عرض کی، اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے اور یہ اس کی آرزو ہے، اب وہ آرزو کے پانے کی کوشش میں ہے، لیکن آرزو (کے حصول) سے پہلے ہی موت اس کو آ پہنچتی ہے۔" (۳)

۱۔ (تفسیر قرطبی)

۲۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الأمل وطولہ: ٦٤١٧]

۳۔ [مسند أحمد: ۳/ ۱۸، ح: ۱۱۱۳۸۔ شرح السنۃ، کتاب الرقاق باب طول الأمل والحرص: ٤٠٩٢]

﴿ وَمَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ۞ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ۞ ﴾

اور ہم نے جس کسی بستی کو بھی ہلاک کیا ان کے لیے ایک وقت معین لکھا ہوا تھا۔(۴) کوئی بھی امت اپنے وقت سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے۔(۵)

ہر ظالم قوت کے عذاب کا وقت لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور جب وہ وقت آجاتا ہے تو اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی۔ جب کسی ظالم قوم کو لمبی مہلت مل جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی گرفت نہیں ہوگی، ان ظالموں کی گرفت دنیا میں نہ ہوئی تو آخرت میں ضرور ہوگی مگر اس دنیا میں ڈھیل کے پس پردہ کئی حکمتیں ہوتی ہیں جن کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر ان میں سے ایک یہ ہوسکتی ہے کہ ان میں سے بعض کا یا بعض کی اولاد کا ایمان لانا مقدر ہوتا ہے اور فوری عذاب آجائے تو وہ ایمان لانے سے پہلے ہی تباہ ہوجائیں گے جیسا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اہل طائف کی تباہی کے لیے اس لیے دعا نہ کی کہ شاید ان کی اولاد ایمان لے آئے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند سال بعد طائف کے باشندے اور ان کی اولاد ایمان لے آئے اور اگر انہیں اس وقت تباہ کردیا جاتا تو ان کی نسلیں ایمان کیسے لاتیں۔

﴿ وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ۞ لَوۡ

مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٧ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝٨

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر نصیحت اتری ہے تو بیشک دیوانہ ہے۔ (٦) تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتا، اگر تو سچا ہے؟۔(٧) ہم فرشتوں کو صرف حق (فیصلہ) کے ساتھ نازل کیا کرتے ہیں اور اس وقت ان کو مہلت نہیں دی جاتی۔(٨)

کافروں کی سرکشی

یہاں کافروں کے کفر، ان کی سرکشی اور ضد وعناد کا بیان ہے۔ وہ لوگ مذاق اور ہنسی کے طور پر آپ کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ آپ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ پر قرآن نازل کیا گیا ہے، آپ دوسروں کو احمق اور جاہل بتاتے ہیں اور آپ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ آخر کار آپ ہی غالب ہوں گے، یہ عقل و ہوش کی باتیں نہیں۔ یہ تو بلاشبہ دیوانوں جیسی باتیں ہیں۔ اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں تو ہمارے سامنے شہادت دینے کے لیے آپ فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے جو آپ کی تائید و تصدیق کرتے، ہمیں آپ کی بات ماننے پر مجبور کرتے، اگر ہم نہ مانتے تو ہمیں فوراً سزا دیتے۔

ماننے والوں کے لیے تو اب بھی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ لیکن جو لوگ راہ راست پر آنا ہی نہ چاہیں وہ تو فرشتوں کے آنے پر بھی نہ مانیں گے۔ اس لیے ان کے نازل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ عام طور پر

اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیج دیتا ہے اور پھر اس کو ذرا بھی مہلت نہیں دیتا۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں، ضماد مکہ میں آیا اور وہ قبیلہ ازدشنوءہ کا ایک فرد تھا۔ وہ جنوں اور آسیب وغیرہ کا دم کیا کرتا تھا۔ اس نے جب مکہ کے بیوقوفوں سے یہ سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہیں تو کہنے لگا، ذرا میں بھی انھیں دیکھوں، شاید اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے انھیں شفا دے دے۔ غرضیکہ وہ آپ سے ملا۔ اس نے کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں جنوں وغیرہ کا دم کیا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے میرے ہاتھ سے شفا دے دیتا ہے، آپ کو کیا مرض ہے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. اَمَّا بَعْدُ!) ضماد نے کہا ان کلمات کا اعادہ فرمایئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین مرتبہ ضماد کے سامنے ان کلمات کا اعادہ فرمایا۔ ضماد نے کہا، میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے، جادوگروں کی باتیں سنی ہیں، شاعروں کے اشعار سنے ہیں، لیکن آپ کے اس کلام جیسا کلام کبھی نہیں سنا، یہ کلام تو سمندر کی تہ تک پہنچ گیا ہے۔ آپ اپنا دست مبارک بڑھایئے، تاکہ میں اسلام پر آپ سے بیعت کرلوں۔ ضماد نے بیعت کی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اور اپنی قوم کی طرف سے؟" ضمادؓ نے کہا، ہاں، میں اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کرتا ہوں۔ (بعد ازاں مدینہ منورہ پہنچ کر ایک مرتبہ) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک چھوٹا لشکر روانہ فرمایا، وہ لشکر سیدنا ضمادؓ کی قوم کے پاس سے گزرا تو سردار لشکر نے کہا، تم نے اس قوم کی کوئی چیز تو نہیں لی؟ ایک

شخص نے کہا، ہاں! میں نے ان کا ایک لوٹا لیا ہے۔ سردار نے کہا، جاؤ! اسے واپس کر دو، یہ ضمادؓ کی قوم ہے۔[1]

﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۹ ﴾

بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کفار مکہ نے اس قرآن کا انکار کر دیا ہے تو کیا ہوا، اس کے خلاف ان کی کوئی سازش کارگر نہ ہوگی کیونکہ وہ اللہ کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اتارا ہے اور وہی اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔ اس میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے تسلی کا سامان بھی ہے اور تمام مسلمانوں کے لیے بہت بڑی خوش خبری بھی کہ اس مشعل ہدایت کو کوئی بجھا نہ سکے گا۔ اس کا نور قیامت تک انسانوں کو راہ دکھاتا رہے گا۔ آندھیاں چلیں گی، طوفان اٹھیں گے، بڑی بڑی سازشیں ہوں گی، لیکن جب تک قیامت نہیں آجاتی یہ قرآن بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تحریف کے باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔ قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری کا اس طرح پورا ہونا بھی قرآن مجید کی صداقت کی دلیل ہے اور پھر اس کے کلام کا معجزہ ہونا اس پر مستزاد ہے۔ قرآن مجید کا یہ اعجاز زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے: (قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ

۱۔ [مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ: ۸۶۸]

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا)[بنی إسرائیل:۸۸] "کہہ دے اگر سب انسان اور جن جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہیں لائیں گے، اگرچہ ان کا بعض بعض کا مددگار ہو۔" اور فرمایا: (اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ)[ھود:۱۳،۱۴] "یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے۔ کہہ دے پھر اس جیسی دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔ پس اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم حکم ماننے والے ہو؟"۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ دیا گیا اور اسی معجزہ کے مطابق لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ وحی (یعنی قرآن) ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی (کے ذریعے سے نازل) کیا ہے (یہ معجزہ چونکہ سب معجزوں سے بڑا ہے)، اس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے دیگر انبیاء کی پیروی کرنے والوں سے زیادہ ہونگے۔"[1]

سیدنا زید بن ثابت انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یمامہ کی لڑائی میں (جو مسیلمہ کذاب سے ہوئی تھی) بہت سے صحابہ شہید ہو گئے تو سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے مجھے بلا بھیجا۔ اس وقت سیدنا عمرؓ بھی ان کے پاس موجود تھے۔ میں گیا تو سیدنا ابو بکرؓ نے کہا، میرے پاس عمر آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یمامہ کی

۱۔[بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): بعثت بجوامع الکلم:۷۲۷۴۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالۃ نبینا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔الخ:۱۵۲]

لڑائی میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر اسی طرح اور لڑائیوں میں بھی قرآن کے علماء اور قاری شہید ہو گئے تو بہت سا قرآن دنیا سے اٹھ جائے گا، چنانچہ اگر قرآن کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے تو یہ ڈر نہیں رہے گا، لہٰذا آپ قرآن کو جمع کروا دیں۔ میں (ابوبکر) نے عمرؓ کو یہ جواب دیا، میں وہ کام کیسے کروں جسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہیں کیا، تو عمرؓ کہنے لگے، اللہ کی قسم! یہ اچھا کام ہے اور بار بار یہی کہتے رہے، تا آنکہ اللہ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میں عمرؓ کی رائے سے متفق ہو گیا۔ سیدنا زیدؓ کہتے ہیں کہ عمرؓ خاموشی سے یہ بات سنتے رہے۔ پھر سیدنا ابوبکرؓ مجھے کہنے لگے، تم جوان اور عاقل ہو اور ہم تمہیں سچا جانتے ہیں اور تم دور نبوی میں کاتب وحی رہے ہو، تو اب ایسا کرو کہ قرآن (کی جا بجا لکھی ہوئی تحریروں) کو تلاش کرو اور سب کو اکٹھا کر دو۔ زیدؓ کہتے ہیں کہ اگر ابوبکر (رض) مجھے پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے کہتے تو مجھے اتنا مشکل نہ ہوتا جتنا قرآن جمع کرنا ہوا ہے۔ میں نے ان سے بڑی تکرار کی، تا آنکہ اللہ نے میرا سینہ بھی کھول دیا، جس طرح ابوبکر و عمرؓ کا کھولا تھا اور میں نے یہ کام شروع کر دیا۔ میں نے قرآن کو کھال، کندھے کی ہڈی اور کھجور کی شاخوں سے (جن پر قرآن لکھا ہوا تھا) جمع کیا۔ پھر اکثر لوگوں کو یاد بھی تھا، یہاں تک کہ میں نے سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں: (لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾) کو خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے سوا کسی کے ہاں نہ پائیں۔ پھر یہ مصحف جس میں قرآن جمع کیا تھا، ابوبکرؓ کی زندگی تک ان کے پاس رہا،

پھر سیدنا عمرؓ کی زندگی میں ان کے پاس رہا اور ان کی وفات کے بعد ام المومنین سیدہ حفصہؓ کو ملا۔ [1]

موجودہ قرآن ہی اصل ہے

تما اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا تھا کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں جیسا کہ یہ قرآن محفوظ ہے۔ سوائے قرآن کے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس میں تغیر اور تبدل اور تصحیف وتحریف واقع نہ ہوئی ہو۔ انتہی۔

حضور پرنور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں ہزاروں آدمیوں نے قرآن سیکھا اور اس کو حفظ کیا چنانچہ بعضے بعضے غزوات میں ستر ستر قاری شہید ہوئے۔

اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ سے اب تک یہی حال ہے کہ ہر زمانے میں پشت در پشت ہزاروں قرآن کے حافظ ہوتے چلے اور مشرق اور مغرب کے حافظوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں پس جس کتاب کا یہ حال ہو اس میں کسی کی شرارت سے کمی وبیشی کا واقع ہوجانا عقلاً محال اور ناممکن ہے۔

مشرق اور مغرب نے قرآن کے مطبوعہ نسخوں کو ملا لو ذرہ برابر فرق نہ نکلے گا۔

روئے زمین کے مختلف زبانوں کی تفسیروں کو دیکھ لیا جائے سب کے سب ایک ہی قرآن کی تفسیریں ہیں۔

اس دلیل عقلی ونقلی کے بعد ہم ایک دلیل الزامی پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تمام روایات امامیہ سے یہ

---

[1] [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: (لقد جاءکم رسول من أنفسکم عزیز علیہ ما عنتم): ٤٦٧٩]

ثابت ہے کہ تمام اہل بیت (۱) اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور (۲) اسی کے خاص و عام سے تمسک کرتے تھے اور (۳) اسی قرآن کی آیتوں کو بطور استدلال پیش کیا کرتے تھے اور (۴) اپنے اہل و عیال کو اسی قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اور (۵) اپنے مردوں کو اسی قرآن کا ثواب پہنچاتے تھے اور (۶) اسی قرآن سے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا کرتے تھے اور (۷) بغیر وضو کے اسی قرآن کو مس نہیں کرتے تھے اور (۸) اسی قرآن کے اوامر و نواہی کے پابند تھے اور (۹) اسی قرآن کی تفسیر کیا کرتے تھے۔

امام حسن عسکری کی طرف جو تفسیر منسوب ہے وہ حرف بحرف اور لفظ بلفظ اسی قرآن کی ہے۔ اگر ترتیب عثمان تنزیل ربانی کے مخالف ہوتی تو امام حسن عسکری اس کی تفسیر نہ لکھتے کیا امام حسن عسکری کو پورا کلام اللہ یاد نہ تھا جو اس کی بھی تفسیر لکھتے اور مذہب شیعہ کے کبار علماء کی ایک جماعت مثلاً ابو علی، طبرسی، اور قاضی نور اللہ شوستری اور ملا صادق وغیرہم نے اس امر کا صاف اقرار کیا ہے کہ ترتیب عثمانی بالکل صحیح ہے اور عہد نبوی کے بالکل مطابق ہے اور تفسیر صراط مستقیم جو شیعوں کی معتبر تفسیر ہے۔ اس میں اس طرح ہے ای انا لہ لحفظون من التحریف والتبدیل والزیادۃ والنقصان اور سورہ حم سجدہ میں ہے لایتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ یعنی اس پر یعنی قرآن پر باطل (یعنی تحریف اور تناقص کا دخل نہیں) نہ آگے سے نہ پیچھے سے یعنی کسی وجہ سے، پس ثابت ہو گیا کہ مروج قرآن بلاشبہ منزل من اللہ ہے اور یہ قرآن بعینہ وہ ہی قرآن ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا اور جس کی آپ نے صحابہ کو تعلیم دی۔

سنن ابوداؤد میں باسناد و صحیح سوید بن غفلہ سے روایت ہے، قال علی بن ابی طالب لاتقولوا فی عثمان الا خیرا فواللہ ما فعل الذی فی المصاحق الا علی ملا منا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا عثمانؓ کے بارہ میں سوائے کلمہ خیر کے کوئی لفظ زبان سے نہ نکالو۔ خدا کی قسم عثمان نے مصاحف کو مدون اور مرتب کیا وہ ہم سب کے مشورہ

اور اتفاق سے کیا۔ عثمان غنیؓ نے جس قدر نسخے قرآن کریم کے لکھوائے وہ صحابہ کے سامنے پڑھے گئے اور پھر سب کے مشورہ سے مختلف بلاد کو بھیجے گئے ایسی صورت میں تغیر وتبدل کا امکان نہیں۔

فرقہ امامیہ کا عقیدہ

مذہب امامیہ کے بعض علماء اگر چہ اس قرآن کو محفوظ اور منزل من اللہ مانتے ہیں مگر جمہور علماء مذہب امامیہ مصحف عثمانی کو بعینہ صحیفہ آسمانی نہیں مانتے اور اس کو اصلی قرآن نہیں جانتے بلکہ اس کو ناقص مانتے ہیں اور متعقد تحریف ہیں حضرات شیعہ کے نزدیک اصل قرآن کی سترہ ہزار آیتیں تھیں جن میں سے اب صرف کل چھ ہزار آیتیں باقی ہیں جیسا کہ کالی کلینی میں ہے "عن ہشام بن سالم عن ابی عبداللہ ان القرآن الذی جاء بہ جبرائیل الی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سبعۃ عشر الف آیۃ"۔ شیعوں کی اس روایت کے مطابق کلام اللہ کا دو تہائی حصہ چوری اور خرد برد ہو گیا۔

یہ قرآن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا اور آپ پر اس کی تبلیغ فرض تھی کما قال اللہ تعالیٰ "یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک، وان لم تفعل فما بلغت رسلتہ"۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حسب ارشاد باری اس قرآن کی تبلیغ کی اور جو شخص عہد رسالت میں مشرف باسلام ہوا آپ نے اس کو یہی قرآن سکھایا اور خلفاء راشدین نے یہی قرآن جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سکھایا اور خلفاء راشدین نے یہی قرآن جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سیکھا تھا مسلمانوں کو سکھایا اور بشکل مصحف اس کو مرتب کر کے مسلمانوں کو دیا جو آج تک بنقل متواتر مسلسل چلا آرہا ہے اور جو قرآن شیخین اور عثمان غنیؓ نے جمع کیا اور اس کی جمع وترتیب میں از اول تا آخر حضرت علیؓ شریک رہے اور اپنے زمانہ خلافت میں بلکہ ساری عمر نماز وغیرہ میں اسی قرآن کو پڑھتے رہے پس اگر حضرت علیؓ کے

نزدیک مصحف عثمانی غلط اور باطل تھا تو اپنے دور خلافت اور زمانہ حکومت میں اس کو منسوخ کر کے لوگوں کو صحیح قرآن سے کیوں آگاہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ عن کے نزدیک بھی مصحف عثمانی اصلی اور صحیح قرآن تھا۔

صحیح مسلم میں عیاض بن حمار کی روایت میں ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں وانزلت علیک کتابا لایغسلہ الماء۔ یعنی اے نبی میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی سے بھی نہیں دھوسکتا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمام بنی آدم مل کر بھی اس قرآن کو مٹانے کی کوشش کریں تو اس پر قادر نہ ہوں گے۔ الحمد للہ یہ دولت اہل سنت کو نصیب ہوئی اور حضرات شیعہ اس دولت عظمیٰ سے محروم کر دیئے گئے۔ حتی کہ شیعہ کلام اللہ کے نہ یاد ہونے میں ضرب المثل ہو گئے اہل سنت ہی قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ الذین اتینھم الکتب یتلونہ حق تلاوتہ، اولئک یؤمنون بہ، ومن یکفر بہ فاولئک ھم الخسرون۔ تلاوت قرآن اہل سنت کا شعار ہے۔

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٠ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١١ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝١٢ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣ ﴾

اور بیشک ہم نے آپ سے قبل پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے۔(۱۰) اور جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آتا تھا تو اس کا مذاق اڑاتے تھے۔(۱۱) اسی طرح ہم (تمسخر اور استہزاء) مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں۔(۱۲) وہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائیں گے، اور یقیناً یہی پہلے لوگوں کا طریقہ رہا ہے۔(۱۳)۔

اور اے پیغمبر اسلام! یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی پچھلے گروہوں میں رسول بھیجے تھے،" اور ان کی بھی انکی قوموں نے تکذیب کی تھی اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب پیغمبروں کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں ہے، پھر ان تکذیب کرنے والوں کا حال، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پڑھا اور سنا؟ پھر یاد رکھو کہ جو حال ان کا ہوا تھا وہی حال انکا بھی ہوگا لیکن وہ وقت تم کو بتایا نہیں گیا اور یہ بات یقینی ہے کہ جب وقت آئے گا تو وہی کچھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہونا طے شدہ ہے اور یہ بھی کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کا اعلان بھی کر دیا جائے گا کہ تم نے میرے رسول کی مخالفت کی اس لیے تمہارے لیے اس طرح کا عذاب مقرر کیا گیا ہے۔

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: ارشاد فرمایا: (يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ)[یٰسٓ: ۳۰] "ہائے افسوس بندوں پر! ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا رہا مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔"

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی: (اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ)[الحجر:۹۵

] "بیشک ہم تجھے مذاق اڑانے والوں کے مقابلے میں کافی ہیں۔" اور فرمایا، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مذاق اڑانے والے یہ لوگ تھے، ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث زہری، ابوزمعہ اسود بن مطلب، حارث بن عیطل سہمی اور عاص بن وائل۔ سیدنا جبرائیل (علیہ السلام) رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے تو اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مذاق اڑانے والوں کی شکایت جبرائیل (علیہ السلام) سے کی۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے ولید کو کردیا اور اس کی بغل میں ایک رگ کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا: "آپ نے (ولید کے ساتھ) کیا کیا؟" جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا: "میں نے اس کو سزا دے دی۔" اس کے بعد جبرائیل (علیہ السلام) نے اسود کو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے کردیا اور اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے بارے میں بھی جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا: "آپ نے (اس اسود کا) کیا کیا؟" جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا: "میں نے اس سے نپٹ لیا۔" پھر جبرائیل (علیہ السلام) نے ابوزمعہ کو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے کیا اور اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جبرائیل (علیہ السلام) سے کہا: "آپ نے اس کا کیا بندوبست کیا؟" جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا: "میں نے اس سے بھی بدلہ لے لیا۔" اس کے بعد جبرائیل (علیہ السلام) نے حارث کو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے کیا اور اس کے سر یا پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "میں نے اس سے بھی انتقام لے لیا۔" اسی طرح عاص کا گزر ہوا تو جبرائیل (علیہ السلام) نے اس کے پاؤں کے تلوے کی جانب اشارہ کیا اور کہا: "میں نے اس کو بھی

دبوچ لیا۔" ولید کو سزا اس طرح ملی کہ خزاعہ قبیلے کا ایک شخص جو اپنے تیروں کو ترتیب دے رہا تھا، اس کے پاس سے ولید کا گزر ہوا تو ایک تیر اس کی بغل کے نیچے رگ پر جا لگا اور اس نے رگ کو کاٹ دیا۔ اسود بن مطلب اندھا ہو گیا۔ اسود بن عبد یغوث سے انتقام اس طرح لیا گیا کہ اس کے سر میں زخم ہو گئے جن کی وجہ سے وہ مر گیا۔ حارث سے انتقام اس طرح لیا گیا کہ زرد پانی نے حارث کو گھیر لیا، وہ اس کے پیٹ میں داخل ہو گیا اور صورت حال یہ ہو گئی کہ اس کا پاخانہ اس کے منہ سے نکلنے لگا، پھر وہ اس (بیماری کی وجہ) سے مر گیا۔ عاص کو سزا اس طرح ملی کہ اس کے سر میں اس طرح کا پھوڑا نکلا جس طرح کا ایک کانٹے دار پودا حجاز کے ریگستان میں اگتا ہے، اس کانٹے دار حجازی پودے کی طرح کا پھوڑا اس کے سر میں نکلا، سارے سر میں پھیل گیا اور وہ اس سے مر گیا۔ عاص کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ گدھے پر سوار ہو کر طائف کی طرف نکلا، گدھا کودا، اس نے اس کو کانٹوں پر گرا دیا، کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں پیوست ہو گیا اور وہ اسی سے مر گیا۔ [1]

﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۙ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ﴾

اور اگر ہم ان (کافروں) پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول بھی دیتے اور وہ سارا دن

۱۔ [السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/۸، ح: ۱۷۷۳۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/۳۱۶ تا ۳۱۸]

اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔(۱۴) تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ ہماری تو نظر بندی کر دی گئی ہے، بلکہ ہم پر تو بالکل ہی جادو کر دیا گیا ہے۔(۱۵)

جب تک قریش اور دیگر مشرکین سنجیدگی اور متانت سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت پر غور وفکر کے لیے آمادہ نہیں ہوتے اور وہ دنیا اور آخرت کی حقیقت پر تدبر سے کام نہیں لیتے اور قرآن کریم کی تعلیم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے محض آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو زچ کرنے کے لیے نئے سے نئے معجزے اور نئی سے نئی نشانی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ایسی صورت میں اگر ہم ان کے سامنے آسمان میں کوئی دروازہ بھی کھول دیں کہ تم اگر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حقانیت کی دلیل کے طور پر کوئی نشانی دیکھنا چاہتے ہو تو لو ہم تمہارے لیے یہ دروازہ کھولے دیتے ہیں اور پھر وہ دن کے اجالے میں اس میں آتے جاتے بھی رہیں تب بھی وہ بجائے اس حق کو قبول کرنے کے یہ عذر کریں گے کہ ہم تو یہ جان ہی نہیں سکے کہ ہمیں کیا دکھایا جا رہا ہے، ہمیں تو یوں لگتا ہے کہ ہماری نگاہیں بند کر دی گئیں، ان پر جادو کر دیا گیا، ہم بظاہر دروازے سے آئے گئے بھی لیکن کچھ نہیں دیکھ سکے بلکہ ہم تو اپنے آپ کو یوں محسوس کرتے ہیں کہ ہم تو مکمل طور پر جادو اور سحر کی زد میں ہیں اور جادو ہم پر غالب آچکا ہے۔اس لیے ہم یہ اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ یہ ہے سوچ ان لوگوں کی جو حقیقت کو حقیقت کے انداز میں دیکھنے کی بجائے ہر چیز کو اپنے مزعومات کی نگاہ سے دیکھتے اور اپنی خواہشات کے ترازو میں تولتے ہیں۔

﴿ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنّٰهَا

لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ
اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾

اور بلاشبہ ہم نے ہی آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے ان کو مزین کر دیا۔(۱۶) اور ہر شیطان مردود سے ہم نے اسے محفوظ کر دیا۔(۱۷) مگر ہاں جو کوئی چوری چھپے سے سن لے تب ایک چمکتا ہوا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔(۱۸)

خالق کائنات کا ارشاد ہے کہ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے خوبصورت بنایا اور شیطان مردود سے انہیں محفوظ کر دیا۔ اگر کوئی شیطان چوری چھپے سننا چاہے تو ایک روشن اور بھڑکتا ہوا شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔ پرانے زمانے کے اہل ہئیت یعنی فلکیات کا علم رکھنے والے لوگوں نے آسمان دنیا کے بارہ برج متعین کر رکھے ہیں مگر قرآن مجید کے بروج سے مراد وہ برج نہیں ہیں۔ بروج سے مراد کچھ اہل علم نے پہلے آسمان کے دروازے لیے ہیں۔ جن دروازوں کے ذریعے ملائکہ زمین پر اترتے اور پھر آسمان میں داخل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بروج سے مراد آسمان کے دروازوں میں ڈیوٹی دینے والے چوکیدار ملائکہ ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے شہاب ثاقب کی صورت میں اسلحہ دے رکھا ہو جن سے وہ شیاطین کو بھگاتے ہیں۔ اکثر علماء نے بروج سے مراد ستارے اور سیارے لیے ہیں۔ جن سے آسمان کو خوبصورت اور محفوظ بنایا گیا ہے۔ سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے برج کے بارے میں ہمیں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ البتہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آسمان کی حفاظت اور شیاطین کے تعاقب کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا

ہے۔[1]

"شہاب مبین" کے لغوی معنی "روشن شعلہ" کے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کے لیے "شہاب ثاقب" کا لفظ استعمال ہوا ہے، یعنی "تاریکی کو چھیدنے والا شعلہ۔" اس سے مراد ضروری نہیں کہ وہ ٹوٹنے والا تارہ ہی ہو جسے ہماری زبان میں شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ شعاعیں ہوں، مثلاً کائناتی شعاعیں (CosmicRays) یا ان سے بھی زیادہ شدید قسم کی کوئی چیز جو ابھی ہمارے علم میں نہ آئی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہی شہاب ثاقب مراد ہوں جنہیں کبھی کبھی ہماری آنکھیں زمین کی طرف گرتے ہوئے دیکھتی ہیں۔ زمانہ حال کے مشاہدات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ دوربین سے دکھائی دینے والے شہاب ثاقب جو فضائے بسیط سے زمین کی طرف آتے نظر آتے ہیں، ان کی تعداد کا اوسط ۱۰ کھرب روزانہ ہے، جن میں سے دو کروڑ کے قریب ہر روز زمین کے بالائی خطے میں داخل ہوتے ہیں اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔ ان کی رفتار بالائی فضا میں کم وبیش ۲۶ میل فی سیکنڈ ہوتی ہے جو بسا اوقات ۵۰ میل فی سیکنڈ تک دیکھی گئی ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ برہنہ آنکھوں نے بھی ٹوٹنے والے تاروں کی غیر معمولی بارش دیکھی ہے۔ چنانچہ یہ چیز ریکارڈ پر موجود ہے کہ ۱۳ نومبر ۱۸۳۳ء کو شمالی امریکہ کے مشرقی علاقے میں صرف ایک مقام پر نصف شب سے لے کر صبح تک ۲ لاکھ شہاب ثاقب گرتے ہوئے دیکھے گئے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) ہوسکتا ہے کہ یہی بارش عالم بالا کی طرف شیاطین کی پرواز میں مانع ہوتی ہو، کیونکہ زمین کے بالائی حدود سے گزر کر فضائے بسیط میں ۱۰ کھرب روزانہ کے اوسط سے ٹوٹنے والے تاروں کی برسات ان کے لیے اس فضا کو بالکل ناقابل

۱۔ (رواہ البخاری: کتاب التفسیر سورہ سبا)

عبور بنا دیتی ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ حدیث پہنچی جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی کے ساتھ اپنے پر ہلاتے ہیں جس طرح کہ چٹان پر پھوار پڑتی ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ملائکہ اس حکم کا نفاذ کرتے ہیں جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ کہتے ہیں حق فرمایا۔ وہی سب سے بلند و بالا ہے پس شیاطین اسے چوری چھپے سنتے ہیں اور ان کے سننے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے کندھوں پر سوار ہوتے ہوئے آسمان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سفیان نے اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے سے اس کو بیان کرتے کیا بسا اوقات سننے والے شیطان پر شہاب ثاقب لپکتا ہے پہلے اس کے کہ وہ اس بات کو اپنے ساتھی تک پہنچائے وہ اس کو جلا دیتا ہے اور بسا اوقات شہاب ثاقب اسے نہیں پہنچتا یہاں تک کہ وہ شیطان اسے نیچے والوں تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ بات چلتے چلتے زمین والوں تک پہنچ جاتی ہے ابو سفیان کہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس بات کو زمین والوں تک پہنچا دیتا اور اسے جادوگر کے منہ میں القاء کرتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے اس کی ایک بات کی وجہ سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے وہ کہتا ہے میں نے فلاں فلاں موقع پر تمہیں فلاں فلاں بات نہیں بتلائی تھی اور وہ حق ثابت ہوئی تھی اس وجہ سے کہ وہ بات انھوں نے آسمان سے سنی تھی۔" [2]

﴿ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

۱۔ (بحوالہ تفہیم القرآن)

۲۔ [رواہ البخاری: باب قَوْلِهِ (إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ)]

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿٢٠﴾

اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس پر پہاڑ رکھ دیے اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی گئی۔ (۱۹) اور ہم نے اس میں تمہارے لیے بھی روزی کے سامان پیدا کیے ہیں اور ان (مخلوقات) کے لیے بھی جن کو تم روزی دینے والے نہیں ہو۔ (۲۰)

اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت کا بیان ابھی جاری ہے کہ زمین کو انسانوں کے لیے فرش بنا کر پھیلا دیا اور بڑے بڑے پہاڑوں کو اس کے اوپر جما دیا، تاکہ حرکت نہ کرے اور اپنی حکمتوں کے تقاضے کے مطابق اس پر پودے اگائے۔ بایں طور کہ ان چیزوں میں کوئی شخص نہ کمی لا سکتا ہے اور نہ زیادتی اور ایک بڑی ہی عمدہ ہیئت و کیفیت میں انھیں پیدا کیا ہے اور انسانوں کے کھانے پینے، پہننے کی چیزیں اور دیگر جتنی ضروریات زندگی ہو سکتی ہیں ان سب کو زمین پر مہیا کیا۔ جانوروں، چوپایوں اور دیگر تمام مخلوقات کے لیے روزی فراہم کی اور قدرت و خالقیت پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے پاس ہر چیز کا خزانہ ہے، وہ جب چاہے اور جتنا چاہے ظاہر کر دے، لیکن وہ آسمان سے زمین پر اپنے بندوں کے لیے اتنا ہی اتارتا ہے جس کا اس کی مشیت تقاضا کرتی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ) [الشوریٰ: ۲۷] "اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا تو یقیناً وہ زمین میں سرکش ہو جاتے اور لیکن وہ ایک اندازے کے ساتھ اتارتا ہے، جتنا چاہتا ہے، یقیناً وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر، خوب دیکھنے والا

ہے۔"

﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ
مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ
وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ ﴾

اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ اندازے سے ہی اتارتے ہیں۔(۲۱) اور ہم ہی ہوائیں بھیجتے ہیں جو کہ بادلوں کو (پانی سے) بھر دیتی ہیں۔ پھر بلندی سے پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم تمہیں سیراب کر دیتے ہیں اور تم اتنا پانی جمع کر کے نہیں رکھ سکتے تھے۔(۲۲) اور بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ (۲۳)

انسانوں کے سامان معاش ورزق میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ہوں۔ وہ ان میں سے جتنا چاہتا ہے جب اور جہاں چاہتا ہے نازل فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کا تنہا مالک ہے۔ ہر کام اس پر آسان ہے۔ وہی ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔

پھر وہ تمہارے لیے آسمان سے میٹھا پانی برساتا ہے۔جس کو تم پیتے بھی ہو اور اس سے دوسرے کام بھی کرتے ہو۔اگر وہ چاہے تو اس پانی کو کھارا اور کڑوا کر دے۔پھر فرمایا کہ اس بارش کا خزانہ ہمارے پاس ہے۔تمہارے پاس نہیں۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ چشموں، تالابوں اور کنوؤں وغیرہ میں پانی جمع رکھنا تمہارا کام نہیں۔یہ ہمارے ہی اختیار میں ہے۔

ہم مخلوق کی ابتداء اور پھر اس کے اعادے پر قادر ہیں۔بلاشک وشبہ ہم ہی زندہ کرتے اور موت دیتے ہیں۔زمین اور اہل زمین میں سب کے ہم ہی وارث ہیں۔سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے ہمارے علم کی کوئی انتہا نہیں۔اول وآخر سب ہمارے علم میں ہے۔تمہاری کوئی حالت ہم سے پوشیدہ نہیں۔ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور تمہارے پچھلوں سے بھی واقف ہیں۔تمہارا رب وہی ہے جس کو ایک ایک ذرہ کا علم ہے۔جب اس کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوگی کہ سب کو حساب وکتاب اور انصاف کے لیے جمع کیا جائے تو اس میں اس کو ذرا بھی دشواری نہ ہوگی۔

﴿ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾ ﴾

اور بیشک ہم جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی اور بیشک ہم جانتے ہیں پیچھے رہنے والوں کو بھی۔(۲۴) اور بیشک آپ کا پروردگار ہی ان سب کو جمع

کرے گا، بیشک وہ بڑی حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔(۲۵)

شان نزول: (آیت) "ولقد علمنا المستقدمین"۔(الخ)

امام ترمذیؒ، نسائیؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ تمام لوگوں میں ایک سب سے زیادہ خوبصورت عورت حسناء رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھی تو کچھ لوگ آگے بڑے کر پہلی صف میں کھڑے ہوا کرتے تھے تا کہ اس عورت پر نظر نہ پڑے اور کچھ لوگ پیچھے ہٹ کر پچھلی صف میں کھڑے ہوا کرتے تھے تا کہ اپنی بغلوں کے درمیان سے اس کو دیکھ سکیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور ہم تمہارے پچھلوں کو بھی جانتے ہیں، اور ابن مردویہ نے داؤد بن صالح سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سہل بن حنیف انصاری سے آیت کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا یہ آیت جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا نہیں بلکہ نمازوں کی صفوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ اگلے اور پچھلے تمام انسانوں کی خبر رکھتا ہے۔آدم (علیہ السلام) سے لے کر جتنے لوگ دنیا میں آئے اور گزر گئے اور جتنے لوگ قیامت تک پیدا ہونگے، سب کی خبر رکھتا ہے۔کون انبیاء پر ایمان لایا، کس نے اللہ کی بندگی کی اور کس نے نافرمانی کی؟ کوئی بات بھی اس سے مخفی نہیں اور یہ حقیقت جس طرح اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے، اسی طرح اس کے کمال علم کی بھی دلیل ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اول وآخر تمام انسانوں کو ان کی کثرت کے باوجود میدان محشر میں جمع کرے گا اور اپنے علم وحکمت کے مطابق ان سے معاملہ کرے گا۔کس آدمی کے اندر کون سی بری صفت پوشیدہ ہے اس سے کچھ بھی مخفی

---

[1]۔اسنادہ ضعف،

نہیں ہے، سب کو ان کے اعمال و اخلاق کے مطابق بدلہ دے گا۔

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ﴿۲۶﴾
وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ ﴾

اور بلاشبہ ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو پہلے سیاہ سڑا ہوا گارا تھی۔(۲۶) اور اس (انسان) سے پہلے ہم نے جنوں کو آگ کی لو سے پیدا کیا (۲۷)۔

امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کی تخلیق کے لیے تمام روئے زمین سے مٹی لی گئی، پھر اس مٹی کو زمین پر ڈال دیا گیا حتیٰ کہ وہ چمٹنے والی مٹی ہوگئی، پھر اس کو چھوڑ دیا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ بدبودار گارا ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے چالیس دنوں میں آدم (علیہ السلام) کا پتلا تیار کیا حتیٰ کہ وہ خشک ہوگیا اور ٹھیکرے کی طرح بجنے والی خشک مٹی ہوگیا کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو اس سے کھن کھن کی آواز نکلے۔ (تفسیر درمنثور)

مٹی کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں، خشک مٹی "تراب"، گیلی مٹی "طِین"، گوندھی ہوئی بدبودار "حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ"، یہ "حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" خشک ہو کر کھن کھن بولنے لگے تو "صَلْصَالٍ" اور جب اسے آگ میں پکا لیا جائے تو "کالفخار" (ٹھیکری) کہلاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جس طرح تذکرہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم خاکی کا پتلا "حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" (گوندھی ہوئی، سڑی ہوئی، بدبودار) مٹی سے بنایا گیا۔ جب وہ سوکھ کر کھن کھن کرنے لگا، یعنی "صَلْصَالٍ" ہوگیا

تو اس میں روح پھونکی گئی، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ)[الرحمٰن:۱۴،۱۵] "اس نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا، جو ٹھیکری کی طرح تھی۔ اور جن کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔" اور فرمایا: (وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ)[المؤمنون:۱۲] "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو حقیر مٹی کے ایک خلاصے سے پیدا کیا۔" ابلیس جن ہے اور اس نے اپنی نافرمانی کی وجہ بتاتے ہوئے یہی کہا تھا کہ اے اللہ! مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے، لہٰذا میں انسان سے افضل ہوں کہ سے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:)وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ)[الکھف:۵۰] "اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، وہ جنوں میں سے تھا، سو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔" اور فرمایا: (وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ)[الاعراف:۱۱،۱۲] "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تمہارا خاکہ بنایا، پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، وہ سجدہ کرنے والوں سے نہ ہوا۔ فرمایا تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ نہیں کرتا، جب میں نے تجھے حکم دیا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور تو نے اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔"

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "فرشتے نور سے پیدا کیے

گئے اور جن شعلے والی آگ سے اور آدم (علیہ السلام) اس سے جس کا وصف تمہارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے (یعنی مٹی سے)۔"[1]

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٨﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٣٣﴾ ﴾

اور یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑے ہوئے گارے کی بجتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ (۲۸) پس جب میں اسے بنا لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ (۲۹) پس سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ (۳۰) سوائے ابلیس کے

۱۔[مسلم، کتاب الزھد، باب فی أحادیث المتفرقۃ:۲۹۹۶]

کہ اس نے اس سے انکار کیا کہ وہ سجدے کرنے والوں کے ساتھ ہو۔(۳۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدے کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا ۔(۳۲) ابلیس نے کہا مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں سجدہ کروں ایک ایسے بشر (اور انسان) کو جسے آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی ہے۔(۳۳)

قرآن مجید کا یہ بھی اسلوب ہے کہ وہ کسی واقعہ کو کہانی اور زیب داستان کے لیے بیان نہیں کرتا۔ بلکہ ہر بات کو موقع محل کے مطابق اور موثر نصیحت کے طور پر بیان کرتا ہے۔ اثر آفرینی کے لیے کسی بات کا دوبارہ ذکر کرنا مقصود ہو تو اس کا انداز اور الفاظ پہلے بیان سے مختلف ہوتے ہیں۔ تاکہ پڑھنے والے کو نئے انداز کے ساتھ اس کی راہنمائی کے لیے نئی دلیل پیش کی جائے۔ اسی اصول کے پیش نظر حضرت آدم (علیہ السلام) کی تخلیق کا یوں بیان فرمایا ہے کہ اے انسان! جب تیرے رب نے ملائکہ کو حکم دیا کہ یقیناً میں بدبودار اور کھنکھناتی مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سب کے سب ملائکہ نے سجدہ کیا۔ پہلے پارے میں اس کی یوں تفصیل بیان فرمائی کہ جب آپ کے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ خلیفہ سے مراد نمائندہ اور حکمران ہے۔ لیکن ملائکہ نے کہا، کیا آپ زمین میں اس کو خلیفہ بنائیں گے جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ ہم آپ کی حمد و ستائش کے ساتھ تسبیح اور پاکی عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا جو کچھ میں جانتا

ہوں تم نہیں جانتے۔ پھر آدم (علیہ السلام) کو تمام چیزوں کے نام بتلائے گئے۔ اس کے بعد ان چیزوں کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے پوچھا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ ملائکہ نے معذرت پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ اے اللہ! تو پاک ہے ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں بتلایا ہے۔ یقیناً تو ہی سب کچھ جاننے والا ہے اور تیرے ہر کام اور فرمان میں حکمت پنہاں ہوتی ہے۔ پھر آدم (علیہ السلام) کو ان چیزوں کے نام بتلانے کا حکم دیا اور آدم (علیہ السلام) نے سب چیزوں کے نام بتلائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں زمین و آسمان کے غیب کو جانتا ہوں اور میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اس کے بعد ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کریں۔ ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ یہاں فرمایا کہ جب میں اس کا ڈھانچہ بنالوں اور اپنی روح پھونک دوں پھر سب کے سب اسے سجدہ کرو۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں: روح جسم لطیف ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کردی ہے کہ جب وہ بدن میں ہو تو اللہ تعالیٰ بدن میں حیات پیدا کر دیتا ہے اور ہم نے اپنی کتاب التذکرہ میں احادیث ذکر کی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ روح جسم لطیف ہے او یہ کہ نفس اور روح ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ [1]

تخلیق آدم سے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا کیا، جسے اس نے ساری زمین سے جمع کیا تھا۔" [2]

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن جز 10 ص 23 مطبوعہ دار الفکر بیروت 1415ھ)

۲۔ [ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورہ البقرۃ: ۲۹۵۵]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب اللہ نے جنت میں آدم (کے پتلے) کو بنایا تو جب تک چاہا یونہی (بغیر روح پھونکے) چھوڑے رکھا۔ تو ابلیس نے ان کے ارد گرد چکر لگانے شروع کیے اور وہ انھیں بغور دیکھتا رہا کہ وہ کیا ہے، جب اس نے یہ دیکھا کہ یہ خالی پیٹ ہے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ اس انداز سے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے گا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوا، جمعہ کا دن ہے اور جمعہ ہی کے دن آدم (علیہ السلام) پیدا کیے گئے۔"[2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "آدم (علیہ السلام) پیدا کیے گئے تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔"[3]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو ان کی صورت پر پیدا کیا اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ تو جب پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا، جاؤ (سامنے) بیٹھے ہوئے فرشتوں کی جماعت کو سلام کرو اور سنو کہ وہ تمہیں کیا دعا دیتے ہیں، وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ آدم (علیہ السلام) نے کہا "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" تو فرشتوں نے کہا "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ" انھوں نے "رَحْمَةُ اللهِ" کا اضافہ کیا۔"[4]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے

۱۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب خلق الإنسان خلقًا لا یتمالک: ۲۶۱۱]

۲۔[مسلم، کتاب الجمعۃ، باب فضل الجمعۃ: ۸۵٤]

۳۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریتہ: ۳۳۲٦۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب یدخل الجنۃ أقوام۔۔الخ: ۲۸٤۱]

۴۔[بخاری، کتاب الاستئذان، باب بدء السلام: ٦۲۲۷]

آدم (علیہ السلام) کو پیدا فرمایا، تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، ہاتھ پھیرتے ہی ہر روح جوان کی اولاد میں قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، باہر نکل آئی۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان نور میں سے ایک چمک پیدا کی اور پھر ان روحوں کو آدم (علیہ السلام) کے سامنے پیش فرما دیا۔ آدم (علیہ السلام) نے کہا، اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ تمہاری اولاد ہے۔ آدم (علیہ السلام) نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا تو انھیں اس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک بہت پسند آئی۔ انھوں نے کہا، اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا، یہ تمہاری اولاد میں سے آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے، اس کا نام داؤد ہے۔ پوچھا، آپ نے اس کی عمر کتنی رکھی ہے؟ فرمایا، ساٹھ سال۔ عرض کی، اے میرے رب! میری عمر میں سے ان کے چالیس سال بڑھا دیجیے۔"[1]

﴿ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٣٧﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہاں سے نکل جا بیشک تو مردود ہے۔ (۳۴) اور بیشک تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت برسے گی۔ (۳۵) اس نے کہا اے میرے رب تو مجھے اس دن تک کے لیے مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کئے جائیں

---

[1] ۔[ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الأعراف: ۳۰۷۶]

گے۔(۳۶)اللہ تعالیٰ نے کہا بلاشبہ تجھ کو مہلت دی گئی۔(۳۷)اس دن تک جس کا وقت مقرر ہے۔(۳۸)

اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ چونکہ تو نے میرا حکم نہیں مانا اس لیے اب تو جنت اور آسمان سے نکل جا ۔ بلاشبہ تو مردود ہے۔اب بلاشبہ تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔اس کے بعد جو بیشمار قسم کے عذاب ہوں گے وہ لعنت سے کہیں زیادہ ہیں ۔ یہ سن کر ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب ! جب تو نے مجھے جنت سے نکال ہی دیا اور مجھ پر لعنت کر دی تو میری زندگی کو اس دن تک طویل کر دے جس دن لوگ قبروں سے دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا تجھے ایک خاص وقت تک زندگی کی مہلت ہوگی جو اللہ کو معلوم ہے۔

قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون یہ ابلیس کی طرف سے سوال اور درخواست ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے مقام و مرتبہ کے اعتماد اور ثقاہت کی وجہ سے نہیں ہے، اور یہ کہ وہ اس اہل ہے کہ اس کی دعا اور درخواست کو قبول کیا جائے ؛ بلکہ اس نے اپنے عذاب کو موخر کرنے اور اپنی آزمائش اور امتحان میں اضافہ اور زیادتی کرنے کے لیے یہ سوال کیا؛ جیسا کہ سلامتی سے مایوس اور ناامید کا فعل ہوتا ہے۔ اور اس نے اپنے سوال میں مردوں کے قبروں سے اٹھائے جانے کے دن تک مہلت دینے سے ارادہ یہ کیا کہ وہ نہ مرے، کیونکہ قبروں سے اٹھائے جانے کے دن میں کوئی موت نہیں اور نہ اس کے بعد کوئی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فانک من المنظرین یعنی تو مہلت دیئے ہوئے گروہ میں سے ہے۔الی یوم الوقت المعلوم حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا: اللہ تعالیٰ نے اس سے نفخہ اولیٰ کا ارادہ فرمایا ہے، یعنی جس وقت مخلوق کو موت آئے گی۔اور یہ بھی کہا گیا ہے: وقت معلوم سے مراد وہ وقت ہے جیسے

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کیا ہے۔(یعنی کوئی دوسرا اس سے واقف نہیں) اور ابلیس اس سے جاہل ہے۔ پس ابلیس کو موت آئے گی پھر اسے اٹھایا جائے گا؛ (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔کل من علیھا فان۔ (الرحمن) (جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے) اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے کلام میں دو قول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے اس سے کلام کی۔ اور دوسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعید میں شدت اور سختی پیدا کرنے کے لیے اس سے کلام کی نہ کہ تکریم وتقریب کے طور پر۔

﴿ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسۡتَقِيۡمٌ ﴿۴۱﴾ ﴾

شیطان نے کہا، اے میرے رب، جیسا تو نے مجھ کو گمراہ کیا ہے اسی طرح میں زمین میں ان کے لیے مزین کروں گا اور سب کو گمراہ کردوں گا۔(۳۹) مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔(۴۰) اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والا ہے۔(۴۱)

قال رب بما اغویتنی لازینن لھم فی الارض اغواء اور زینۃ کا معنی پہلے سورہ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ اور یہاں اس کی تزمین (خوشنما بنانا) دو وجہوں سے ہوسکتی ہے: یا تو گناہوں کے ارتکاب کے ساتھ، اور یا

انہیں فعل طاعت سے ہٹا کر دنیوی زینت وآرائش میں مشغول کرنے کے ساتھ اور لاغوینھم اجمعین کے معنی یہ ہیں کہ میں انہیں ہدایت کے راستے سے گمراہ کروں گا۔ اور ابن لہیعہ عبداللہ نے دراج ابی السمح سے اس نے ابوالہیثم سے اور اس نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت بیان کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک ابلیس نے کہا: اے میرے رب! تیری عزت وجلال کی قسم! میں اولاد آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کی ارواح ان کے جسموں میں موجود رہیں گی تو رب العالمین نے فرمایا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہے"۔ قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): "ان ابلیس قال یارب وعزتک وجلالک لا ازال اغوی بنی آدم ما دامت اَرواحھم فی اَجسامھم قال الرب وعزتی وجلالی لا اَزال اغفرلھم ما استغفرونی"۔

یعنی وہ جنہوں نے عبادت کو تیرے لیے فساد یا ریاکاری سے خالص (اور پاک) کرلیا ہے ابوثمامہؓ نے بیان کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے مخلصین کے بارے پوچھا تو آپ نے فرمایا: (الذی یعمل ولا یحب اَن یحمدہ الناس)۔ "یعنی وہ جو عمل کرتا ہے اور یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس کی تعریف کریں"۔

ھذا صراط علی مستقیم: حضرت عمر بن خطابؓ نے بیان کیا ہے: اس کا معنی ہے کہ یہ راستہ ہے جو اپنے صاحب (اپنانے والے) کو سیدھا لے آتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے سبب جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ حسنؒ نے کہا ہے: علی بمعنی الی (میری طرف) ہے حضرت مجاہد اور کسائی نے کہا ہے: یہ وعید اور تہدید (جھڑکنے) کی بناء پر ہے؛ جیسا کہ جسے تو نے جھڑکنا ہو اس کے لیے تیرا قول: طریقک علی ومصیرک الی

(تیرا راستہ میرے خلاف ہے اور تیرا انجام میرے پاس ہے) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ان ربک لبالمرصاد۔ (الفجر) (بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں) کی تاک میں ہے) پس کلام کا معنی یہ ہوا: یہ راستہ ہے اس کا رجوع میری طرف ہے پس میں ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دوں گا، مراد عبودیت اور بندگی کا راستہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے اس کا معنی ہے مجھ پر لازم ہے کہ میں پوری وضاحت اور دلائل کے ساتھ صراط مستقیم پر راہنمائی کروں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں توفیق اور ہدایت کے ساتھ (راہنمائی کروں)۔ ابن سیرینؒ، قتادہؒ، حسن، قیس بن عبادؒ، ابو رجاءؒ، حمید اور یعقوبؒ نے ھذا صراط علی مستقیم یعنی علی کے رفع اور تنوین کے ساتھ قرأت کی ہے؛ اور اس کا معنی ہے رفیع مستقیم، یعنی جو دین اور حق میں بلند ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: رفیع ان یمال (وہ ایسا سیدھا اور پختہ ہے کہ اس کی طرف مائل ہوا جائے) مستقیم أن ینال (وہ ایسا بلند ہے کہ اسے پایا جائے)۔

﴿ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾ ﴾

بیشک میرے (مخلص) بندوں پر تیرا زور نہیں چلے گا سوائے ان لوگوں کے جو خود ہی تیرے پیچھے لگ جائیں۔

شیطان نے کہا اے اللہ مجھے تو نے گمراہ کیا (حالانکہ وہ اپنے دلی حسد اور تکبر کی وجہ سے گمراہ ہوا تھا) اور عدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکالا تو میں اولاد آدم کو جنت سے دور رکھنے کے لیے انھیں گمراہ کروں گا ان کے لیے برائیاں آراستہ کروں گا مگر میں تیرے مخلصین چنے ہوئے بندوں کو گمراہ نہ کر سکوں گا اس

سے انبیاء مراد ہیں کیونکہ وہ براہ راست اللہ کے چنے ہوئے اور مبعوث کردہ ہیں۔اسی لئے یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں فرمایا گیا، انہ من عبادنا المخلصین۔وہ میرے چنے ہوئے بندوں میں سے ہیں۔ یعنی یوسف انبیاء میں سے ہونے کی وجہ سے اللہ کے چنے ہوئے بندوں سے ہیں۔

انبیاء اغوا شیطان اور گناہ سے معصوم ہیں

معلوم ہوا جب انبیاء اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں اور ان پر شیطان کا کوئی اختیار ہی نہیں تو ان سے کوئی گناہ کیسے صادر ہوسکتا ہے رہا قرآن کا فرمانا، فازلھما الشیطن (بقرہ) کہ شیطان نے آدم وحوا کو جنت سے پھسلا دیا تو یہ نسبت مجازی ہے ان کو جنت سے نکالنے والا اللہ ہے البتہ شیطان اس کا سبب بنا وہ اس طرح کہ شیطان نے ان سے کہا کہ اگر آپ یہ چیز کھالیں تو آپ ہمیشہ جنت میں رہنے والے بن جائیں گے یا فرشتے ہوجائیں گے تو حضرت آدم کے دل میں اس چیز کی طرف رغبت پیدا ہوگئی چنانچہ آپ نے اسے اس وقت تو نا کھایا مگر بعد میں آپ کسی وقت بھول گئے اور اسے کھالیا جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فنسی ولم نجدلہ عزما۔آدم (علیہ السلام) بھول گئے اور ہم نے اس کا ارادہ نہ پایا۔(طہ) تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے شیطان میرے خاص بندوں یعنی انبیاء اور ان کے سچے پیروکاروں پر تیرا کوئی اختیار نہ ہوگا تیرا اختیار صرف ان لوگوں پر ہوگا جو انبیاء کو چھوڑ کر تیری پیروی کریں گے۔

﴿ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۴۳ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝۴۴ ﴾

اور بلاشبہ ان سب کے لیے جہنم کا وعدہ ہے۔(۴۳) اس کے سات دروازے

ہیں، ہر دروازے کے لیے ان کا ایک مخصوص حصہ ہوگا۔(۴۴)

گزشتہ آیات میں ابلیس نے نہایت جسارت کے ساتھ پروردگار کے حضور میں کہا کہ میں تیرے بندوں کو ہر ممکن طریقے سے گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ پروردگار نے فرمایا کہ میں تمہیں اس کے لیے مہلت دے چکا ہوں، تمہارے جو جی میں آئے کرو، لیکن یہ یاد رکھو میرے مخلص بندوں پر تمہارا بس نہیں چلے گا۔ صرف وہ گمراہ لوگ ہوں گے جو تیرے داؤ و فریب کا شکار ہونگے۔ لیکن تمہیں اس بات کا یقین رکھنا چاہیے کہ میں نے تم سب کے لیے جہنم تیار کر رکھا ہے۔ تم اور تمہارے متبعین چاہے کتنی تعداد میں بھی ہوئے جہنم ان سب کے لیے کافی ہوگا۔

جہنم کے دروازے اور ان کے سزاوار

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا وہ سات دروازے یہ ہے جہنم، السعیر، لظی، الحطمہ، سقر، الھاویہ، اور یہ سب سے نچلا طبقہ ہے۔

قتادہؒ نے کہاں یہ ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کی منازل ہیں اعمش نے کیا جہنم کی ابوواب کے نام یہ ہیں۔ الحطمہ، الھاویہ لظی، سقر، الجحیم السعیر اور جھنم، حسن نے کہا کہ ہر فریق کے لیے جہنم کا ایک طبقہ ہے۔ ضحاکؒ نے کہا ایک دروازہ یہود کے لیے ایک دروازہ نصاری کے لیے ہے ایک دروازہ الصابئین کے لیے ہے اور ایک دروازہ مجوس کے لیے ہے اور ایک دروزہ مشرکین کے لیے ہے جو کفار عرب ہیں اور ایک دروازہ منافقین کے لیے ہے اور ایک دروازہ اہل توحید کے لیے ہے اور اہل توحید کے لیے جو نجات کی توقع دوسروں کے لیے بالکل نہیں ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا بعض اہل دوزخ ایسے ہوں گے جن کے ٹخنوں تک آگ پہنچے گی اور بعض کے کمر بند تک آگ پہنچے کی اور بعض کی ہنسلی تک آگ پہنچے گی ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کی منازل ہوں گی یہ اس آیت کی تفسیر ہے ہر دروازہ کے اوپر آگ کے ستر ہزار شامیانے ہیں اور ہر شامیانے میں ستر ہزار خیمے ہیں اور ہر خیمے میں آگ کے ستر ہزار تنور ہیں اور ہر تنور میں ستر ہزار آگ کی کھڑکیا ہے اور ہر کھڑکی میں آگ کی ستر ہزار چٹانیں ہیں اور ہر چٹان کے اوپر آگ کے ستر ہزار پتھر ہیں اور ہر پتھر کے اوپر آگ کے ستر ہزار بچھو ہیں اور ہر بچھو کی آگ کی ستر ہزار دمیں ہیں اور ہر دم میں ستر ہزار ہڈیاں ہیں اور ہر ہڈی میں ستر ہزار زہر کے ڈنک ہیں اور ستر ہزار آگ بھرکانے والے ہیں آپ نے فرمایا جو شخص سب سے پہلے جہنم میں داخل ہوگا وہ دروازے پر چار لاکھ جہنم کے پہرہ دار دیکھے گا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے ان کے کھلے ہوئے مونہوں سے ڈاڑھیں دکھائی دے رہی ہوں گی ان کے دولوں سے رحمت نکالی گئی ہوگی ان میں سے کسی کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی رحم نہیں ہوگا۔ [1]

حضرت علیؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا جہنم کے دوروازے ایک دوسرے کے اوپر تہہ بہ تہہ ہیں آپ نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے اوپر رکھ کر بتایا۔ [2]

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۴۵ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝۴۶ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ

۱۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج 22667۔2265، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ 1417ھ)

۲۔(جامع البیان رقم الحدیث 16014، مطبوعہ دار الفکر بیروت 1415ھ)

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا
بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾

بیشک جو متقی ہیں وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔(۴۵) ان کو کہا جائے گا کہ ان (باغوں) میں سلامتی اور اطمینان قلب کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔(۴۶) اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینے تھے سب دور کر دیئے، وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہونگے۔(۴۷) وہاں ان کو کچھ بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔(۴۸)

شان نزول: (آیت) "ان المتقین"۔(الخ)

ابو ثعلبی نے سلمان فارسیؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے جس وقت یہ آیت کریمہ سنی۔(آیت) "وان جھنم"۔(الخ) (اور ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے) تو کئی دن تک خوف سے بھاگے پھرے کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔

پھر ان کو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں لایا گیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ پر یہ آیت نازل ہوئی (کہ ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے) قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، اس نے تو میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اللہ سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں

ہونگے۔

بلاشبہ پرہیز گار لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ان جنتوں اور چشموں کے اندر امن وسل امتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔اب تم ہر آفت ومصیبت سے محفوظ اور ہر خوف و گھبراہٹ سے مامون ہوگئے۔نہ یہاں نعمتوں کے زوال کا ڈر ہے اور نہ یہاں سے نکالے جانے کا خوف وخطر اور موت کا غم۔

شان نزول: (آیت) "ونزعنا مافی صدورھم"۔(الخ)

ابن ابی حاتمؒ نے علی بن حسین سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان سے دریافت کیا گیا کہ کس قسم کا کینہ ان کے دلوں سے دور کیا جائے گا فرمایا جاہلیت کا کینہ وہ یہ کہ بنی تمیم، بنی عدی اور بنی ہاشم میں زمانہ جاہلیت کی دشمنی تھی جب یہ تینوں خاندان والے مشرف بااسلام ہوگئے تو آپس میں اس قدر الفت ومحبت ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی کوکھ پکڑی تو حضرت علیؓ اپنا ہاتھ ان کو کوکھ پر رکھ کر اس کو کھجانے لگے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی، یعنی ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب دور کردیں گے۔

پھر فرمایا کہ اگر اہل جنت کے دلوں میں کوئی دنیوی رنجش وکینہ باقی ہوگا تو ہم ان کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کو ختم کردیں گے اور وہ سب بھائی بھائی کی طرح ہوجائیں گے اور ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے اور محبت والفت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔وہاں نہ انکو کبھی کوئی تکلیف چھوسکتی ہے اور نہ وہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے کیونکہ جنت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جنتیوں کے دل ایک

آدمی کے دل جیسے ہوں گے کہ نہ ان میں اختلاف ہوگا اور نہ بغض۔"[1]

سیدنا ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مومن جہنم سے نجات پا کر جنت اور جہنم کے درمیان کے پل پر روک لیے جائیں گے، چنانچہ ان کی جو ناچاقیاں اور ظلم آپس میں دنیا میں ہوئے تھے، ان کا ادلہ بدلہ ہوگا اور یوں وہ پاک دل اور صاف سینہ ہو کر جنت میں جائیں گے۔"[2]

پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ میں بہت بخشنے والا مہربان ہوں۔ کسی گناہ گار کو میری مغفرت و رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ان کو یہ بتا دیجئے کہ میرا عذاب بھی نہایت سخت ہے۔ اس لیے کسی وقت بھی عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ اگر بندے اللہ تعالیٰ کی معافی کو معلوم کر لیں تو حرام سے بچنا چھوڑ دیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے عذابوں کو معلوم کر لیں تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں۔

سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں خدیجہ کو جنت میں ایسے گھر کی بشارت دے دوں جو موتیوں سے بنا ہو، اس میں نہ کوئی شور و غوغا ہوگا اور نہ کوئی تکان۔"[3]

۱۔[بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ وأنہا مخلوقۃ: ۳۲٤٦]

۲۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیامۃ: ٦٥۳٥]

۳۔[بخاری، کتاب العمرۃ، باب متی یحل المعتمر ؟: ۱۷۹۲۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل خدیجۃ أم المومنین (رض): ۲٤۳۳۔ مسند أحمد: ٦/۲۷۹، ح: ۲٦٤۳٥]

وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ: سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہوجائیں گے تو موت (ایک مجسم صورت میں) لائی جائے گی، یہاں تک کہ جنت اور جہنم کے درمیان رکھ دی جائے گی اور پھر ذبح کردی جائے گی۔ پھر ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، اے جنت والو! (اب) موت نہیں، اے دوزخ والو! (اب) موت نہیں، تو (اس سے) جنت والوں کی خوشی میں اضافہ ہوجائے گا اور دوزخ والوں کا غم بڑھ جائے گا۔"[1]

﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ ﴾

آپ میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا بہت مہربان ہوں۔ (۴۹) اور یہ کہ بیشک میرا عذاب بھی بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ (۵۰)

شان نزول: (آیت) "نبیء عبادی انی"۔ (الخ)

امام طبرانیؒ نے عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اپنے اصحاب کی ایک جماعت پر سے گزر ہوا وہ ہنس رہے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم ہنس رہے ہو حالانکہ تمہارے سامنے جنت دوزخ کا تذکرہ ہو چکا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ آپ میرے

---

[1] [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب النار یدخلھا الجبارون۔۔الخ: ۲۸۵۰/۴۳]

بندوں کو اطلاع دے دیجیے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا بھی ہوں اور یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے۔

نیز ابن مردویہ نے دوسرے طریقہ سے ایک صحابی سے اس طرح روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے پاس اس دراز ہ سے تشریف لائے جس سے بنوشیبہ آیا کرتے تھے اور ارشاد فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں ہنستا ہوا دیکھ رہا ہوں پھر آپ چل دیے، اس کے بعد پھر واپس لوٹ کر آئے۔

اور فرمایا کہ جب میں پتھر کے پاس پہنچا تو میرے پاس جبرائیل امین (علیہ السلام) تشریف لائے اور کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو مایوس مت کرو بلکہ ان کو اطلاع دے دو کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا بھی ہوں (الخ)۔

ربط کلام: اس سے پہلے جنتیوں کا انعام اور جہنمیوں کے انجام کا ذکر ہوا ہے۔ اب اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات کا تذکرہ فرمایا۔

متقین اور ان کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نہایت مشفقانہ انداز میں فرمایا اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے بندوں کو فرما دیجئے کہ میں معاف کرنے والا نہایت مہربان ہوں اور انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو میری سرکشی و نافرمانی کرے گا تو میرا عذاب بھی شدید ہوا کرتا ہے۔ بخشش اور مہربانی کا ذکر کرنے کے ساتھ شدید عذاب کا اس لیے بیان کیا ہے تا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی رحمت کو پیش نظر رکھ کر جان بوجھ کر سرکشی اور نافرمانی کا راستہ اختیار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے نہایت مہربان ہے اور ظالموں کے لیے جبار، قہار اور سخت عذاب دینے والا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جب "رحمت" کو پیدا کیا، تو اسے سو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ننانوے حصوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور ایک حصہ اپنی تمام مخلوقات میں تقسیم کر دیا، اللہ کے پاس رحمت کا جو خزانہ ہے، اگر اس کا علم کافر کو ہو جائے تو وہ کبھی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور اللہ کے پاس عذاب کی جو مقدار ہے اگر اسے مومن جان لے تو جہنم کی آگ سے کبھی اپنے آپ کو مامون نہ سمجھے۔"[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں قریش نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مطالبہ کیا کہ آپ ہمارے لیے صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے تو آپ نے فرمایا کیا تم ایسا کرو گے؟ انھوں نے کہا ہاں۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دعا فرمانے پر جبرائیل (علیہ السلام) تشریف لائے اور عرض کی آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو ہم ان کے لیے صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیں گے لیکن جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اسے ایسے عذاب میں مبتلا کروں گا کہ اس سے پہلے کسی کو ایسا عذاب نہ ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دیتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ ان کے لیے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھول دے۔[2]

﴿ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ ﴿٥١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ

---

[1] ۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب الرجاء مع الخوف: ٦٤٦٩]

[2] ۔(مسند احمد بن حنبل، حدیث ٢٣٦٦، حکم حسن)

بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ
تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ
الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

اور انھیں ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا قصہ بھی سنا دو۔(۵۱) جب وہ ان کے پاس آئے، پھر سلام کیا، ابراہیم نے کہا ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے۔(۵۲) انہوں نے کہا ڈریئے مت یقیناً ہم آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی خوش خبری دینے آئے ہیں ۔(۵۳) ابراہیم نے کہا کیا تم مجھ کو اس حال میں بشارت دیتے ہو جب کہ مجھ کو بڑھاپا پہنچ چکا تو اب کس چیز کی خوشخبری دیتے ہو۔(۵۴) (فرشتوں نے) کہا ہم نے آپ کو سچی بشارت دی ہے آپ ناامید نہ ہوں۔(۵۵) ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کون ناامید ہوتا ہے اپنے پروردگار کی رحمت سے سوائے گمراہوں کے۔(۵۶)

ابراہیم (علیہ السلام) کو فرشتوں کے ذریعہ بیٹے کی بشارت دینا

یہ قصہ سورہ ہود میں قدرے تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے یہاں اختصار کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ایک روز حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اپنے خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس چند مسافر آئے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی مہمان نوازی تو مشہور ہے۔ فوراً ان مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرایا اور کھانا لا کر رکھا۔ مہمانوں نے کھانا کھانے سے ہاتھ روکا۔ دراصل یہ مہمانوں کی صورت میں آنے والے اللہ کے فرشتے تھے۔ اس لیے انہیں کھانے سے کیا کام۔ ان کے کھانا نہ کھانے سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو خطرہ محسوس ہوا کیونکہ اس زمانہ میں دستور تھا کہ کوئی شخص اگر کسی سے دل میں دشمنی رکھتا تھا تو اس کے گھر کا کھانا نہ کھاتا تھا۔ یہی علامت عداوت کی تھی، تو ان مہمانوں کے کھانا نہ کھانے سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اس کا اظہار ان مہمانوں سے فرمایا کہ ہم تو تم سے خائف ہیں۔ اس پر فرشتوں نے حقیقت حال کا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے اظہار کیا اور بتلایا کہ ہم فرشتے ہیں اور منجانب اللہ آپ کے پاس ایک بشارت اور خوشخبری لے کر آئے ہیں اور وہ یہ کہ آپ کی زوجہ حضرت سارہ جن سے کوئی اولاد نہ تھی ان سے ایک نہایت دانا اور عالم فرزند پیدا ہوگا۔ مراد اس سے حضرت اسحاق (علیہ السلام) ہیں۔ تو چونکہ غیر متوقع اور غیر معمولی طور پر خوشخبری سنی۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنی پیرانہ سالی دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سی معلوم ہوئی اور اس خوشخبری پر حیرت بھی ہوئی اور تعجب بھی کہ کیا بوڑھوں کے ہاں بھی اولاد ہو سکتی ہے۔ بہرحال فرشتوں نے پھر اطمینان دلایا کہ یہ بشارت بالکل سچی ہے اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہی ہو کر رہے گا اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے کہنے لگے کہ آپ اللہ کی رحمت پر یقین رکھئے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں اللہ کی رحمت سے مایوس یا ناامید نہیں ہوں۔ یہ مایوسی تو گمراہوں کو ہوا کرتی ہے جو اللہ

عزوجل کو نہیں مانتے میں تو اپنے رب رحیم وکریم پر پورا یقین رکھتا ہوں۔

﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۙ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ﴾

ابراہیم (علیہ السلام) نے پوچھا: اے فرشتو!! تمہارا اور کیا اہم کام ہے؟۔(۵۷) انہوں نے کہا بیشک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔(۵۸) مگر لوط کے گھر والے کہ ہم ان سب کو بچالیں گے۔(۵۹) مگر اس کی بیوی، ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ یقیناً وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔(۶۰)

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ملائکہ سے خوشخبری سننے اور اس پر اطمینان کا اظہار کرنے کے بعد ان سے استفسار فرماتے ہیں کہ تمہاری آمد کا اور مقصد کیا ہے؟ ملائکہ نے عرض کیا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ سوائے حضرت لوط (علیہ السلام) اور اس کی آل کے ان کو عذاب سے بچا لیا جائے گا۔ البتہ حضرت لوط (علیہ السلام) کی بیوی نہیں بچ سکے گی۔ کیونکہ ربِّ ذوالجلال کا یہی فیصلہ ہے کہ وہ تباہ و برباد ہونے والوں میں شامل ہو۔ حضرت لوط (علیہ السلام) اور حضرت نوح (علیہ السلام) کی بیویوں کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ وہ دونوں اللہ کے صالح بندوں کی بیویاں ہونے کے باوجود خیانت کی مرتکب تھیں وہ اپنے خاوندوں جو کہ اپنے اپنے وقت میں اللہ کے رسول تھے۔ ان پر ایمان لانے کی

بجائے کفر اختیار کیے ہوئے تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا ان اقوام پر عذاب نازل ہوا تو حضرت نوح (علیہ السلام) اور حضرت لوط (علیہ السلام) اپنی بیویوں کو عذاب سے نہ بچا سکے۔ حکم ہوا کہ تم دونوں عورتیں جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ ان کے مقابلے میں ایک بدترین انسان اور حکمران فرعون کی بیوی جنت میں جائے گی بلکہ موت سے پہلے اسے جنت کا نظارہ کروا گیا۔ یہاں حضرت لوط (علیہ السلام) کی قوم کا انجام ذکر کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ حضرت لوط (علیہ السلام) کی بیوی بھی ان کے ساتھ تباہی کے گھاٹ اتر گئی۔

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح اور حضرت لوط (علیہ السلام) کی بیویوں کی خیانت یہ تھی کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کی بیوی ان کے راز فاش کرتی تھی۔ جب کوئی شخص حضرت نوح (علیہ السلام) پر ایمان لے آتا تو وہ اس کے بارے میں ظالموں کو بتاتی دیتی اور حضرت لوط (علیہ السلام) کی بیوی ان کے مہمانوں کے بارے میں شہر کے برے لوگوں کو خبر دیتی تھی۔"[1]

اللہ تعالیٰ کے ہاں کردار:

(ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ)[التحریم: ۱۰]

۱۔ تفسیر ابن جریر ، ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر الدر منثور ، اسنادہ حسن)

"اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے نوح اور لوط کی بیویوں کو بطور مثال بیان فرماتا ہے۔ وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں مگر انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلہ میں ان دونوں کے کچھ کام نہ آسکے۔ اور دونوں عورتوں سے کہہ دیا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اہل ایمان کے معاملہ میں اللہ فرعون کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے جب اس نے دعا کی اے میرے رب میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دے۔ مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچا اور ظالم قوم سے مجھے نجات عطا فرما۔"

﴿ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ
مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ
بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ
وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ ﴾

پھر جب فرشتے لوط کے گھر والوں کے پاس پہنچے۔ (۶۱) تو حضرت لوط (علیہ السلام) نے کہا آپ لوگ تو اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ (۶۲) وہ بولے بلکہ ہم آپ کے پاس وہ لے کر آئے ہیں جس میں وہ لوگ شک کرتے تھے۔ (۶۳) اور ہم

آپ کے پاس یقینی بات لے کر آئے ہیں اور ہم یقیناً سچے ہیں۔(۶۴) پس آپ اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے کر نکل جائیں اور خود ان کے پیچھے چلیں اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جائیں۔(۶۵)

قومِ لوط کا واقعہ

جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو فرزند کی خوشخبری دے دی اور یہ بتایا کہ وہ ایک مجرم قوم کو عذاب دینے کے لیے آئے ہیں پھر اس کے بعد وہ حضرت لوط (علیہ السلام) کی آل کے پاس اور ان کے گھر گئے حضرت لوط (علیہ السلام) نے ان کو اجنبی شکلوں میں دیکھا تو کہا تم اجنبی اور نا آشنا لوگ ہو دوسرا احتمال یہ ہے کہ منکرون انکار سے بنا ہے یعنی تم پر انکار کیا گیا ہے کیونکہ وہ بہت حسین وجمیل نوجوانوں کی صورتوں میں آئے گے اور قوم لوط خوبصورت لڑکوں کے ساتھ برا فعل کرتی تھی تو حضرت لوط (علیہ السلام) نے ان پر انکار کیا کہ ان کی وجہ سے وہ اپنی قوم کے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں فرشتوں نے کہا جس عذاب میں آپ کی قوم کے کافر اور منکر شک کرتے ہیں ہم اس عذاب کو نازل کرنے کے لیے آئے ہیں اور اس عذاب کا نازل ہونا بالکل یقینی اور برحق ہے اس عذاب سے محفوظ رہنے کے لیے کچھ رات گزرنے کے بعد آپ اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوں اور آپ ان کے پیچھے چلیں تا کہ ان میں سے کوئی واپس نہ جا سکے مبادا اس پر بھی عذاب نازل ہو جائے اور آپ میں کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر اس پر دہشت طاری ہو اور اس کے ہوش وحواش جاتے رہیں۔

اور آپ سب وہاں جائیں جہاں آپ کا حکم دیا گیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس سے مراد ملک شام ہے اور مفضل نے کہا آپ وہاں جائیں جہاں کے متعلق آپ سے جبرائیل نے کہا ہے

یہ جگہ اردن میں عرب سے شام جانے والے بڑے راستے پر ہے جہاں ایک بہت بڑا رقبہ سطح سمندر سے بہت نیچے واقعہ ہے اور جس پر ایک سیاہ پانی کا سمندر سا موجود ہے جس میں کوئی حیات نہیں مینڈک اور آبی گھونگا تک نہیں ملتا ہے بلکہ اس کا نام ہی بحر میت (DEADSEA) ہے جدید تحقیق کے مطابق اس میں پانی کے اجزا کم اور تیل کے اجزاء زیادہ ہیں اس لیے حیات ممکن نہیں مگر یہ شہادت تو موجود ہے کہ کتنی گہرائی تک زمین کو الٹا گیا کہ تیل اوپر آ گیا جو سمندروں میں بھی ہزاروں فٹ نیچے کھودنے سے ملتا ہے۔

سامان عبرت

یہ جگہیں بھی سامان عبرت ہیں مگر ایمان نصیب ہو تب اسی لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب کسی ایسی جگہ سے گزرتے تو آپ پر ہیبت طاری ہو جاتی اور سر مبارک جھکا کر گزر جاتے مگر افسوس آجکل اسے تفریح گاہ بنایا گیا ہے اور ہوٹل وغیرہ بنا کر وہاں سیاحوں کو رکھا جاتا ہے جیسے اپنے ہاں موہنجوداڑو ہڑپہ اور ٹیکسلا وغیرہ سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے انہیں سیر گاہ بنایا گیا ہے، ایسے ہی اصحاب الایکہ یعنی ایک بن میں رہنے والے جن کی طرف حضرت شعیب (علیہ السلام) مبعوث ہوئے بھی بڑے ظالم تھے انہوں نے بھی اپنے کئے کی سزا پائی اور انتقام الٰہی کا شکار ہوئے وہ جگہ بھی ایک بڑے راستے یہ پڑتی ہے یہ وادی حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے۔

﴿ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ
مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ
هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا
تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ
بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ ﴾

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے کاٹ دی جائے گی۔(٦٦) اور شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آ گئے۔(٦٧) لوط (علیہ السلام) نے کہا بیشک یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم ان کے معاملہ میں مجھے شرمندہ نہ کرو۔(٦٨) اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ (٦٩) وہ بولے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر چکے ہیں۔(٧٠) لوط (علیہ السلام) نے کہا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہی ہے۔(٧١)

اور ہم نے لوط کی طرف یہ وحی کی کہ صبح کے وقت ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی اور شہر کے لوگ حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس اظہار خوشی کرتے ہوئے آئے کیونکہ وہ فرشتے بہت حسین وجمیل

صورتوں میں آئے تھے اور کسی طرح شہر کے لوگوں کو پتا چل گیا کہ گھر میں خوبصورت لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے کہ ان کو اپنی ہوس پوری کرنے کا ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں اور وہ اس قدر خوبصورت ہیں کہ اتنے خوبصورت لڑکے اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے تو پھر شہر کے لوگ حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس اظہار خوشی کرتے ہوئے پہنچے کہ اب ان کی ہوس عمدہ طریقہ سے پوری ہو جائے گی، حضرت لوط (علیہ السلام) نے فرمایا یہ میرے مہمان ہیں تم ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور مجھے شرمندہ اور بے عزت نہ کرو۔ وہ میرے مہمان ہیں اور مہمان کی عزت اور تکریم کی جاتی ہے اور تم ان کی بے عزتی کرنے پر تلے ہوئے ہو اور مہمان کی بے عزتی میزبان کی بے عزتی ہوتی ہے سو تم مجھے بے عزت اور بے آبرو نہ کرو ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم پہلے ہی تمہیں آگاہ کر چکے تھے کہ اجنبی لوگوں اور مسافروں کو مہمان نہ بنایا کرو اور اپنے پاس نہ ٹھہرا کرو کیونکہ وہ لوگ اجنبیوں اور مسافروں کے ساتھ یہ کام کیا کرتے تھے حضرت لوط (علیہ السلام) نے فرمایا اگر تم پر شہوت کا بہت غلبہ ہے تو میری قوم کی بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کر کے اپنی شہوت پوری کر لو آپ نے اپنی قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں فرمایا کیونکہ نبی اپنی قوم کے لیے نہ منزلہ والد ہوتا ہے اور قوم کی بیٹیاں اس کی بیٹیاں کے منزلہ میں ہیں۔

﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا
عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی جان کی قسم! وہ لوگ اپنی مستی میں بالکل مدہوش ہوئے جا رہے تھے۔(۷۲) سو ان کو سورج نکلتے وقت سخت آواز نے پکڑ لیا۔(۷۳) پھر ہم نے اس بستی کے اوپر والے حصہ کو نچلا حصہ کر دیا اور ہم نے ان پر کھنگرے کے پتھر برسائے۔(۷۴) بلاشبہ اس واقعہ میں اہل بصیرت کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔(۷۵)

جان کی قسم: ابن عباسؓ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے دنیا میں کوئی جان محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان سے زیادہ اکرم واشرف پیدا نہیں کی۔ میں نے خدا کو نہیں سنا کہ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان عزیز کے سوا کسی دوسری جان کی قسم کھائی ہو۔ قرآن کریم میں جو قسمیں آئی ہیں ان کے متعلق ہم ان شاء اللہ کسی دوسری جگہ مفصل کلام کریں گے۔

(اللہ نے فرمایا اے محمد) تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ درحقیقت اپنے نشہ میں سرمست ہیں عمر اور عمر ہم معنی ہیں۔ عمر کا لفظ خفیف بھی ہے اور قسم کے موقع پر یہی لفظ بولا جاتا ہے (عمر کا لفظ قسم کے موقع پر نہیں آتا) بغوی نے ابوالجوزاء کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان سے زیادہ عزیز اللہ نے کسی اور کی جان نہیں پیدا کی اور آپ کی زندگی کے علاوہ کسی اور کی زندگی کی قسم نہیں کھائی (عزیز ترین چیز ہی کی قسم کھائی جاتی ہے۔ تمام جانوں میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان اللہ کے نزدیک عزیز تھی اس کی قسم کھائی)۔ یعمھون کا معنی سرگرداں

ہیں، متحیر ہیں یعنی جب یہ کافر اپنے نشے میں سرمست ہیں تو آپ کی نصیحت کیسے سن سکتے ہیں۔

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابونعیم وابن مردویہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات وکائنات میں کسی کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ عزت ومرتبہ عطا نہیں فرمایا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر یا کسی فرشتے کی حیات پر کبھی قسم نہیں کھائی اور اس آیت میں رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عمر وحیات کی قسم کھائی ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انتہائی اعزاز واکرام ہے۔

قوم لوط پر عذاب کا نزول

امام جوزی نے لکھا ہے یہ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کی چیخ تھی۔[1] امام رازی نے فرمایا اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ حضرت جبرائیل کی چیخ تھی اگر یہ قول کسی دلیل قوی سے ثابت ہو تو اس کو اختیار کیا جائے ورنہ آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ ایک زبردست اور ہولناک چیخ نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر تین قسم کے عذاب آئے تھے ایک تو زبردست ہولناک چنگھاڑ تھی دوسرے ان کی زمین کو پلٹ دیا گیا اور تیسرا ان پر کھنگر کی کنکریاں برسائی تھیں اس کی تفسیر ہم نے ھو: 82، میں بیان کردی ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ سجیل کا معنی ہے پکی ہوئی مٹی کے پتھر بعض علماء نے کہا کہ ہر پتھر پر ایک شخص کا نام تھا اور اسی پر جا کر یہ لگتا تھا بعض نے کہا ہے یہ عذاب الٰہی کے مخصوص پتھر تھے۔ مختصر یہ کہ حضرت جبرائیل نے ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب سے نیچے پٹخ دیا اور اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دیا جس طرح کہ اپنے جنس مردو کو پلٹ کر ان

1۔ (زادالمسیر ج4 ص409)

سے لذت کشید کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ان پر ان کی بستیوں کو پلٹ دیا پھر ان کی ذلت اور رسوائی کے لیے ان کے پر کنکر اور پتھر برسائے گئے اور ہر پتھر نشان زدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بیشک اس (قصہ) میں اہل فراست کے لیے نشانیاں ہیں (الحجر:75)

متوسمین کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے بیشک اس قصے میں متوسمین کے لے نشانیاں ہیں متوسمین وسم سے بنا ہے اس کے متعلق علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں: وسم کا معنی علامت اثر اور نشان ہے قرآن مجید میں ہے: سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ (الفتح:۲۹) ان کی نشانی ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں۔ اور متوسمین کا معنی ہے عبرت پکڑنے والے نصیحت حاصل کرنے والے اور معرفت والے توسم کا معنی ذاہانت ذکاوت اور فراست بھی ہے۔ [1]

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں صاحب بصیرت لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے اور یہ علاقہ شاہراہ عام پر واقع ہے۔ قوم لوط کی بستیاں مدینہ سے مدین جاتے ہوئے راستے میں پائی جاتی ہیں اور آج بھی ان کے کھنڈرات عبرت کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ [2]

دنیا کے موجودہ جغرافیے میں یہ بحر مردار اردن کی سرزمین میں واقع ہے۔ پچاس میل لمبا، گیارہ میل چوڑا ہے اس کا کل رقبہ ۳۵۱ مربع میل ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ گہرائی تیرہ سو فٹ پیمائش کی گئی ہے۔ یہ اسرائیل اور اردن کی سرحد پر واقع ہے اور اس کا کسی بڑے سمندر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ گویا کہ یہ

۱۔ (المفردات ج2 ص679 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ۔ 1418ھ)

۲۔ [رواہ البخاری: کتاب الانبیاء باب قولہ تعالیٰ وال ثمود اخاھم صالحا]

ایک بہت بڑی جھیل بن چکی ہے۔اس کی نمکیات اور کیمیائی اجزاء عام سمندروں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے قریب ترین سمندر بحر روم ہے۔جدید محققین نے اسی جگہ پر لوط (علیہ السلام) کی قوم کی بستیوں کی نشاندہی کی ہے۔جو کسی زمانے میں یہاں صدوم عمود کے نام سے بڑے شہر آباد تھے۔مصر کے محقق عبدالوہاب البخار نے بھرپور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ عذاب سے پہلے اس جگہ پر کوئی سمندر نہیں تھا۔جب اللہ کے عذاب کی وجہ سے اس علاقے کو الٹ دیا گیا تو یہ ایک چھوٹے سے سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔"

۱۔اس کے پانی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں نمکیات کا تناسب پچیس فیصد ہے جب کہ دنیا کے تمام سمندروں میں نمکیات کا تناسب چار سے چھ فیصد شمار کیا گیا ہے۔

۲۔اس کے کنارے نہ کوئی درخت ہے اور نہ ہی اس میں کوئی جانور زندہ رہ سکتا ہے حتی کہ سیلاب کے موقع پر دریائے اردن سے آنے والی مچھلیاں اس میں داخل ہوتے ہی تڑپ تڑپ کر مر جاتی ہیں۔اہل عرب اس کو بحیرہ لوط بھی کہتے ہیں۔اس صورت حال کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ ﴾

اور بیشک یہ (بستی) عام گزرگاہ پر (موجود) ہے۔(۷۶) بیشک اس میں ایمان رکھنے والوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔(۷۷)

سدوم اور عمورہ کا علاقہ جہاں قوم لوط آباد تھی حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے اور اس شاہراہ عام پر پڑتا

تھا جس پر سے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔

بحیرہ مردار اس کے کنارے چند بستیاں تھیں سدوم وعمورہ وغیرہ ان کی ہدایت کے لیے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بھتیجے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا لوط (علیہ السلام) کی بیوی انہیں بستیوں کی رہنے والی تھی دو بیٹیوں کے سوا اور کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی تھی ان بستیوں کے لوگوں میں علاوہ کفر و بت پرستی کے اغلام کی بھی سخت عادت تھی۔ حضرت لوط (علیہ السلام) نصیحت کرتے تھے مگر وہ کب ماننے والے تھے۔ آخر ان کی بربادی کے لیے فرشتے لڑکوں کی صورت میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس سے ہو کر لوط (علیہ السلام) کے پاس بھی آئے۔ لوط (علیہ السلام) قوم کی عادت سے واقف تھے اول تو ان مہمانوں کے آنے سے ناخوش ہوئے مگر جب حال معلوم ہو گیا تو ان کو گھر لے گئے قوم نے بارادہ بد گھر کو آگھیرا حضرت لوط (علیہ السلام) اور ان کی بیوی فرشتوں کے حکم کے مطابق بستی چھوڑ کر باہر نکلے مگر آخر میں بیوی کو وطن اور قوم کی محبت نے مڑ پیچھے دیکھنے پر مجبور کیا وہ نمک کا کھینہ بن گئی اور صبح ہوتے تمام بستی غارت ہو گئی۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ان عذاب یافتہ لوگوں (کے مقامات) میں داخل نہ ہوا کرو مگر اس حال میں کہ تم رو رہے ہو، اگر رونا نہ آئے تو ان (کے مقامات) میں داخل نہ ہوؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی وہی (عذاب) پہنچ جائے جو انھیں پہنچا تھا۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (تبوک کو جاتے ہوئے) مقام حجر سے گزرے، تو فرمایا: "جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا ان کے گھروں میں داخل نہ ہوؤ، کہیں

۱۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب الصلاۃ فی مواضع الخسف والعذاب: ۴۳۳۔ مسلم، کتاب الزھد، باب النھی عن الدخول علی أہل الحجر إلا من یدخل باکیًا: ۲۹۸]

ایسا نہ ہو کہ جو عذاب ان پر آیا تھا تم پر بھی آ جائے۔ اگر داخل ہوؤ تو اس حال میں کہ تم رو رہے ہو۔" پھر آپ نے سر کو ڈھانک لیا اور تیزی کے ساتھ اس جگہ سے نکل گئے۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب غزوہ تبوک کے لیے جاتے ہوئے مقام حجر میں اترے تو آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ یہاں کے کنویں کا پانی نہ پییں اور نہ (مشکوں وغیرہ میں) بھر کر رکھیں۔ صحابہ نے عرض کی کہ ہم نے تو اس پانی سے آٹا گوندھ لیا ہے اور اسے بھر کر بھی رکھ لیا ہے، تو آپ نے انھیں آٹا پھینک دینے اور پانی بہا دینے کا حکم دیا۔ [2]

﴿ وَإِنْ كَانَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ لَظٰلِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾ ﴾

اور بن کے رہنے والے (یعنی شعیب (علیہ السلام) کی قوم کے لوگ بھی) بڑے ظالم تھے۔ (۷۸) سو ہم نے ان کو بھی سزا دی اور یہ دونوں ہی بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔ (۷۹)

اصحاب الایکہ کا معنی اور مصداق

ایکہ کا معنی ہے گھنا جنگل، درختوں کا جھنڈ تبوک یا مدین کے قریب ایک بستی ہے اس کو بھی ایکہ کہتے ہیں اصحاب الایکہ سے مراد ہیں حضرت شعیب (علیہ السلام) کی قوم کے لوگ اس قوم کا نام مدین تھا مدین

۱۔ [مسلم، کتاب الزھد، باب النھی عن الدخول علی أہل الحجر إلا من یدخل باکیًا: ۲۹۸۰/۳۹]

۲۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (ولقد أرسلنا إلی ثمود أخاہم صالحا): ۳۳۷۸، بعد الحدیث: ۳۳۴۵]

ان کے مرکزی شہر کو بھی کہتے تھے اور ان کے پورے علاقہ کو بھی یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایکہ تبوک کا قدیم نام تھا اس کا لغوی معنی گھنا جنگل ہے آج کل ایکہ ایک پہاڑی نالہ کا نام ہے جو جبل الکوز سے وادی افل میں آ کر گرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یہ دونوں بستیا عام گزرگاہ پر ہیں مدین اور اصحاب الایکہ کا علاقہ بھی حجاز سے فلسطین اور شام جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے۔

اصحاب الایکہ کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کا انتقام

اللہ تعالیٰ نے اصحاب الایکہ یعنی حضرت شعیب (علیہ السلام) کی قوم کو ظالم فرمایا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے تھے راستہ میں ڈاکا ڈالتے تھے ناپ تول میں کمی کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا ایک زبردست چیخ اور زلزلہ نے ان کے ہلاک کر دیا ان کا زمانہ حضرت لوط (علیہ السلام) کے زمانہ کے قریب تھا اما ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب (علیہ السلام) کے مبعوث فرمایا۔

ارشاد فرمایا: ﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۷۶ۙ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۷۷ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۷۸ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ [الشعراء: ۱۷۶ تا ۱۷۹] "ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بیشک میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔" اور فرمایا: ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۙ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴾[ق:۱۲ تا ۱۴] "ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا اور کنویں والوں نے اور ثمود نے۔ اور عاد اور فرعون نے اور لوط کے بھائیوں نے۔ اور درختوں کے جھنڈ والوں نے اور تبع کی قوم نے، ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرے عذاب کا وعدہ ثابت ہو گیا۔"

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی 310ھ قتادہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت شعیب (علیہ السلام) کو اصحاب الایکہ اور اہل مدین کی طرف مبعوث کیا گیا تھا ان دو امتوں کو دو مختلف عذاب دیئے گئے تھے اہل مدین کو ایک چنگاڑ نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اصحاب الایکہ پر سات دن تک سخت گرمی مسلط کر دی گئی تھی اور کوئی چیز ان سے تپش کو دور نہیں کر سکتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا وہ سب سائے کی تلاش میں اسے کے نیچے جمع ہو گئے اس بادل سے آگ نکلی اور اس آگ نے ان کو جلا کر بھسم کر دیا اس عذاب یوم الظلۃ اور عذاب یوم عظیم کہا گیا ہے۔ [1]

﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ ﴾

اور بیشک وادی حجر کے رہنے والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔

اصحاب الحجر سے مراد وہ قوم اور علاقہ ہے جو مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔ یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خلیج اربعہ کے مشرق میں اور شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ قوم اس قدر ٹیکنالوجی اور تعمیرات کے معاملے میں ترقی یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات اور

1۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 16072، مطبوعہ دار الفکر بیروت 1415ھ)

محلات تعمیر کیے تھے تا کہ کوئی زلزلہ اور طوفان انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ قوم بھی کفر وشرک کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ ہر قسم کے جرائم میں ملوث تھی۔ حضرت صالح (علیہ السلام) نے بہت سمجھایا مگر یہ لوگ کفر وشرک اور برے اعمال سے باز نہ آئے۔

"مرسلین" جمع کا صیغہ اس لیے آیا ہے کہ جو ایک نبی کی تکذیب کرتا ہے، گویا وہ سارے نبیوں کی تکذیب کرتا ہے۔ انھوں نے صالح (علیہ السلام) سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ نبی ہیں تو پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھائیں۔ صالح (علیہ السلام) نے دعا کی اور اللہ کے حکم سے پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی، لیکن جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کفر کی مہر لگا دے انھیں کب ہدایت مل سکتی ہے؟ انھوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور ایمان نہیں لائے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تین دن کی مہلت دی اور اس کے بعد انھیں ایک انتہائی شدید اور خطرناک چیخ کے ذریعے سے ہلاک کر دیا اور ان کی دولت اور پہاڑوں کو تراش کر بنائے گئے مکانات بھی انھیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔

﴿ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۸۱ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝۸۲ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝۸۳ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۴ ﴾

اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں مگر وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے۔ (۸۱)

وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر اپنے گھر بناتے تھے (اور) بے خوف وخطر رہا

کرتے تھے۔(۸۲) پس صبح ہوتے ہی انہیں ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا۔(۸۳) سوان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔(۸۴)

حضرت صالح (علیہ السلام) کی نشانیاں

اصحاب الحجر یعنی قوم ثمود کو جو نشانیاں دیں ان میں وہ اونٹنی ہے جو ان کی فرمائش پر حضرت صالح (علیہ السلام) نے چٹان سے نکالی اور اسی وقت اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا اور وہ بہت فربہ اور جسیم تھا اور وہ ایسی خوبصورت اونٹنی تھی کہ کوئی اونٹنی اس کی مثل نہ تھی وہ انٹنی بہت زیادہ دودھ دیتی تھی حتی کہ تمام قوم ثمود کو اس کا دودھ کافی ہو جاتا تھا اس اونٹنی کے علاوہ حضرت صالح (علیہ السلام) کو اور بھی نشانیاں عطا کی تھیں حضرت صالح (علیہ السلام) کو کنواں تھا وہ اونٹنی تھا وہ ایک دن میں اس کا سارا پانی پی جاتی تھی۔

قومِ ثمود کا فنِ تعمیر

اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے تصور نے انھیں یہ راستہ دکھایا تھا کہ پہاڑوں کو کھود کر گھر بنائے جائیں کیونکہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے سب سے مضبوط کوئی مکان اگر تعمیر کیا ہے تو وہ پہاڑ ہیں جنھیں ان کی جگہ سے ہلانا آسان نہیں۔ صدیوں سے اپنی جگہ ایستادہ ہیں۔ مضبوط سے مضبوط مادہ تعمیر سے بنے ہوئے مکانات بھی کہنگی یا حوادث کا شکار ہو کر زمین بوس ہو جاتے ہیں لیکن جب تک پہاڑ قائم ہیں اس میں کھدا ہوا گھر بھی قائم ہے کیونکہ دونوں کی استواری ایک دوسرے کے ساتھ قائم ہے اور انھیں اپنے اس فنِ تعمیر پر بے حد ناز تھا۔ قرآن کریم نے شاید ان کے اس فن کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطہ حج پر جاتے ہوئے یہاں سے گزرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں سرخ رنگ کے

پہاڑوں میں قوم ثمود کی عمارتیں موجود ہیں جو انھوں نے چٹانوں کو تراش خراش کر ان کے اندر بنائی تھیں۔ان کے نقش ونگار اس وقت تک ایسے تازہ ہیں کہ جیسے آج بنائے گئے ہوں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ: یعنی چوتھے دن کی صبح کے وقت ان پر عذاب آ گیا، ارشاد فرمایا: (وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۶۷ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ)[ھود:٦٧،٦٨] "اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں چیخ نے پکڑ لیا، تو انھوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں صبح کی کہ گرے پڑے تھے۔ جیسے وہ ان میں رہے ہی نہ تھے۔سن لو! بیشک ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔سن لو! ثمود کے لیے ہلاکت ہے۔" اور فرمایا: (اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ)[القمر: ٣١] "بیشک ہم نے ان پر ایک ہی چیخ بھیجی تو وہ باڑ لگانے والے کی کچلی، روندی ہوئی باڑ کی طرح ہو گئے۔"

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (جب تبوک جاتے ہوئے) مقام حجر سے گزرے (تو آپ نے سر مبارک کو جھکا لیا اور اپنی سواری کی رفتار تیز کر دی) اور آپ نے (اپنے ساتھیوں سے) فرمایا: "جن پر عذاب الٰہی اترا ہے ان کی بستیوں سے روتے ہوئے گزرو، اگر رونا نہ آئے تو ان بستیوں میں نہ جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائے جو ان پر آیا تھا۔"[1]

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ط

۱۔[مسلم، کتاب الزھد، باب النھی عن الدخول علی أہل الحجر:۲۹۸۰۔مسند أحمد:۲/۷۴، ح:۵۴۴۰۔بخاری، کتاب المغازی، باب نزول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الحجر:۴۴۱۹، ۴۴۲۰]

وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ، بیشک قیامت آنے والی ہے، آپ ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کریں۔ (۸۵) بیشک آپ کا رب ہی سب کو پیدا کرنے والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔ (۸۶)

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو اور ان میں موجود تمام چیزوں کو ایک سچے مقصد کے لیے پیدا کیا ہے مگر یہ کائنات ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ ایک دن قیامت ضرور آئے گی، لہٰذا اس چند روزہ زندگی میں اعلیٰ اخلاق کا ابر رحمت بن کر درگذر کی بارش برساتے رہیں۔ بارش جب برستی ہے تو وہ زرخیز اور بنجر زمین میں تفریق نہیں کرتی بلکہ ہر حصے کو اپنے پانی سے برابر سیراب کرتی ہے، اسی طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے باران رحمت نے بھی اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ درگزر کی عدیم النظیر مثالیں قائم کی ہیں حتیٰ کہ مکہ کے کافروں نے آپ کو شہید کرنے کی سازش کی، آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا اور آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کر کے ان کے کلیجہ چبایا مگر جب آپ کو ان پر غلبہ حاصل ہوا تو آپ نے ان سخت ترین دشمنوں کو معاف کر دیا۔ ظاہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود اخلاق اور درگزر کی تعلیم دے وہ اس اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ نہ کرے تو اور کون کرے گا؟۔

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ ﴾

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپکو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم (عطا کیا ہے)۔

ربط آیات اور سبب نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی زیادتیوں پر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو صبر کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ انسان جب یہ یاد کرے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ نعمتیں ہیں تو اس کے لیے سختیوں اور مصبتوں کو برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ اس آیت کے نزول کا یہ سبب بیان کیا گیا ہے بنوقریظہ اور بنونضیر کے لیے سامان سے لدے ہوئے سات قافلے آئے جن میں انواع واقسام کے کپڑے خوشبو اور جواہر تھے مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا اگر یہ اموال ہمارے پاس آتے تو ہم ان سے تقویت حاصل کرتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ میں نے تم پر جو سات آیتیں نازل فرمائی ہیں وہ ان سات قافلوں سے بہتر ہیں اور اس کی صحت پر اس کے بعد والی آیت دلالت کرتی ہے اور آپ اس متاع (دنیاوی) کی طرف رشک سے نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے کئی گروہوں کو دیا ہے۔ [1]

سیدنا ابوسعید بن معلیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے

1۔ (الآیہ۔) اسباب النزل للواحد رقم الحدیث: 556، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

پاس سے گزرے، انھوں نے مجھے بلایا، لیکن میں آپ کے پاس نہ آیا، بعد ازاں نماز ختم کر کے پہنچا تو آپ نے پوچھا: "اسی وقت کیوں نہ آئے؟" میں نے کہا، یا رسول اللہ! میں نماز میں تھا۔ آپ نے فرمایا: "کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں: (يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ) [الانفال: ٢٤] "اے لوگو، جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب وہ تمھیں اس چیز کے لیے دعوت دے۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سنو! میں تجھے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن کریم کی بہت بڑی سورت بتلاؤں گا۔" تھوڑی دیر میں جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کا وعدہ یاد دلایا تو آپ نے فرمایا: "وہ سورت (الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) ہے، یہی سبع مثانی (یعنی سات دہرائی جانے والی آیتوں پر مشتمل) ہے اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک دن سیدنا ابی بن کعبؓ سے فرمایا: "کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ میں تمھیں ایک ایسی سورت کی تعلیم دوں کہ جس جیسی سورت نہ تورات میں نازل ہوئی، نہ زبور میں نازل ہوئی، نہ انجیل میں نازل ہوئی اور نہ قرآن ہی میں؟" ابی بن کعبؓ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ہاں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "نماز میں تم کیا پڑھتے ہو؟" سیدنا ابیؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو (سورہ) فاتحہ پڑھ کر سنائی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قسم اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ نے اس سورت کے مثل نہ تورات میں کوئی سورت اتاری، نہ انجیل میں اتاری اور نہ زبور میں اتاری، نہ فرقان ہی

---

[1] [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (ولقد آتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم): ٤٧٠٣]

میں اتاری اور بیشک یہ سبع مثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔"[1]

﴿ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ ﴾

آپ ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جو ہم نے (کفار کی) کئی جماعتوں کو (دنیا کے) فائدے کے لیے دے رکھی ہیں اور ان پر غم نہ کیجئے اور ایمان والوں پر اپنے شفقت کے بازو جھکا دو۔

یہ چند روزہ عیش اور وہ بھی تلخیوں سے ملی ہوئی کونسی ایسی چیز ہے جسے دولت عظیم سمجھ لیا جائے؟ نعمت عظمی کیا ہے؟ سورہ الفاتحہ فرمایا اس لازوال اور نہ فنا ہونے والی دولت کے مقابلہ کی کیا قیمت رہ جاتی ہے کہ آپ اس کی طرف نظر التفات کریں جس کے پاس کوہ نور کا ہیرا موجود ہو وہ بھی کبھی کوڑیوں کی طرف دیکھتا ہے خواہ ان کوڑیوں کے ڈھیر ہی کیوں نہ لگے ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ہے "جس شخص کو دولت قرآن کریم بخشی گئی اور اس نے کسی دنیادار کو دیکھا اور اس کے سیم وزر کو نعمت عظمی یعنی قرآن کریم سے افضل خیال کیا تو اس نے بڑی بے انصافی کی اس نے عظیم المرتبت چیز کو حقیر جانا اور ایک حقیر چیز کو بڑا خیال کیا۔" آج فی زماننا عوام تو عوام ہیں اور ان کو کالانعام کہہ کر غصہ ٹھنڈا کر لیا جا سکتا ہے لیکن خواص وعلماء کا کیا حال ہے؟ اور پھر خصوصا وہ علماء وفضلاء جو مذہبی وسیاسی پارٹیوں کے امیر وصدر بنائے گئے ہیں وہ اس دنیوی مال ودولت پر کس قدر ریجھ چکے ہیں اور اپنی اپنی گروہ بندیوں سے کیا کیا فوائد انہوں

---

[1] [ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الکتاب: ۲۸۷۵]

نے اس فانی دنیا کے حاصل کئے ہیں کہ جب ان کا جی چاہتا ہے جس حکمران کے پاس وہ چاہتے ہیں اپنی صوابدید کے مطابق اپنی پوری پارٹی کے عوام کو بیچ دیتے ہیں، اور انکی قیمت وصول کر لیتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو مختلف الیکشن کے مواقع پر مختلف لوگوں کے ہاتھوں خود بھی بک چکے ہیں اور عوام کو بھی بیچ چکے ہیں اور عوام ہیں کہ وہ جنت حاصل کرنے کیلئے اپنی پارٹی کے علماء کرام کے سامنے اونچی سانس لینے کو تیار نہیں۔

یعنی یہ دولت کے پجاری جب اسی میں مگن رہنا چاہتے ہیں اور اس نعمت کی قدر کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جو قرآن کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے تو ان کے حال پر افسوس کرنے سے کیا فائدہ۔ وہ اسی لائق ہیں کہ اس عظیم نعمت سے محروم رہیں۔

یعنی ان لوگوں کی قدر کرو جو دولت دنیا سے خواہ محروم ہوں لیکن جنہوں نے دولت ایمان پائی ہے۔ ایسے ہی لوگ تمہاری رحمت وشفقت کے مستحق ہیں۔

سیدنا سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم چھ آدمی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے تھے، مشرکین نے کہا کہ ان لوگوں کو آپ اپنی مجلس سے نکال دیجیے، تاکہ یہ ہم پر جرات نہ کر سکیں۔ ان لوگوں میں میں، عبداللہ بن مسعود، ہذیل کا ایک آدمی، بلال اور دو آدمی اور تھے جن کا نام میں نہیں لے رہا ہوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل میں جو خیال اللہ نے چاہا وہ آیا۔ آپ ابھی سوچ ہی رہے تھے (کہ اب کیا کرنا چاہیے) کہ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرما دی: (وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ) "اور ان لوگوں کو دور نہ ہٹا جو اپنے رب کو

پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں، اس کا چہرہ چاہتے ہیں۔"[1]

﴿ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝۸۹ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝۹۰ ﴾

(اور کافروں سے) کہہ دو کہ میں (تو) کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔(۸۹) اور ہم ان کفار پر اس طرح عذاب نازل فرمائیں گے جس طرح ان لوگوں پر (اپنا کلام) نازل کیا تھا جنہوں نے (دین حق کے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔(۹۰)

پہلی آیت میں عذاب کا لفظ مقدر ہے یعنی اور آپ کہیں میں علی الاعلان عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے: پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ فرما دیں کہ میں تمہیں کڑک (کے عذاب) سے ڈرایا ہے جیسا عاد اور ثمود پر کڑک کا عذاب آیا تھا۔ (حم السجدہ:13) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جیسا کہ ہم نے ان پر عذاب نازل کیا جو تقسیم کرنے والے تھے۔ وہ تقسیم کرنے والے کون تھے اور کس چیز کو تقسیم کرونے والے تھے

اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(1) مقاتل اور فراء نے کہا ولید بن مغیرہ نے سولہ آدمیوں کے حج کے ایام میں مکہ کی گھاٹیوں اور مکہ کے راستوں میں بھیجا وہ ان راستوں سے مکہ کی طرف آنے والوں سے کہتے تھے ہم میں سے ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو نبوت کا دعوی کرتا ہے اس کی باتوں سے دھوکا نا کھانا کیونکہ وہ دیوانہ ہے اور کبھی کہتے ہو جادوگر

---

[1]۔[مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضل سعد بن أبی وقاص (رض):٤٦/ ٢٤١٣]

ہے اور کبھی کہتے وہ شاعر ہے اور کبھی کہتے وہ کاہن ہے ان کو مقتسمین اس لیے فرمایا کہ انہوں نے مکہ کی گھاٹیوں اور راستوں کا آپس میں تقسیم کرلیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو بدترین موت سے رسوا کیا انہوں نے ولید بن مغیرہ کو مسجد حرام کو دروازہ پر کھڑا کر دیا تھا جب باہر سے آنے والے اس سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق پوچھتے تو وہ کہتا یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔

(2) قتادہ نے کہا یہ کفار قریش کا ایک گروہ تھا ان لوگوں نے اللہ کتاب کی تقسیم کرلیا تھا بعض اس کو شعر کہتے تھے بعض جادو کہتے تھے بعض کہانت (جنات کی بتائی ہوئی باتیں) کہتے تھے اور بعض یہ کہتے کہ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیوں ہیں۔

(3) حضرت ابن عباسؓ نے یہ فرمایا یہ اہل کتاب تھے جو بعض کتاب پر ایمان لائے تھے اور بعض کا کفر کرتے تھے۔

(4) عکرمہؒ نے بھی اسی طرح کہا کہ یہ اہل کتاب تھے ان کو تقسیم کرنے والے اس یے فرمایا کہ یہ کتاب کا مذاق اڑاتے اور کہتے تھے یہ سورت میری ہے اور یہ سورت تمہاری ہے۔

(5) قتادہؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب کو تقسیم کرلیا تھا اس میں تفریق اور تحریف کردی۔

(6) زید بن اسلم نے کہا اس سے حضرت صالح (علیہ السلام) کی قوم مراد ہے انہوں نے حضرت صالح (علیہ السلام) پر شب خون مارنے کے لیے قسمیں کھائی تھیں اور مقتسمین سے مراد قسمیں کھانے والے ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ (النمل:٤٩) انہوں نے کہا سب آپس میں اللہ کی قسم کھا

کر عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے پھر ہم اس کے وارث سے کہیں گے ان کے قتل کے موقع پر ہم موجود ہی نہ تھے اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں

(۷) اخفش نے کہا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کرنے کی قسمیں کھائی تھیں ان لوگوں میں العاص بن دلائل عتبہ ربعیہ شیبہ ابوجہل بن ہشام ابوالمختر ی بن ہشام النضر بن الحارث امیہ بن خلف اور انضر بن الحجاج تھے۔ [۱]

سیدنا ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری اور اس کی مثال جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے، اس شخص کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آئے اور کہے، اے میری قوم! میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے (ایک) لشکر کو دیکھا ہے اور میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں، اس لیے نجات کی جگہ تلاش کرو، تو اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس کا کہا مانا اور راتوں رات اپنی پناہ کی جگہ کی طرف چلے گئے اور نجات پائی، لیکن ان میں سے ایک گروہ نے اسے جھوٹ سمجھا اور وہ اپنی جگہ ہی رہے، تو صبح کو لشکر نے ان پر حملہ کر دیا اور انھیں ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا۔ یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی اور جو میں لے کر آیا ہوں اس کی پیروی کی اور اس شخص کی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اس کو جھٹلایا۔" [۲]

﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ﴾

۱۔ (النکت والعیون ج3 ص172۔171، دارالکتب العلمیہ بیروت)

۲۔ [بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۷۲۸۳]

جنہوں نے کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔(۹۱) سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور پوچھیں گے۔(۹۲) جو وہ کیا کرتے تھے۔(۹۳)

عضین کا معنی

یعنی جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بعض نے کہا یہ کہانت ہے اور بعض نے کہا یہ اگلے لوگوں کے قصے ہیں قرآن مجید میں ہے۔ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ (البقرہ: ۸۵) کہا پس تم کتاب کے بعض حصے کے ساتھ ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو۔ اور عضون جمع ہے جیسے ثبون ثبۃ کی جمع ہے اسی طرح عضۃ کی جمع ہے عضوم ہے اسی طریقہ پر العضۃ اصل میں ایک درخت ہے اگر اس کی اصل العضو ہو تو یہ ناقص یائی ہے اور لام کلمہ حذف ہو گیا عضیت الجزور و الشاہ کا معنی ہے میں نے اونٹ اور بکری کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا واران کو تقسیم کر دیا جعلو القران عضین کا معنی ہے انہوں نے قران کو بوٹی بوٹی کر ڈالا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ اصل میں عضھہ تھا آخر میں جو تاء ہے وہ حالت وقف میں ہاء ہو جاتی ہے اور دو ہاؤں کا اجتماع زبان ثقیل خیال کیا گیا تھا تو ایک ہاء حذف کر دی گئی اور عضہ ہو گیا اس کا معنی جھوٹی اور بناوٹی بات ہے اس قول کی بناء پر جعلوا القران عضین کا معنی ہے انہوں نے قرآن کو بناوٹی خود ساختہ اور من گھڑت کلام قرار دیا۔ [1]

حضرت زید بن ارقم ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! اخلاص کا کا کیا

۱۔ المفردات مع التوضیح ج ۲ ص 439، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ 1418ھ)

معیار ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کرے۔ [1]

نیز حضرت زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کیا ہے کہ جو شخص بھی میری امت سے میرے پاس لا الہ الا اللہ لے کر آئے درآنحالی کہ اس نے اس (توحید) کے ساتھ کسی چیز کو نہ ملایا ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ کی چیز ملائے گا؟ آپ نے فرمایا دنیا کی حرص کرنا اور دنیا کو جمع کرنا اور دنیا کی وجہ سے منع کرنا وہ نبیوں کی طرح باتیں کریں گے اور ظالموں کے عمل کریں گے حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا لا الہ الا اللہ بندوں کو اللہ کی ناراضگی سے بچاتا ہے جب تک کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں اور جب وہ دنیا کو دین پر ترجیح دیں اور لا الہ الا اللہ کہیں تو یہ کلمہ ان پر رد کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا۔ [2]

اگر یہ باور کر لیا جائے کہ پہلی دونوں آیتیں یہود یا اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں تو پھر اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ آیتیں بھی یہود یا اہل کتاب ہی سے متعلق ہیں کیونکہ انھوں نے کتاب اللہ تعالیٰ کے احکام کی تقسیم کر کے اللہ تعالیٰ کی توہین کی ہے اور اپنے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم اس قابل نہیں کہ اسے درخور اعتنا سمجھا جائے۔ اصل اتباع کے لائق تو ہماری خواہش نفس ہے، اللہ تعالیٰ کا جو حکم اس کے مطابق ہوگا اسے تسلیم کریں گے اور جو مطابق نہیں ہوگا اس کا انکار کر دیں گے یا اس پر عمل کرنے سے گریز کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ رویہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انتہائی قابل گرفت ہے۔ چنانچہ نہایت زوردار الفاظ میں فرمایا کہ جو لوگ بھی اس رویئے کے مرتکب ہوئے ہیں ہم ان سے

۱۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: 8896)

۲۔ نوادر الاصول ج 3 ص 73۔72، الجامع الاحکام القرآن جز 10 ص 56۔55، مطبوعہ بیروت)

ضرور پوچھیں گے۔اور انھوں نے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے استخفاف میں حرکتیں کی ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ہم ایک ایک حرکت کا حساب لیں گے اور اس پر انھیں سزا دیں گے۔

گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے قیامت تک یہ امت جوابدہی کے کٹہرے میں کھڑی ہے۔ ہر دور کے مسلمانوں کو اپنے متعلق یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کی شریعت کے احکام کو ملک کا آئین وقانون بنا کر نافذ کر چکے ہیں یا نہیں اور اگر ہمارا رویہ بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، نماز روزے سے متعلق احکام کی تعمیل سے آگے نہیں بڑھتی تو پھر ہم اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے اور اس کے سامنے کیسے جوابدہی کر سکیں گے۔

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ ﴾

آپ اس کا برملا اعلان کر دیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکوں سے اعراض کرو۔(۹۴) بیشک ہم آپ کیطرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کے لیے کافی ہیں ۔(۹۵) جو اللہ کے ساتھ معبود بناتے ہیں تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔

(۹۶)

اسدع کا معنی

صدع کا معنی کسی ٹھوس جسم مثلاً لوہے یا شیشہ وغیرہ میں شگاف پڑنے اور اس کے شق ہوجانے کے ہیں اور شق ہونے کو اس چیز کا کھلنا لازم ہے اس اعتبار سے کسی چیز کے کھلم بیان کرنے کے لیے بھی صدع لا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اصدع کا معنی ہے آپ کھلم کھلا بیان کر دیجئے اور برملا کہہ دیجئے۔ مجاہدؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھئے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا پہلے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چھپ کر تبلیغ کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ اور آپ کے اصحاب باہر نکل آئے اور علانیہ تبلیغ کرنے لگے۔ (۲)

ان آیات کے ذریعے سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے ضمانت دے دی کہ جو رؤسائے قریش آپ کا مذاق اڑاتے ہیں ہم ان سے نمٹ لیں گے وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی: (اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ) [الحجر:۹۵] "بیشک ہم تجھے مذاق اڑانے والوں کے مقابلے میں کافی ہیں۔" اور فرمایا، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مذاق اڑانے والے یہ لوگ تھے، ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث زہری، ابوزمعہ اسود بن مطلب، حارث بن عیطل سہمی اور عاص بن وائل۔ سیدنا جبرائیل (علیہ السلام) رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے تو اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مذاق اڑانے والوں کی شکایت جبرائیل (علیہ السلام) سے کی۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے ولید کو کر دیا اور اس

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 1617)

۲۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 16173)

کی بغل میں ایک رگ کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا: "آپ نے (ولید کے ساتھ) کیا کیا؟" جبرائیل (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہا: "میں نے اس کو سزا دے دی۔" اس کے بعد جبرائیل (علیہ السلام) نے اسود کو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے کر دیا اور اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے بارے میں بھی جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا: "آپ نے (اس اسود کا) کیا کیا؟" جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا: "میں نے اس سے نپٹ لیا۔" پھر جبرائیل (علیہ السلام) نے ابوزمعہ کو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے کیا اور اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جبرائیل (علیہ السلام) سے کہا: "آپ نے اس کا کیا بندوبست کیا؟" جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا: "میں نے اس سے بھی بدلہ لے لیا۔" اس کے بعد جبرائیل (علیہ السلام) نے حارث کو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے کیا اور اس کے سر یا پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "میں نے اس سے بھی انتقام لے لیا۔" اسی طرح عاص کا گزر ہوا تو جبرائیل (علیہ السلام) نے اس کے پاؤں کے تلوے کی جانب اشارہ کیا اور کہا: "میں نے اس کو بھی دبوچ لیا۔" ولید کو سزا اس طرح ملی کی خزاعہ قبیلے کا ایک شخص جو اپنے تیروں کو ترتیب دے رہا تھا، اس کے پاس سے ولید کا گزر ہوا تو ایک تیر اس کی بغل کے نیچے رگ پر جا لگا اور اس نے رگ کو کاٹ دیا۔ اسود بن مطلب اندھا ہو گیا۔ اسود بن عبد یغوث سے انتقام اس طرح لیا گیا کہ اس کے سر میں زخم ہو گئے جن کی وجہ سے وہ مر گیا۔ حارث سے انتقام اس طرح لیا گیا کہ زرد پانی نے حارث کو گھیر لیا، وہ اس کے پیٹ میں داخل ہو گیا اور صورت حال یہ ہو گئی کہ اس کا پاخانہ اس کے منہ سے نکلنے لگا، پھر وہ اس سے مر گیا۔ عاص کو سزا اس طرح

ملی کہ اس کے سر میں اس طرح کا پھوڑا نکلا جس طرح کا ایک کانٹے دار پودا حجاز کے ریگستان میں اگتا ہے، اس کانٹے دار حجازی پودے کی طرح کا پھوڑا اس کے سر میں نکلا، سارے سر میں پھیل گیا اور وہ اس سے مر گیا۔ عاص کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ گدھے پر سوار ہو کر طائف کی طرف نکلا، گدھا کودا، اس نے اس کو کانٹوں پر گرا دیا، کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں پیوست ہو گیا اور وہ اسی سے مر گیا۔ [1]

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ﴾

اور بلاشبہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ (۹۷) سو آپ اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ کیے جاؤ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (۹۸) اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔ (۹۹)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب مشرکین کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلاتے اور اس کی توحید کی دعوت دیتے تو وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت میں جو منہ میں آتا کہہ گزرتے۔ اپنے بتوں

۱۔ [السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/ ۸، ح: ۱۷۷۳۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/ ۳۱۶ تا ۳۱۸]

کی حمایت میں اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی کرتے اور دین کے بنیادی عقائد کے بارے میں عجیب وغریب ہفوات بکتے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس سے حد درجہ تکلیف ہوتی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سینہ صدمے سے بھر جاتا۔ چنانچہ اس صدمے کی شدت سے نکلنے اور دل کے اطمینان کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تدبیر بتائی جارہی ہے کہ وہ جیسے ہی آپ کا دل دکھانے کی باتیں کریں آپ اس ذات بابرکات کی حمد وثنا کی تسبیح میں لگ جائیں جس کا نام دلوں کے لیے باعث سکون اور جس کی یاد دکھی دلوں کا مرہم ہے۔ اس بات کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ جب طبیعت پر ایسے خیالات کا ہجوم ہو جو طبیعت کو اچاٹ کر دینے والے اور دل کو زخمی کر دینے والے ہوں تو پھر دل کو محبوب کی یاد میں مصروف کر دینا چاہیے کیونکہ محبوب کی یاد اور محبوب کا وصل ایک ایسا نشہ ہے جس کے سامنے زندگی کا کوئی خیال یا دکھ ٹھہر نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سب سے عظیم محبوب اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔ اس لیے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تھا کہ میں دنیا میں اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن میرا خلیل صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ایسے تکلیف دہ مراحل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد ہی کام آسکتی ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ جب کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غم گین ہوتے تو آپ حضرت بلالؓ سے فرماتے اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ اے بلالؓ مجھے آرام پہنچاؤ۔ بلالؓ کہتے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیسے آرام پہنچاؤں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے، اذان کہو، تاکہ نماز پڑھوں، کیونکہ میرے دل کی راحت نماز میں ہے۔ شاید اس لیے فرمایا گیا کہ آپ نہ صرف کہ خود نماز کی طرف متوجہ ہوں بلکہ اپنے خادموں کے ساتھ نماز کا اہتمام فرمائیں تاکہ جب ادھر سے راحت واطمینان کی شبنم برسے تو آپ کے خادم بھی اس سے محروم نہ رہیں۔

مزید فرمایا کہ آپ بندگی اور عبادت اس وقت تک جاری رکھیں جب تک کہ یقین کا وقت نہیں آجاتا، یعنی جب تک آنکھوں میں نم یا روشنی ہے اور نبض میں جنبش ہے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی یاد جاری رہنی چاہیے کیونکہ اللہ والوں کی تو حقیقی زندگی یہی ہے اور موت اسی صورت میں آنی چاہیے کہ دل میں اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق اور زبان پر اس کی رفاقت کا تذکرہ ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب یقین کا معنی موت کیا جائے۔ لیکن بعض اہل علم نے یقین سے مراد وہ وقت لیا ہے جب اسلام کو غلبہ عمومی ملے گا، مکہ فتح ہوجائے گا اور کفر اور شرک کی قوتیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے ہاتھ باندھیں کھڑی ہوں گی اور لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جن جن باتوں کی خبر دی تھی ان میں سے ایک ایک بات حقیقت کے روپ میں جلوہ گر ہو کر لوگوں کے سامنے کھڑی ہے۔

سیدہ ام العلاءؓ بیان کرتی ہیں کہ جب انصار نے مہاجرین کی میزبانی کے لیے قرعہ اندازی کی تو سیدنا عثمان بن مظعونؓ ان کے گھرانے کے حصہ میں آئے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ بعد ازاں عثمان ہمارے ہاں بیمار ہو گئے اور میں نے ان کی اچھی طرح تیمارداری کی، حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ہم نے انھیں ان کے (کفن کے) کپڑے پہنا دیے، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے پاس تشریف لائے، تو میں نے عثمان سے مخاطب ہو کر کہا، اے ابوالسائب! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، میں شہادت دیتی ہوں کہ یقیناً اللہ نے تمھیں عزت دی ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمھیں کیسے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں عزت دی ہے؟" میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! میں نہیں جانتی (لیکن اگر ان کو عزت نہیں دی گئی) تو کون ہے

(جس کو عزت دی جائے)؟ آپ نے فرمایا: "دیکھو! عثمان کا تو واللہ! انتقال ہو گیا اور میں اللہ کی قسم! ان کے بارے میں اچھی امید رکھتا ہوں، لیکن اللہ کی قسم! مجھے بھی معلوم نہیں، حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ اللہ کے یہاں کیا معاملہ ہوگا۔" ام العلاءؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی، آج کے بعد میں کسی کی تقدیس نہیں کروں گی۔ وہ کہتی ہیں کہ مجھے اس بات سے کافی رنج ہوا، پھر میں سو گئی تو میں نے دیکھا کہ خواب میں عثمان بن مظعونؓ کے لیے ایک بہتا ہوا چشمہ ہے۔ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئی اور آپ کو خواب سنایا، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ ان کا (نیک) عمل ہے۔"[1]

یاد رہے! عبادت، مثلاً نماز وغیرہ انسان پر اس وقت تک واجب ہے جب تک اس میں عقل باقی ہو، نماز انسان کو حسب حال پڑھتے ہی رہنا چاہیے، جیسا کہ سیدنا عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھ لو۔"[2]

سورہ نحل

یہ سورت مکی ہے سوائے ان چار آیات کے، "۔ وان عاقبتم فعاقبوا"۔ واصبر وما صبرک الا باللہ"۔ ثم ان ربک للذین ھاجروا"۔ والذین ھاجروا فی اللہ"۔ (الخ) یہ چاروں آیات مدنی ہیں۔

اس سورت میں ایک سو اٹھائیس آیات اور ایک ہزار آٹھ سو اکتالیس کلمات اور چھ ہزار سات سو حروف

۱۔ [بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مقدم النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وأصحابہ المدینۃ: ۳۹۲۹]

۲۔ [بخاری، کتاب التقصیر، باب إذا لم یطق قاعدًا صلی علی جنب: ۱۱۱۷]

ہیں۔

وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول

اس سورت کا نام النحل ہے، نحل کے معنی ہیں شہد کی مکھی، النحل کا لفظ اس آیت میں ہے:

واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن والشجر ومما یعرشون۔ (النحل: ٦٨) اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور چھپروں میں گھر بنا۔

قرآن عظیم میں اس آیت کے سوا اور کسی جگہ النحل کا لفظ نہیں آیا، اسی لیے اس سورت کا یہ نام ہے اور مصاحف، کتب حدیث اور کتب تفسیر میں اس سورت کا یہی نام مشہور ہے۔ یہ سورت مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ۔ (النحل: ١٢٦) اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت یہ ہے کہ النحل: ٩٧۔٩٥ کے سوا باقی تمام آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور شعبیؒ نے کہا النحل: ١٢٨۔١٢٦ کے سوا باقی تمام آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں، اس طرح اور بھی اقوال ہیں۔ [1]

ا۔ (زاد المسیر ج ٤ ص ٤٢٥، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤١٢ھ)

مضامین کا خلاصہ

رکوع 1: مشرکین کے لیے وعید وتہدید ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عذاب جلد منگوانے کا تقاضا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا انبیاء پر وحی نازل کرنا تا کہ وہ لوگوں کو خبردار کردیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس لیے اسی سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ پھر زمین وآسمان کے بنانے، تخلیق انسان اور چوپایوں کے پیدا کرنے میں توحید کے دلائل کا بیان ہے۔ آخر میں بتایا گیا ہے کہ توحید وتقویٰ ہی اللہ تک پہنچنے کا سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔

رکوع 2: ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں اور نظام کائنات کا بیان ہے۔ پھر انسان کے لیے سمندر کی تسخیر اور پہاڑوں کی تخلیق کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں باطل معبودوں کی بے بسی اور عاجزی کا ذکر ہے۔

رکوع 3: شروع میں اللہ کی وحدانیت کا بیان کہ اس کے سوا کوئی خالق ومعبود نہیں۔ وہ واحد ویکتا اور وہی عالم الغیب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر منکرین نبوت کا انجام بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز وہ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جو ان کی باتوں سے گمراہ ہوں گے۔

رکوع 4: سابقہ قوموں کا انجام اور جانکنی کے وقت مشرکین کی حالت کا بیان ہے۔ پھر پرہیزگاروں کا انجام اور کفار کو تنبیہ کی گئی ہے۔

رکوع 5: مشرکین کے دلائل کا رد اور انبیاء کی بعثت کا مقصد بیان کرنے کے بعد مشرکین کی پختہ قسموں کا ذکر ہے۔ جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کسی کو

زندہ نہیں کرے گا۔

رکوع 6: ہجرت کے منافع کا بیان اور اہل ذکر سے استفادے کا حکم مذکور ہے۔ پھر منکرین و مشرکین کی تہدید اور انسان کی غفلت پر تنبیہ ہے۔

رکوع 7: شروع میں خالص توحید کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر مشرکوں کی بے عقلی اور سنگدلی بیان کی گئی ہے۔

رکوع 8: اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور حلم و مہربانی کا بیان ہے پھر آپ کو اطمینان دلانے کے لیے فرمایا کہ آپ قوم کی تکذیب سے دلگیر اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ سابقہ انبیاء بھی اسی قسم کے حالات سے دوچار ہوتے رہے۔

رکوع 9: چوپایوں میں عبرت کے نشان اور پھر شہد کی مکھی میں قدرت الٰہی کی نشانیوں کا بیان ہے۔ آخر میں انسانی وجود میں قدرت کی نشانیوں کا ذکر ہے۔

رکوع 10: اللہ کا لوگوں کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دینا اور کافروں کا باطل معبودوں پر ایمان رکھنا اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنا مذکور ہے۔ آخر میں دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک آقا اور غلام کی اور دوسری گونگے اور سمجھدار آدمی کی۔

رکوع 11: اللہ کے کمال علم و قدرت اور لوگوں کی جائے سکونت کا بیان ہے۔

رکوع 12: کفر و شرک کا انجام، قیامت کے روز جب امتیں اپنے پیغمبروں کی تکذیب کریں گی تو اس وقت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گواہی دیں گے کہ یہ منکرین جھوٹے ہیں۔

رکوع 13: جامع ترین آیت، بدعہدی کی مثال اور پھر مشیت خداوندی کا بیان ہے۔ آخر میں تلاوت قرآن کا ادب بیان کیا گیا ہے۔

رکوع 14: مشرکین کی کم عقلی اور بے یقینی اور پھر مشرکین کے ایک احمقانہ اعتراض کا بیان ہے۔ آخر میں مشرکین کے انجام اور مرتد کے لیے عذاب عظیم کی خبر دی گئی ہے۔

رکوع 15: شروع میں ایک بستی کی مثال بیان کی گئی ہے پھر اکل حلال کا حکم اور یہود پر حرام کی گئی اشیا کا ذکر ہے۔

رکوع 16: حضرت ابراہیم کے اوصاف بیان کرنے کے بعد ہفتے کے دن کی تعظیم کے حکم کا بیان ہے۔ اس کے بعد تبلیغ دین کے آداب بیان کئے گئے ہیں۔

﴿ اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۱ ﴾

اللہ کا حکم آن پہنچا ہے پس تم اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بالا و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کا حکم یعنی اس کا عذاب آ پہنچا تو منافقین نے آپس میں کہا یہ شخص یہ گمان کر رہا ہے کہ اللہ کا عذاب آ پہنچا ہے تو تم فی الحال اپنی کارروائیاں موقوف کر دو اور پھر انتظار کرو کہ کیا ہوتا ہے، پھر جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی چیز نازل نہیں ہوئی تو انہوں نے کہا ہمارا گمان یہ ہے کہ کوئی عذاب نازل نہیں ہوگا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلۃ معرضون (الانبیاء:1) لوگوں کے لیے ان کا حساب قریب آ گیا اور وہ

غفلت سے روگردانی کیے ہوئے ہیں۔

منافقین نے کہا کہ یہ تو پہلے کی مثل ہے، اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی عذاب نازل نہیں ہوا تو انہوں نے کہا ہمارا گمان یہ ہے کہ کوئی چیز نازل نہیں ہوگی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

ولئن اخرنا عنھم العذاب الی امۃ معدودۃ لیقولن ما یحبسہ الا یوم یاتیھم لیس مصروفا عنھم وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزؤن۔ (ھود:8) اور اگر ہم چند دنوں کے لیے ان سے عذاب روک لیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ کس چیز نے اسے روک لیا؟ سنو جس دن وہ عذاب ان پر آئے گا تو ان سے پھیرا نہ جائے گا اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا۔ [1]

بہ ظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ النحل مکی سورت ہے اور مکہ میں منافقین موجود نہ تھے، امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے:

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مشرکین کو کبھی دنیا کے عذاب سے ڈراتے تھے، یعنی ان کو قتل کر دیا جائے گا اور ان پر غلبہ حاصل کیا جائے گا جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوا اور کبھی ان کو قیامت کے عذاب سے ڈراتے تھے جو قیامت کے دن واقع ہوگا، پھر جب مشرکین نے کسی قسم کے عذاب کو نہیں دیکھا تو وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب کرنے لگے، اور آپ سے عذاب کا مطالعہ کرنے لگے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کا عذاب آ پہنچا سو (اے کافرو) تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو۔ [2]

سیدنا عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت قائم ہونے سے پہلے مغرب کی جانب سے ڈھال کی طرح سیاہ ابر نمودار ہوگا اور وہ بہت جلد پورے آسمان پر

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 16192، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

۲۔ (تفسیر کبیر ج 7، ص 168، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

پھیل جائے گا، پھر وہ پکارے گا: "اے لوگو!" لوگ تعجب سے ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے اور کہیں گے کیا تم نے کچھ سنا؟ تو ان میں سے کچھ لوگ ہاں میں جواب دیں گے اور بعض شک کریں گے۔ وہ پھر دوسری دفعہ پکارے گا: "اے لوگو!" تو لوگ (ایک دوسرے سے) کہیں گے، کیا تم نے کچھ سنا؟ تو وہ سب کہیں گے، ہاں۔ پھر وہ تیسری مرتبہ منادی کرے گا اور کہے گا، اے لوگو! امر الٰہی آ پہنچا، جلدی کرو۔" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ کی قسم! (اس کے بعد قیامت اتنی جلدی آجائے گی کہ) دو شخص جو کسی کپڑے کو پھیلائے ہوئے ہونگے، سمیٹنے بھی نہ پائیں گے (کہ قیامت قائم ہوجائے گی) اور کوئی اپنے حوض کو ٹھیک کر رہا ہوگا اور ابھی پانی پلانہ پایا ہوگا (کہ قیامت آجائے گی) اور دودھ دوہنے والے پی بھی نہ سکیں گے (کہ قیامت آجائے گی)، ہر ایک نفسا نفسی میں لگ جائے گا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک سورج مغرب سے نہیں نکلے گا۔ جب سورج مغرب سے نکلے گا اور لوگ دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے۔ یہی وہ وقت ہوگا جب کسی کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا، (جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا، یا جس نے ایمان کے بعد عمل خیر نہ کیا ہوگا) پس قیامت آجائے گی اور دو آدمی کپڑا درمیان میں (خرید و فروخت کے لیے) پھیلائے ہوئے ہونگے، ابھی خرید و فروخت مکمل نہیں ہوئی ہوگی اور نہ انھوں نے اسے لپیٹا ہی ہوگا (کہ قیامت قائم ہوجائے گی) اور قیامت اس حال میں (اتنی جلدی) آئے گی کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر آ رہا ہوگا اور اسے پی بھی نہیں سکے گا اور قیامت اس حال میں قائم ہوجائے گی کہ ایک شخص اپنا حوض تیار کروا رہا ہوگا اور اس کا پانی بھی نہ پی

---

[1]۔ [مستدرک حاکم: ٤/ ٥٣٩، ح: ٨٦٢٢]

پائے گا اور قیامت اس حال میں (اس قدر تیزی سے) واقع ہوگی کہ ایک شخص اپنا لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھائے گا اور اسے کھانے بھی نہ پائے گا۔"[1]

﴿ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ ﴾

وہ فرشتوں کو وحی دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) خبردار کردیں کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم سب مجھ ہی سے ڈرو۔

ملائکہ سے جبرائیل علیہ السلام کا مراد ہونا

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے کہ اللہ ملائکہ کو روح کے ساتھ اپنے امر سے نازل فرماتا ہے۔

اب اس آیت میں ایک بحث یہ ہے کہ ملائکہ سے کیا مراد ہے اور دوسری بحث یہ ہے کہ روح سے کیا مراد ہے۔ امام عبدالرحمن جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس آیت میں ملائکہ سے مراد حضرت جبرائیل ہیں۔[2]

امام ابن جریر نے ملائکہ سے عام فرشتوں کا ارادہ کیا ہے، اور امام رازی نے حضرت ابن عباسؓ کی مذکور الصدر روایت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس سے مراد جبرائیل ہیں، اب اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے

۱۔[بخاری، کتاب الرقاق، بابٌ: ٦٥٠٦]

۲۔(زادالمسیر ج4، ص428، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

کہ ملائکہ جمع ہے اور جبرائیل واحد ہیں تو واح پر جمع کے اطلاق کی کیا توجیہ ہے اس کا امام واحدی نے یہ جواب دیا ہے کہ جب واحد رئیس مقدم ہو تو اس پر جمع کا اطلاق جائز ہے، قرآن مجید اور کلام عرب میں اس کی بہت نظائر ہیں۔

روح میں متعدد اقوال:

اور روح کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابن ای طلحہ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے اس سے مراد وحی ہے۔ (۲) عکرمہ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے اس سے مراد نبوت ہے۔ (۳) زجاج نے کہا جس چیز میں اللہ کا امر ہو وہ روح ہے۔ (۴) حسن اور قتادہ نے کہا اس سے مراد رحمت ہے۔ (۵) ابن زید نے کہا اس سے مراد قرآن ہے اور قرآن کو روح اس لیے فرمایا کہ جس طرح بدن روح سے زندہ ہوتا ہے اسی طرح دین قرآن سے زندہ ہوتا ہے۔ [1]

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴ ﴾

اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ اس سے بہت بلند ہے

۱۔ (زاد المسیر ج ۴، ص 428، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1412ھ)

جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔(۳)اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا ہے، پھر وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔(۴)

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اوران کے درمیان جو چیز ہے اسے انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس لیے انسان کی تخلیق کے بیان سے پہلے زمین وآسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے۔گویا کہ مکیں سے پہلے مکاں کا بیان ہوا۔اب انسان کو توجہ دلائی جارہی ہے کہ اے انسان تجھے اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر پانی سے پیدا کیا ہے اور زمین وآسمان کی تخلیق کی طرح تیری تخلیق میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔وہ چاہتا ہے تو مرد اور عورت کے ملاپ کے ذریعے ان کے نطفہ سے بچہ کو پیدا کرتا ہے، اگر نہ چاہے تو مرد اور عورت کے زندگی بھر کے ملاپ سے کچھ بھی نہ پیدا ہو اور نہ انہیں کوئی دوسرا اولاد عطا کرسکتا ہے۔لیکن اس حقیقت کے باوجود انسان نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو اس کا شریک بناتا ہے بلکہ شرک جیسے عظیم گناہ کے من گھڑت دلائل بھی دیتا ہے۔جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھلے الفاظ میں جھگڑا کرنے کے مترادف ہے۔لہٰذا ہر انسان کو اپنی اوقات سامنے رکھنی چاہیے کہ وہ کیا تھا اور کہاں پہنچا اور کس ذات کبریا کے ساتھ اوروں کو شریک بنا کر اس کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے۔(یٰس:۷۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں اللہ کے سچے اور مصدوق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ تم میں ہر شخص کی تخلیق اس کی والدہ کے رحم میں چالیس دن ایک نطفہ کی صورت میں ہوتی ہے پھر چالیس دن جمے ہوئے خون کی شکل میں رہتا ہے پھر چالیس دن گوشت کی صورت میں رہتا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو چار باتوں کے ساتھ بھیجتے ہیں وہ اس کا کردار، اس کی موت، اس کا رزق، اس کا بد یا نیک ہونا لکھتا ہے پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔اس اللہ کی قسم جس کا کوئی شریک نہیں تم میں سے

کوئی جنتیوں والے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت اور اس کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ ایسے کام کرتا ہے کہ وہ جہنم میں داخل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص عمر بھر دوزخیوں والے کام کرتا ہے یہاں تک کہ دوزخ اور اس کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی ہوتا ہے تو اس پر لکھا ہوا غالب آجاتا ہے۔ پھر وہ جنتیوں والے عمل کر کے جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہؓ ذکر کرتے ہیں کہ رسول محترم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں۔ وہ میرے بارے میں زبان درازی کرتا ہے یہ اس کے لیے ہرگز جائز نہیں۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کرے گا جیسا کہ اس نے پہلی بار پیدا کیا۔ حالانکہ میرے لیے دوسری دفعہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ اس کا میرے بارے میں یہ کہنا بدکلامی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جبکہ میں اکیلا اور بے نیاز ہوں۔ نہ میں نے کسی کو جنم دیا اور نہ مجھے کسی نے جنا ہے اور کوئی بھی میری ہر برابری کرنے والا نہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ ابن آدم کی میرے بارے میں بدکلامی یہ ہے کہ میری اولاد ہے جبکہ میں پاک ہوں نہ میری بیوی ہے نہ اولاد۔" [2]

سیدنا بسر بن جحاش القرشیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے! تو مجھے کیسے عاجز کرسکتا ہے، حالانکہ میں نے تو تجھے تھوک جیسی چیز سے

۱۔ رواہ البخاری: باب قَوْلُہٗ قُلْ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ

۲۔ رواہ البخاری: باب قَوْلُہٗ قُلْ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ

پیدا کیا ہے، حتیٰ کہ جب میں نے تجھے برابر کیا اور تجھے مضبوط کیا، پھر تو اکڑ کر چلنے لگا اور (مال و دولت) جمع کرنے لگا اور اسے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے سے رکا رہا۔ پھر جب تیری جان حلق میں پہنچی تو تو کہنے لگا کہ اب میں صدقہ کرتا ہوں، اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ اب صدقے کا وقت کہاں ہے؟"[1]

﴿ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸ ﴾

اور چوپائے بھی اس نے تمہارے لیے پیدا کیے تمہارے لیے اس میں گرمی کا سامان ہے اور بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ (۵) اور ان میں تمہارے لیے زیب و زینت ہے جب شام کو انہیں واپس لاتے ہو اور

---

[1] [مستدرک حاکم: ۲/ ۵۰۲، ح: ۳۸۵۵۔ مسند أحمد: ۴/ ۲۱۰، ح: ۱۷۸۶۔ ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب النھی عن الإمساک فی الحیاۃ والتبذیر عند الموت: ۲۷۰۷]

جب صبح کو چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہو۔(۶)اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر ایسے شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے بیشک تمہارا پروردگار بڑی شفقت والا مہربان ہے۔(۷)اس نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہارے لیے رونق بنیں اور وہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔(۸)

انعام: مویشی، بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ، مویشیوں کو اس وقت تک انعام نہیں کہا جاتا جب تک ان میں اونٹ نہ ہوں، انعام نعم کی جمع ہے، اصل میں نعم اونٹ کو کہتے ہیں، لیکن بھیڑ، بکری اور گائے وغیرہ پر بھی انعام کا اطلاق ہوتا ہے، عرب کے نزدیک چونکہ اونٹ بہت بڑی نعمت ہے اس لیے وہ اونٹ کو نعم کہتے ہیں۔[1]

دفء: جاڑے کی پوشاک، گرم کپڑے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے مویشی پیدا کیے اور ان کو تمہارے فوائد کے لیے مسخر کر دیا، ان کے جسموں پر تمہارے گرم لباس کے لیے اون پیدا کیا اور ان میں اور فوائد بھی ہیں، تم ان کے دودھ سے غذا حاصل کرتے ہو، ان پر سواری کر کے سفر کرتے ہو اور ان پر اپنا سامان لاد کر لے جاتے ہو پھر ان جانوروں کی جو نسل چلتی ہے اس سے تمہارے مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

---

[1]۔(الجامع الاحکام القرآن جز10 ص64۔63)

انسان کو اس کی تخلیق کا احساس دلانے کے بعد ان چیزوں کی تخلیق کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہ جن کے بغیر انسان کا جینا، رہنا سہنا اور اس کا ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانا انتہائی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم فرماتے ہوئے نہ صرف انسان کو یہ نعمتیں عنایت فرمائیں بلکہ ان کو کلی طور پر انسان کے تابع فرمان کر دیا۔ ان میں حلال قسم کے چوپائے ہیں۔ جن کے جسم کے بالوں اور اون سے آدمی سردیوں سے بچنے کے لیے گرم لباس بناتا اور استعمال کرتا ہے۔ بالخصوص عرب کا بیشتر علاقہ خانہ بدوش لوگوں پر مشتمل تھا۔ اس سے سفر کے دوران لباس اور جانوروں کی کھالوں، بالوں اور اون کے خیمے بناتے تھے۔ جاڑے کے موسم میں کھلے صحراؤں میں انہیں مکان کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس طرح ہر دور میں انسان اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اپنی زیب و زینت اور ضرورت کے لیے استعمال کرتا آ رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کو آمدنی کے حصول کا ذریعہ بنانے کے ساتھ ان کے لیے سہارا اور شان و شوکت کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔ بالخصوص دیہاتی زندگی میں بھیڑ بکریاں ہوں یا اونٹ، بیل اور بھینسیں ہوں جب شام کے وقت چراگاہوں اور کھیتوں سے چروا کر ان کے مالک کے واپس پاس آتے ہیں تو مالک کی طبیعت میں خوشی کی عجب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے چوپایوں کے صبح کے وقت نکلنے کا منظر بیان کرنے کے بجائے شام کے وقت پیٹ بھر کر واپس آنے کا منظر ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ صبح کے وقت چوپائے خالی پیٹ نکلتے ہیں تو ان کے مالک کو یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ نہ معلوم چرنے کے لیے کہاں سے گھاس وغیرہ اور پینے کے لیے پانی میسر آتا ہے؟ بالخصوص جن مالکوں کی چراگاہیں اپنی نہیں ہوتیں ان کی کیفیت صبح کے وقت ایسی ہی ہوتی ہے۔ لیکن جب سیر ہو کر شام کو خیر و سلامتی کے ساتھ جانور واپس آتے ہیں تو مالک کے چہرے سے اطمینان عیاں

ہوتا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں رات کے وقت میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھا، آپ نے مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس پانی ہے میں نے کہا جی ہاں، آپ سواری سے اترے اور ایک طرف کو گئے حتی کہ رات کی سیاہی میں آپ چھپ گئے، پھر آپ آئے تو میں نے برتن سے آپ کے اوپر پانی ڈالا آپ نے اپنا چہرہ دھویا آپ نے اون کا ایک جبہ پہنا ہوا تھا آپ کے لیے اس کی آستینوں سے اپنی کلائیاں نکالنا مشکل ہوا حتی کہ آپ نے جبکہ کے نیچے سے اپنی کلائیاں نکال لیں۔ [1]

حضرت ابو یرہرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص گائے کو لے کر جا رہا تھا جس پر اس نے سامان لادا ہوا تھا، گائے نے اس کی طرف مڑ کر کہا میں اس لیے پیدا نہیں کی گئی لیکن میں ہل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں، لوگوں نے کہا سبحان اللہ اور انہوں نے تعجب اور خوف سے کہا کیا گائے نے کلام کیا، تب رسول اللہ نے فرمایا میں اور ابو بکر اور عمر اس پر ایمان لے آئے۔ [2]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تم فصلوں کے سرسبز اور زرخیز ہونے کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو بھی زمین کی پیداوار سے حصہ دو، اور جب تم قحط کے ایام میں سفر کرو تو سفر جلدی طے کرو اور جب تم رات کے پچھلے حصہ میں ہو تو راستہ میں قیام کرنے سے احتراز کرو کیونکہ رات میں وہ زمین کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ [3]

۱۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث 273، صحیح البخاری رقم الحدیث: 263)

۲۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2388، السنن الکبری رقم الحدیث: 1414)

۳۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: 1926، السنن الکبری للنسائی، رقم الحدیث: 8814)

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ مسیب بن آدم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شتربان کو مارا اور فرمایا اونٹ پر اس کی طاقت سے زیادہ سامان نہ لادا کرو۔

جانوروں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ جب وہ کسی جانور سے ساری عمر کام اور خدمت لیں اور جب وہ جانور بوڑھا ہو جائے اور کام کے قابل نہ رہے تو اس کی دیکھ بھال میں کمی نہ کریں۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ: سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ [1]

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ۝٩ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ
وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝١٠ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ
وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١١ ﴾

اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جب کہ ان میں بعض ٹیڑھے راستے بھی

---

[1] [بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر: ٤٢١٩۔ مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب إباحۃ أکل لحم الخیل: ١٩٤١]

موجود ہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔(۹) وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا اس پانی کو تم پیتے بھی ہو اور اس سے نباتات اگتی ہے جن میں تم (مویشیوں کو) چراتے ہو۔(۱۰) وہ اس سے تمہارے لیے کھیتی، اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بیشک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(۱۱)

اللہ تعالیٰ کی یہ بھی کرم فرمائی ہے کہ اس نے مادی وسائل کے ساتھ انسان کی روحانی خوراک اور راہنمائی کا بندوبست بھی فرمایا ہے۔ نزول آدم سے لے کر تا قیامت انبیائے کرام (علیہ السلام) کے ذریعے انسان کی، روحانی غذا اور فکری راہنمائی کا بندوبست فرما دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی عقل کے حوالے کر دیتا تو اس کا صراط مستقیم کو پانا اور اس پر چلنا نہایت مشکل ہو جاتا۔ کیونکہ ہر انسان اپنی عقل اور سوچ کو حرف آخر سمجھ کر ایک دوسرے سے الگ الگ راستہ اختیار کرتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی اس کی عقل پر چھوڑنے کے بجائے اسے وحی کا پابند کیا اور اس کی رہنمائی کا کام اپنے ذمے لیا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ صراط مستقیم بتلانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہے جبکہ بیشمار ٹیڑھے راستے بھی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ہدایت کی طرف راہنمائی اور صراط مستقیم کی نشاندہی کرنے کے بعد انسان کو آزاد چھوڑ دیا ہے تاکہ اپنی عقل وفکر اور آزادی کے ساتھ گمراہی اور صراط مستقیم میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کر سکے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے (سمجھانے

کے) لیے ایک خط کھینچا، پھر فرمایا: "یہ اللہ کا راستہ ہے۔" پھر اس کے دائیں اور بائیں چند خطوط کھینچے اور فرمایا: "یہ (شیطان کے) راستے ہیں، ان میں سے ہر راستے پر ایک شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے۔" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ)[الانعام:۱۵۳] "اور یہ کہ بیشک یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمہیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔"[1]

بندوں پر اللہ تعالیٰ کے گوناگوں احسانات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ آسمان سے بارش نازل کرتا ہے، اس پانی کو آدمی پیتا ہے، اس کے ذریعے سے پاکی حاصل کرتا ہے اور اسی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ انواع و اقسام کے درخت اور پودے اگاتا ہے۔ یہ گھاس اور پودے جانوروں کے لیے چراگاہ ہوتے ہیں اور اسی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کھیتوں کو اور زیتون، کھجور، انگور اور تمام اقسام کے پھل اور سبزیوں کو اگاتا ہے۔ بارش کا اس طرح آسمان سے نازل ہونا اور اس کے ذریعے سے ان تمام فوائد و منافع کا حاصل ہونا، یقیناً اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت، اس کے علم، اس کی حکمت اور اس کی رحمت کے واضح دلائل ہیں اور اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، لیکن یہ تمام دلائل و براہین ان کے لیے مفید ہیں جو غور و فکر سے کام لیں اور عبرت حاصل کریں۔ جو لوگ چوپایوں کی مانند زندگی گزارتے ہیں اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت کھو چکے ہوتے ہیں، انھیں ان دلائل سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً

---

[1] [مسند أحمد:۱/۴۶۵، ح:۴۴۳۶۔ مستدرک حاکم:۲/۳۱۸، ح:۳۲۴۱]

فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ)[النمل: ٦٠]" (کیا وہ شریک بہتر ہیں) یا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ساتھ رونق والے باغات اگائے، تمہارے بس میں نہ تھا کہ ان کے درخت اگاتے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو راستے سے ہٹ رہے ہیں۔"

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۙ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ﴾

اور اسی نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا اور تمام ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ بیشک سمجھنے والوں کے لیے اس میں (قدرت باری کی) بڑی نشانیاں ہیں۔(۱۲) اور اس نے تمہارے لیے زمین میں جو رنگ برنگ کی چیزیں پیدا کی ہیں بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔(۱۳)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بارہا یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن، سورج، چاند اور ستاروں کو اپنے حکم سے لوگوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وسطوت کی نشانیاں اور دانشوروں کے لیے ہدایت کے بیشمار دلائل موجود ہیں۔ رات اور دن، چاند، سورج اور ستاروں کو لوگوں کے لیے مسخر کرنے کا یہ معنیٰ نہیں کہ انسان کسی وقت اس قدر ترقی کر جائے گا کہ وہ رات دن کی گردش، سورج اور چاند کی آمد ورفت اور ستاروں کی چمک دمک میں دخل انداز ہو سکے گا۔ یہ پورے کا پورا نظام اور اس کا کنٹرول صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس میں سائنس اور کسی کی ولایت کو دخل کا اختیار نہیں ہوسکتا۔ تسخیر سے مراد یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ رات لوگوں کے سکون کے لیے ہے اور دن کام کاج کے لیے۔ اے انسان ذرا سوچ کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے مطابق رات اور دن کا آنا جانا، سورج کا صبح کے وقت طلوع ہو کر مغرب کے وقت غروب ہونا، چاند اور ستاروں کا رات کو اپنے اپنے وقت میں نمودار ہونا یقینی بنا دیا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہوگا تو نہ صرف یہ اپنے اپنے مقام پر جامد ہو جائیں گے بلکہ یہ بے حرکت ہو کر زمین پر گر پڑیں گے۔ اس نظام کی طرف اشارہ کرنے کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ اے انسان! تیرے لیے سوچنے کی بات ہے کہ یہ چیزیں وجود کے اعتبار سے تجھ سے کروڑوں گنا بڑی ہونے کے باوجود اپنے رب کے حکم کی بجا آوری اور تیری خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ تیرا وجود ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا مگر پھر بھی تو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے بجائے نافرمانی سے نہیں چوکتا۔ تجھے اپنے فکر وعمل پر غور کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ بھی احسان ہے کہ اس نے زمین پر ان کے فائدے کے لیے بہت سے

حیوانات اور انواع و اقسام اور مختلف رنگ کے نباتات، جمادات اور معدنیات پیدا کیے، جن میں گوناگوں منافع اور خاصیتیں ہوتی ہیں۔ یہ عجائب وغرائب خالق کائنات کے وجود پر صاف اور صریح دلیل ہیں اور بنی نوع انسان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں۔ لیکن دلیلیں انھی کے لیے مفید ہیں جو نصیحت حاصل کریں اور اپنے رب کی سیدھی راہ پر گامزن رہیں، اس کے احکام کی پابندی کریں اور برائیوں اور گناہوں سے بچیں اور اس اطاعت و بندگی کے نتیجے میں دنیا و آخرت کی سعادت اور نیک بختی حاصل کریں۔

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

اور اللہ وہی ہے جس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو، اور (اے مخاطب) تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ اس میں پھاڑنے والی ہیں تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

خشکی کی نعمتوں کے بعد اب سمندر کی نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو اس طرح مسخر کیا کہ اس میں غوطہ لگانے کو آسان بنا دیا، کشتیاں آسانی سے اس پر چلتی رہتی ہیں اور انسانوں اور ان کی

ضروریات زندگی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی رہتی ہیں۔ان سمندروں کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے مسخر کیا ہے کہ لوگ مختلف ذرائع استعمال کر کے مچھلیوں کا شکار کریں اور ان کا تازہ گوشت کھائیں۔ان سمندروں کو اس لیے بھی مسخر کیا ہے کہ غوطہ لگا کر موتی اور دیگر قیمتی جواہر نکالیں، جو ان کے لیے اور ان کی عورتوں کے لیے زیور کا کام دیں۔تسخیر سمندر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں کشتیاں چلتی رہیں جن کے ذریعے سے انسان بے خوف وخطر بھاری تجارتی سامان اور اسباب رزق لے کر تھوڑی مدت میں ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک چلا جاتا ہے اور روزی حاصل کرتا ہے۔یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔بندوں کو چاہیے کہ اللہ کے ان احسانات کو یاد کریں اور اس کے شکر گزار بندے بن کر رہیں۔

﴿ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٥ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝١٦ ﴾

اسی نے زمین میں بھاری بھاری پہاڑ رکھ دیئے تاکہ کہیں زمین تم کو لیکر ہلنے نہ لگے۔ اسی نے دریا جاری کئے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔(۱۵) اور بہت سی نشانیاں بنائیں اور تاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔(۱۶)

بارہویں پارے کی ابتدا میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے زمین وآسمان کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔(ھود:۷) جب زمین کو پانی پر استوار کیا گیا تو یہ ہچکولے کھاتی تھی جس طرح خالی کشتی پانی پر ہچکولے کھایا کرتی ہے۔کشتی میں مناسب مقدار میں وزن ہو تو وہ

ہچکولے کھانے اور ڈانواں ڈول ہونے کے بجائے پانی کی سطح پر متوازن رفتار میں ٹھہری رہتی ہے۔ یہی کیفیت پہاڑوں سے پہلے زمین کی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمین پر بڑے بڑے پہاڑ گاڑ دیے تاکہ ہچکولے کھانے سے رک جائے۔ پھر پہاڑوں کے درمیان دریا، نہریں اور راستے بنا دیے گئے تاکہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے سہولت اور راہنمائی حاصل کریں۔ ان راستوں کو پہچاننے کے لیے زمین پر پہاڑ، ٹیلے، درخت اور دیگر نشانیاں قائم کرنے کے ساتھ رات کے سفر کے لیے آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کا سلسلہ پھیلا دیا گیا ہے کہ آسمان کے نیچے بلب لٹکا دیے گئے ہیں۔ جس سے صحراؤں اور بیابانوں میں راستہ تلاش کرنا آسان ہو گیا۔ پھر ستاروں کی مدد سے زمین پر راستے متعین کیے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی نشانیاں بیان کرنے اور ان کے حوالے سے اپنی ذات اور صفات کی وحدت کا ثبوت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ ہر انسان بالخصوص کافر اور مشرک سے سوال کرتا ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات میں شریک کرتے ہو وہ ان چیزوں کے مقابلے میں وجود کے اعتبار سے نہایت ہی چھوٹی مخلوق ہیں۔ انہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے۔ لہٰذا بتاؤ کہ خالق اور مخلوق دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے پھر تم شرک کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ اے لوگو تمہارے سامنے ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ سب جمع ہو کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ مکھی پیدا کرنا تو درکنار اگر مکھی ان کے کھانے سے کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو یہ اسے واپس نہیں لے سکتے۔ مدد طلب کرنے والے اور جن سے مدد طلب کی جاتی ہے دونوں ہی کمزور ہیں۔ درحقیقت لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں پہچانی۔ (الحج: ۷۳)

ترقی یافتہ اقوام اپنے مقابلے میں دوسروں کو اجڈ' جاہل اور غیر مہذب تصور کرتی ہیں۔ بالخصوص مسلمانوں کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ مسلمان غیر مہذب' جاھل اور بنیاد پرست لوگ ہیں۔ حالانکہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے ان فرسودہ خیالات اور تصورات کی نہ صرف حوصلہ شکنی بلکہ مکمل نفی کی ہے۔ ستاروں اور چاند کو مسخر کرنے کا دعوے کرنے والی اقوام ایسے جاہلانہ تصورات رکھتے ہیں کہ انہوں نے ہفتے کے ایام کو انہی بروج اور سیاروں کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔

یہاں پہاڑوں کا سب سے بڑا یہ فائدہ ذکر فرمایا ہے کہ ان کے ذریعے زمین کو متوازن بنا دیا گیا۔ اس کا اعتراف آج کے ماہر ارضیات بھی کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری زمین پر پہاڑوں کا سلسلہ اس طرح قائم کیا ہے جس سے زمین میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ہے۔ اس لحاظ سے پہاڑ زمین کو ہچکولے کھانے سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

﴿ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ ﴾

بھلا کیا جو پیدا کرے برابر ہو سکتا ہے اس کے جو کچھ بھی پیدا نہ کرے کیا تم سوچتے نہیں۔ (۱۷) اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم ان کو گن نہ سکو گے، بیشک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ (۱۸)

اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو جاہلوں نے دوسروں کی عبادت شروع کر دی ان کے وہ معبود اللہ کی مخلوق ہیں۔ مخلوق خالق کے برابر نہیں ہو سکتی پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ مخلوق کو خالق کا ساجھی بنا دیا کچھ تو سمجھ کی بات

کرتے اور دلائل توحید سے نصیحت لیتے، سورہ لقمان میں فرمایا (هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ) (یہ اللہ کی مخلوق ہے سو مجھے دکھاؤ ان لوگوں نے پیدا کیا جو اس کے سوا ہیں، بلکہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں) درحقیقت یہ بہت بڑی بھونڈی اور بھدی اور بے عقلی کی بات ہے کہ خالق کو مخلوق کے برابر کر دیا جائے اور مخلوق کو معبود بنا لیا جائے، پھر فرمایا کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے، پہلی نعمت تو یہ ہے کہ اس نے وجود بخشا اعضاء دیئے آنکھ ناک دیئے، سمجھنے کی قوت دی، اچھے برے کی تمیز عطا فرمائی، اور اس کے علاوہ بے انتہاء نعمتیں ہیں، ان نعمتوں کی قدر دانی کا تقاضا یہ تھا کہ موحد بنتے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے لیکن اس کے برخلاف مشرکین نے شرک اختیار کر لیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت بیان فرمائی کفر و شرک بہت بڑا جرم ہے لیکن اگر کوئی مشرک یا کافر توبہ کر لے اور ایمان والا بن جائے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص ایمان قبول نہ کرے تب بھی دنیا میں کچھ نہ کچھ نعمتیں ملتی رہتی ہیں، یہ شان رحمت کا مظاہرہ ہے، بعض حضرات نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہر نعمت کے مقابلہ میں شکر کا مطالبہ فرماتا تو اس سے عاجز رہ جاتے لیکن وہ غفور و رحیم ہے گناہوں اور کوتاہیوں کو معاف کرتا ہے اور تھوڑے عمل پر بھی جزا دیتا ہے۔ [1]

بحر و بر کی گوناگوں نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کی نعمتیں بیشمار ہیں اور اس کے احسانات ان گنت ہیں۔ آدمی انھیں پوری زندگی گنتا رہے تو نہیں گن سکتا اور جب انھیں گن نہیں سکتا تو ان کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے۔ اس لیے آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ اگر

۱۔ (ذکرہ ابن کثیر)

بندے سے ادائے شکر میں تقصیر ہوتی ہے تو وہ اپنی بخشش اور کرم فرمائی کو روک نہیں دیتا، بلکہ معاف کر دیتا ہے اور توبہ کی مہلت دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ : یعنی یہ اس کی بخشش اور مہربانی ہے کہ تمہاری ناشکری کے باوجود تمہیں بیشمار نعمتیں عطا کرتا ہے اور توبہ کرنے اور پلٹ آنے پر تمہارے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ، ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ) "بندہ جب اعتراف کر لے، پھر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو جاتا ہے۔"[1]

پھر تھوڑے سے شکر پر بہترین جزا دیتا ہے، مقصد امید کا دروازہ کھلا رکھنا ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿١٩﴾ ﴾

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔

اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو اپنے ظاہری کفر کے علاوہ اپنے باطن میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف طرح طرح کی سازشیں چھپائے رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ تمہارے ظاہری کفر کو بھی جانتا ہے اور باطنی سازشوں سے بھی باخبر ہے۔ اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دہریوں اور مشرکوں اور نافرمانوں پر جو مسلسل نعمتوں کی بارش فرما رہا ہے اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے کفر اور ان کی سرکشی کا علم نہیں ہے، وہ ظاہر اور چھپی ہوئی ہر بات کا جاننے والا ہے، اور ظلم اور سرکشی کے باوجود اس کا نعمتیں عطا فرمانا سرکشوں اور ظالموں کے حق میں استدراج ہے اور ان کو ڈھیل دینا ہے، اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے کسی بندہ کو دنیا ملے نہ آخرت، ان ظالموں نے اپنے ظلم اور

---

[1] [بخاري، المغازي، باب حديث الإفك: ٤١٤١ ـ مسلم: ٢٧٧٠]

سرکشی کی وجہ سے اپنی آخرت تو خود ضائع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ کم از کم یہ لوگ دنیا سے تو محروم نہ ہوں، اور اس میں مسلمانوں کے لیے یہ سوچنے کی چیز ہے کہ اللہ کے اوصاف اور اس کے اخلاق ایسے ہیں کہ وہ منکروں اور مخالفوں کو بھی نوازتا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ بھی اپنے دشمنوں کو معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں اور اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو جائیں، اور اس آیت کا تیسرا محل یہ ہے کہ کفار بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور ان کو پکارتے ہیں حالانکہ وہ بت بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ ان کو کسی چیز کے ظاہر کا علم ہے نہ باطن کا جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس سے ظاہر اور باطن کی کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝٢٠ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝٢١ ﴾

اور وہ لوگ جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔(۲۰) وہ مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور وہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔(۲۱)

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا لکڑی پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں اس لیے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ

ہیں، ان پر اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے، اس لیے مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ کے الفاظ انھیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ اب لامحالہ اس آیت میں اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے مراد وہ انبیاء، اولیاء، شہدا، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریادرس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ عرب میں اس نوعیت کے معبود نہیں پائے جاتے تھے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ جاہلیتِ عرب کی تاریخ سے اس کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کون پڑھا لکھا نہیں جانتا ہے کہ عرب کے متعدد قبائل، ربیعہ، کلب، تغلب، قضاعہ، کنانہ، احرث، کعب، کندہ وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے تھے اور یہ دونوں مذاہب بری طرح انبیاء (علیہ السلام)، اولیاؒ اور شہداءؒ کی پرستش سے آلودہ تھے۔ پھر مشرکین عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود وہ گزرے ہوئے انسان ہی تھے جنھیں بعد کی نسلوں نے خدا بنا لیا تھا۔ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ود، سواع، یعوث، یعوق، نسر، یہ سب صالحین کے نام ہیں جنھیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں انسان تھے۔ اسی طرح کی روایات لات اور مناۃ اور عزیٰ کے بارے میں بھی موجود ہیں اور مشرکین کا یہ عقیدہ بھی روایات میں آیا ہے کہ لات اور عزیٰ اللہ تعالیٰ کے ایسے پیارے تھے کہ اللہ تعالیٰ جاڑا لات کے ہاں اور گرمی عزیٰ کے ہاں بسر کرتے تھے، سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ [1]

۱۔ (تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی)

﴿ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ ﴾

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ مگر جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ خود تکبر سے بھرے ہوئے ہیں۔ (۲۲) بے شک اللہ سب جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۲۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر متعدد دلائل پیش کرنے کے بعد اب نتیجہ بیان کر دیا اور مقصود حقیقی کی صراحت کر دی کہ اے انسانو! تمہارا معبود صرف ایک اللہ ہے، جو خالق ہے، رازق ہے، آسمانوں اور زمین کے امور کا مدبر ہے، زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے اور تمام اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا اسی کے لیے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے کفر و عناد اور ان کے تکبر کی علت یہ بیان کی کہ وہ آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اگر وہ جزا و سزا کے دن پر ایمان رکھتے تو راہ راست پر چلتے اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ) [الشوریٰ: ۱۸] "اسے وہ لوگ جلدی مانگتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ

لوگ جو ایمان لائے، وہ اس سے ڈرنے والے ہیں اور جانتے ہیں کہ بیشک وہ حق ہے۔ سنو! بیشک وہ لوگ جو قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں یقیناً وہ بہت دور کی گمراہی میں ہیں۔" اور فرمایا: (وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ)[الزمر:٤٥] "اور جب اس اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ پڑ جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب ان کا ذکر ہوتا ہے جو اس کے سوا ہیں تو اچانک وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں۔"

اس آیت میں منکرین قیامت اور باری تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرنے والوں کو دھمکی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام خفیہ اور ظاہری اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ ان جیسے تکبر کرنے والوں کو بالکل پسند نہیں کرتا، ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ)[المؤمن:٦٠] "بیشک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔" سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔" ایک شخص نے عرض کی، بیشک (ہر) آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو (تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے (لہٰذا خوبصورتی کو پسند کرنا تکبر نہیں ہے)، تکبر تو یہ ہے کہ کوئی حق کو تسلیم نہ کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔"[1]

---

[1]۔[مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ:٩١]

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ
اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔(۲۴) تا کہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے پورے اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، سن لو کہ جو بوجھ اٹھا رہے ہیں برے ہیں۔(۲۵)

یہ تکبر کا ہی نتیجہ ہے کہ کفار سے جب یہ کہا جاتا کہ سوچو تمہارے رب نے کیا کیا ارشادات نازل فرمائے ہیں۔اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم سے پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔اس طرح نہ صرف خود حق کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس پروپیگنڈہ کے ذریعے دوسرے لوگوں کو بھی حق سے دور رکھتے ہیں۔اس کا نتیجہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کے علاوہ ان کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوں گے جن کو انھوں نے گمراہ کیا ہوگا۔کتنا ہی برا بوجھ ہے جسے اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں ذلیل ہونگے۔(الفرقان: ٦٩) جہاں تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں

اٹھائے گا۔ (النجم: ۳۸) اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ لیکن جو لوگ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنیں گے کیونکہ ان کا دوہرا گناہ ہوگا اس لیے انہیں بوجھ بھی دوگنا اٹھانا پڑے گا۔ اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو ذلیل کرنے کے لیے ان کے گناہوں کو حجم کی شکل دے کر ان کے کندھوں پر لادا جائے گا تاکہ وہ ایک دوسرے کی نظروں میں ذلیل ہوتے رہیں۔ پہلے زمانے میں کچھ لوگ اس وجہ سے گمراہ ہوئے کہ نیکی اور بدی کا وزن نہیں ہوسکتا مگر آج سائنس نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ انسان کے جسم کا ٹمپریچر ماپا اور ہوا کا وزن کیا جاسکتا ہے۔ کیا جس رب نے انسان کو یہ عقل اور صلاحیت دی ہے وہ اس کے اچھے اور برے اعمال کا وزن نہیں کرسکتا؟ یقیناً لوگوں کے اعمال کو تولا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں آپ نے فرمایا اے قریش کی جماعت یا اس طرح کہ دوسرے کلمات ادا فرمائے۔۔ اور کہا اے فاطمہ بنت محمد دنیا کا جو مال مجھ سے لینا چاہتی ہے لے لے میں اللہ کے ہاں تجھے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو کوئی آدمی ظلم سے ناحق مارا جاتا ہے، تو اس گناہ کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے پر بھی ڈالا جاتا ہے، اس لیے کہ اسی نے سب سے پہلے (ناحق) قتل کو جاری کیا۔"[2]

سیدنا جریر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس شخص نے

---

[1] ۔[رواہ البخاری: باب (وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۔۔)]

[2] ۔[بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب إثم من دعا إلی ضلالۃ: ۷۳۲۱]

اسلام میں آ کر کوئی اچھا کام جاری کیا تو اس کے لیے اپنے عمل کا بھی ثواب ہے اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں (اس کی دیکھا دیکھی) ان کا ثواب بھی ہے اور عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے اسلام میں آ کر کوئی برا کام جاری کیا تو اس کے لیے اپنے عمل کا بھی گناہ ہے اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں ان کا گناہ بھی ہے اور ان گناہ کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے اجر کے برابر اجر ملے گا جو اس کی اتباع کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔"[2]

﴿ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ
الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ
وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ

۱۔ [مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی الصدقۃ ۱۰۱۷]
۲۔ [مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ۔۔الخ: ۲۶۷۴]

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

بیشک ان سے پہلے تھے لوگوں نے بھی مکروہ فریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان (کے فریب) کی عمارت کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا تو ان کے اوپر سے چھت ان پر گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب آ گیا جہاں سے انہیں گمان تک نہیں تھا۔(۲۶) پھر قیامت کے دن اللہ ان کو رسوا کرے گا اور پوچھے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے اس وقت وہ لوگ جن کو علم عطا ہوا وہ پکار اٹھیں گے کہ آج رسوائی اور بدبختی کافروں پر ہے۔(۲۷)

امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں اس سے مراد نمرود کنعان ہے اس نے ایک نہایت بلند عمارت بنائی تھی تاکہ اس عمارت پر چڑھ کر آسمان والوں سے جنگ کر کے ان کو ہلاک کر دے، اس عمارت کے طویل میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا طول پانچ ہزار ہاتھ تھا، اور مقاتل نے کہا اس کا طول دو فرسخ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست آندھی بھیجی جس نے اس محل کی چوٹی کو سمندر میں گرا دیا اور باقی عمارت اس کے رہنے والوں پر گر پڑی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ کفار مکہ ہیں جو مکہ کے راستہ میں کھڑے رہتے تھے تاکہ مکہ میں آنے والوں کو سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق گمراہ کریں، اس سلسلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ پچھلی امتوں کے بڑے بڑے کافر بھی اپنے نبیوں

کے خلاف سازش کرتے تھے لیکن ان کی سازشیں ان پر الٹ گئیں۔

نیز فرمایا پھر ان پر وہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھا، یعنی وہ سمجھتے تھے کہ وہ بہت امن سے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا، ان کے مکان ان پر گر پڑے یا ان پر کوئی آسمانی عذاب آ گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن رسوا کرے گا یعنی ان پر ذلت والا عذاب نازل فرمائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہاں ہیں میرے شرکا جن کے متعلق تم جھگڑتے تھے، اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تو کوئی شریک نہیں ہے پھر اس نے کیسے فرمایا کہاں ہیں میرے شرکا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارے زعم اور اعتقاد میں جو میرے شرکا تھے وہ کہاں ہیں، پھر فرمایا جن لوگوں کو علم دیا گیا وہ کہیں گے، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد فرشتے ہیں اور دوسروں نے کہا اس سے مراد مومنین ہیں جب وہ قیامت کے دن کافروں کی ذلت اور رسوائی دیکھیں گے تو کہیں گے کہ آج ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ کافر دنیا میں مسلمانوں کا انکار کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اور جب قیامت کے دن مسلمان کافروں سے یہ بات کہیں گے تو یہ کلام کافروں کی اہانت اور ان کو ایذا پہنچانے میں زیادہ موثر ہوگا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہر غدار و دغاباز کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا گاڑ دے گا، جو اس کے غدر کے مطابق بلند ہوگا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کا غدر ہے، جو فلاں کا بیٹا تھا۔"[1]

---

[1]۔[بخاری، کتاب الجزیۃ، باب إثم الغادر للبر والفاجر: ۳۱۸۸۔ مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب تحریم الغدر: ۱۷۳۵]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت کے روز لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، جو جس کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پاس چلا جائے۔ لہٰذا ان میں سے بعض سورج کے پاس چلے جائیں گے، بعض چاند کے پاس چلے جائیں گے اور بعض اپنے اپنے باطل معبودوں کے پاس چلے جائیں گے۔"[1]

﴿ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۲۹ ﴾

جنہیں فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، تب وہ اطاعت ظاہر کرتے ہوئے کہیں گے ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔ ہاں! جو کچھ تم کیا کرتے تھے اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ (۲۸) پس اب دوزخ کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ، ہمیشہ اس میں رہو گے، اب تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔ (۲۹)

۱۔ [بخاری، کتاب الأذان، باب فضل السجود: ۸۰۶]

کفار اور مشرکین کے بارے میں بتلایا جا رہا ہے کہ ان کی موت ذلت کے ساتھ ہوگی اور قیامت کے دن بھی ذلیل ہونگے۔ اس سے قبل دو آیات میں یہ بتلایا ہے کہ کفار دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں۔ بالخصوص انبیاء کرام کا براہ راست مقابلہ کرنے والے کفار اور مشرک بالآخر دنیا میں ذلیل ہوئے۔ اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان کی ذلت کی ابتدا اسی وقت ہوجاتی ہے جب ملائکہ ان کی روح قبض کرتے ہیں۔ ملائکہ پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ خوف کے مارے کہتے ہیں ہم کوئی برے کام نہیں کر رہے تھے۔ ملائکہ انہیں جھڑکیاں دیتے ہوئے کہتے ہیں کیوں نہیں! تم اپنے رب کے نافرمان اور باغی تھے۔ تم مانو یا نہ مانو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ بعض مفسرین نے "فَاَلْقَوُا السَّلَمَ" کا یہ مفہوم لیا ہے کہ مرنے کے وقت یہ لوگ موت کے ملائکہ کو دیکھ کر ہتھیار ڈال دیں گے یعنی بے بس ہوجائیں گے یہاں تک کہ آہ وزاری کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکیں گے۔

قرآن مجید نے دوسرے مقام پر یہ بھی بیان کیا ہے کہ موت کے وقت ملائکہ ان کے چہروں پر تھپڑ مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ اپنی روح ہمارے حوالے کرو جب روح ان کے جسد عنصری سے باہر نہیں نکلتی تو وہ ان کے چہروں پر تھپڑ مارتے اور جھڑکیاں دیتے ہیں۔ اس ذلت اور رسوائی کے ساتھ ان کی روح قبض کی جاتی ہے۔ مرنے کے بعد ان کی قبر کو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بنا دیا جاتا ہے۔ محشر کے دن حکم ہوگا کہ تم جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ کے لیے داخل ہوجاؤ۔ جو تکبر کرنے والوں کے لیے بدترین جگہ ہے۔ یہاں جہنم کے ایک دروازے کا ذکر کرنے کی بجائے جمع کا لفظ لا کر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ایسے مجرم ہیں کہ جہنم کے تمام دروازے اور اس کی بلائیں ان کا انتظار کر رہی ہوں گی۔

سیدنا براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازے کے لیے رسول اللہ (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نکلے، جب ہم قبرستان پہنچے تو قبر ابھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد (اس قدر خاموشی سے) بیٹھ گئے، گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے، آپ نے سر مبارک اوپر اٹھایا اور فرمایا: "عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔" آپ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ پھر فرمایا: "کافر آدمی جب دنیا سے کوچ کرنے لگتا ہے اور آخرت کی طرف روانہ ہوتا ہے تو اس کی طرف سیاہ چہرے والے فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان کے پاس ٹاٹ (کے کفن) ہوتے ہیں اور وہ اس سے حد نگاہ کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت (عزرائیل) آتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے، اے خبیث روح! نکل (اور چل) اللہ کے غصے اور غضب کی طرف، (یہ سن کر) روح جسم کے اندر چھپتی پھرتی ہے، تو ملک الموت اسے اس طرح باہر کھینچتا ہے، جیسے کانٹے دار لوہے کی سیخ گیلی اون سے باہر نکالی جاتی ہے۔ جب فرشتہ اس کی روح نکال لیتا ہے، تو دوسرے فرشتے لمحہ بھر کے لیے بھی اسے ملک الموت کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے، بلکہ اسے ٹاٹ (کے کفن) میں لپیٹ لیتے ہیں۔ اس سے ایسی گندی بو آتی ہے، جیسے روئے زمین پر کسی مردار سے اٹھنے والی بدترین سڑاند ہو۔ فرشتے اسے لے کر اوپر (آسمان کی طرف) جاتے ہیں۔ (راستے میں) جہاں کہیں ان کا گزر مقرب فرشتوں پر ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں، یہ کس خبیث کی روح ہے؟ جواب میں فرشتے کہتے ہیں، یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے۔ وہ اس کا وہ بدترین نام لیتے ہیں جو دنیا میں لیا جاتا تھا، یہاں تک کہ فرشتے اسے آسمان دنیا تک لے جاتے ہیں۔ فرشتے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لیے درخواست

کرتے ہیں: لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا۔"[1]

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ: ارشاد فرمایا: (وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ)[الحجر: ۴۳، ۴۴] "اور بلاشبہ جہنم ضرور ان سب کے وعدے کی جگہ ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک تقسیم کیا ہوا حصہ ہے۔" اور فرمایا: (وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝)[الهمزة: ۵ تا ۹] "اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ وہ حطمہ کیا ہے؟ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ وہ جو دلوں پر جھانکتی ہے۔ یقیناً وہ ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی ہے۔ لمبے لمبے ستونوں میں۔" اور فرمایا: (وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ)

---

[1] [مسند أحمد: ۴/ ۲۸۷، ۲۸۸، ح: ۱۸۵۶۱]

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ) [الزمر: ۷۱، ۷۲] "اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے نگران ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تم میں سے کچھ رسول نہیں آئے جو تم پر تمہارے رب کی آیات پڑھتے ہوں اور تمہیں تمہارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟ کہیں گے کیوں نہیں، اور لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہوگئی۔ کہا جائے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہنے والے، پس وہ تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔"

﴿ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۰ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۱ۙ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور جب پرہیزگاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے ؟ تو کہتے ہیں کہ (بہترین) کلام جو لوگ نیکوکار ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے اور پرہیزگاروں کا گھر بہت خوب ہے۔ (۳۰) ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہونگے۔ ان میں نہریں جاری ہوں گی اور جو کچھ بھی وہ چاہیں گے انھیں ملے گا اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو ایسا ہی بدلا دیتا ہے ۔(۳۱) فرشتے جن کی جان قبض کرتے ہیں اور یہ (کفر و شرک سے) پاک ہوتے ہیں اور (فرشتے) کہتے ہیں سلام ہو تم پر داخل ہو جاؤ جنت میں اس کے بدلے میں جو کام تم کیا کرتے تھے۔(۳۲)

اس خطاب کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ لوگو! تمہارا الٰہ صرف ایک ہی الٰہ ہے۔ جس کے ردِّ عمل میں کافر اور مشرک یہ کہتے ہیں یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ کفر و شرک سے تائب ہوئے اور اللہ کی توحید کا اقرار کیا ان کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے کہ تمہارے رب نے تمہاری ہدایت کے لیے کیا نازل فرمایا ہے وہ بلا تاخیر کہتے ہیں کہ ہمارے رب نے جو کچھ نازل کیا ہے اس میں ہماری بھلائی اور رہنمائی ہے۔ ان کے لیے دنیا میں بھی بہتری ہے اور آخرت میں ان کے لیے خیر ہی خیر ہی ہوگی متقی حضرات کے لیے کتنا ہی اچھا گھر تیار کیا گیا ہے۔ جس میں یہ

داخل کیے جائیں گے اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جو کچھ چاہیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عنایت ہوگا۔اس طرح متقی حضرات کو بہترین جزا دی جائے گی۔

اس جنت کی صفت بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے کہ اس میں درخت ہونگے،نہریں جاری ہوں گی،حور وقصور ہوں گے اور کھانے پینے کی ہر لذیز چیز ہوگی اور اللہ کی جانب سے انتہائے اکرام یہ ہوگا کہ وہاں ہر وہ شے ہوگی جس کی اہل جنت خواہش کریں گے۔آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ اللہ اہل تقویٰ کو ایسے ہی اچھے بدلے دیا کرتا ہے۔ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ : ارشاد فرمایا: (اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ 15 ○ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ)[الذاریات:۱۵،۱۶] ”بیشک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہونگے۔ لینے والے ہوں گے جو ان کا رب انھیں دے گا، یقیناً وہ اس سے پہلے نیکی کرنے والے تھے۔

“ اور فرمایا: (اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ 54 ○ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ 55 ○)[القمر:۵۴،۵۵] ”بیشک بچ کر چلنے والے باغوں اور نہروں میں ہونگے۔صدق کی مجلس میں، عظیم بادشاہ کے پاس، جو بے حد قدرت والا ہے۔“

ان اہل تقویٰ کا جو کفر ومعاصی کے ذریعے سے اپنے آپ پر ظلم نہیں کیے ہوتے ہیں، موت کے وقت حال یہ ہوتا ہے کہ جب فرشتے ان کے پاس پہنچتے ہیں تو ان کے احترام ومحبت میں انھیں سلام کرتے ہیں اور خوشخبری دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنے نیک اعمال کے بدلے ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہوجاؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا : (اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ

كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ)[حٰمٓ السجدۃ: ۳۰] "بیشک وہ لوگ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر خوب قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔"

سیدنا عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرتا۔" سیدہ عائشہؓ یا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کسی دوسری زوجہ نے کہا، موت تو ہمیں بھی ناپسند ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ کی ملاقات سے مراد موت نہیں، بلکہ مومن کو جب موت آتی ہے تو اسے اللہ کی رضامندی اور عزت افزائی کی خوش خبری دی جاتی ہے۔ اس وقت مومن کو آئندہ ملنے والی نعمتوں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی اور وہ (جلدی جلدی) اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند فرماتا ہے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا): "جب مومن کی روح نکلتی ہے تو اسے آگے سے دو فرشتے ملتے ہیں جو اسے لے کر آسمان کی طرف جاتے ہیں۔" (حدیث کے راوی) حماد کہتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے روح کی خوشبو اور مشک کا ذکر کیا اور کہا: "آسمان والے فرشتے (اس روح کی خوشبو پا کر) کہتے ہیں، کوئی پاک روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے، اللہ تجھ پر رحمت کرے اور اس جسم پر بھی جسے تو نے آباد کر رکھا تھا۔ پھر فرشتے اپنے رب کے حضور اس روح کو

۱۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب من أحب لقاء اللہ أحب اللہ لقاہ: ۶۵۰۷]

لے جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اسے قیامت قائم ہونے تک (اس کی معین جگہ یعنی علیین میں) پہنچادو۔"[1]

﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۳۳ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴ ﴾

یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا حکم آجائے، اسی طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ (۳۳) پھر ان کو ان کے کیے کی سزائیں پہنچیں اور جس چیز کا وہ مذاق اڑا رہے تھے وہی چیز ان پر مسلط ہو کر رہی (۳۴)۔

اچھے اور برے لوگوں کے طور اطوار اور ان کے انجام کا ذکر کر دینے کے بعد یہ آخری نصیحت ہے جو نہایت ہمدردی سے کی جا رہی ہے۔ کہنا یہ ہے کہ جہاں تک سمجھانے بجھانے اور دلائل سے قائل کرنے کا

---

[1]۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ۔۔الخ: ۲۸۷۲]

تعلق تھا اس میں تو کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ اس کے باوجود بھی اگر اہل مکہ ہدایت کا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں صرف اس بات کا انتظار ہے کہ کب روح قبض کرنے والے فرشتے ان کے سروں پر آ کھڑے ہوں اور یا اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک موت کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے یا عذاب کا ایک جھٹکا انھیں ہلا نہیں ڈالے گا اس وقت تک وہ اپنا رویہ بدلنے کو تیار نہیں ہونگے۔ مزید فرمایا کہ دنیا میں بدنصیب لوگ صرف یہی نہیں ہیں اس سے پہلے بھی ایسے لوگ گزر چکے ہیں۔ ان کا رویہ بھی ایسا ہی تھا۔ انھیں بھی ہر چند نصیحت کی گئی لیکن انھوں نے کسی نصیحت سے اثر قبول نہیں کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آدھمکا اور ان کے کرتوتوں کی سزاؤں نے انھیں آ پکڑا اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اسی عذاب نے انھیں گھیر لیا اور جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جاتا ہے تو پھر اس سے کوئی مفر باقی نہیں رہتا۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٥﴾ ﴾

اور جن لوگوں نے شرک کیا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے نہ ہم نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم حرام ٹھہراتے کسی چیز کو

اس کے حکم کے سوا، اسی طرح ان لوگوں نے کیا جو ان سے پہلے گزرے ہیں پس رسولوں کے ذمہ نہیں ہے مگر کھول کر پہنچا دینا۔

مشرکین مکہ کا ایک دعویٰ یہ بھی تھا کہ وہ صدیوں سے اللہ تعالیٰ کے گھر میں شرک کرتے آرہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور نہ ہی بحیرہ اور سائبہ جیسے حلال جانوروں کو حرام قرار دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا شرک پسند ہے، اگر اس کو پسند کو پسند نہ ہوتا تو وہ ان کو روک دیتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے مشرکین نے بھی اسی طرح کا دعویٰ کیا تھا مگر ان کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو شرک سے روکا ہے اسی لیے اس نے قوم میں رسول بھیجے جنہوں نے انہیں بتایا کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو اور رسولوں کا کام یہ ہے کہ وہ حق اور باطل کو بالکل واضح بیان کر دیں اور انہوں نے اپنا یہ فرض پوری دیانت داری سے ادا کر دیا۔ اب یہ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ عقل کو استعمال کر کے حق کا راستہ اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو مجبور کر کے ہدایت نہیں دیتا کیونکہ یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۶ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰي هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ

يُضِلُّ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (اس ہدایت کے ساتھ) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ پھر بعض کو اس نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی مسلط ہوئی پس تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔(۳۶) اگر تم ان کی ہدایت کی حرص کرو تو بیشک جس کو وہ گمراہ کر دیتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔(۳۷)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ طاغوت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا طاغوت شیطان ہے۔ مجاہد، شعبی، ضحاک، قتادہ وغیرہم سے بھی اسی طرح منقول ہے، ابوالعالیہ نے کہا طاغوت ساحر ہے، سعید بن جبیر نے کہا طاغوت کاہن ہے، امام ابن جریر نے فرمایا میرے نزدیک صحیح ی ہے ہ کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے سامنے سرکشی کرے اور جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے وہ طاغوت ہے، خواہ اس کی جبرا عبادت کی جائے یا خوشی سے عبادت کی جائے، خواہ وہ معبود انسان ہو یا بت ہو یا شیطان ہو یا کوئی چیز بھی ہو۔ [1]

علامہ ابن جریرؒ نے طاغوت کی تعریف میں جو عموم بیان کیا ہے اس عموم سے عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیزر کا استثنا کرنا ضروری ہے، کیونکہ عیسائی اور یہودی حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی عبادت کرتے تھے لیکن ان پر طاغوت کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۔ (جامع البیان جز ۳ ص ۲۷، ۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ٦٠٦ ھ نے لکھا ہے کہ طاغوت میں پانچ قول ہیں:

(١) حضرت عمر، مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ طاغوت شیطان ہے،

(٢) سعید بن جبیر نے کہا طاغوت کاہن ہے۔

(٣) ابو العالیہ نے کہا طاغوت ساحر ہے۔

(٤) طاغوت اصنام ہیں۔

(٥) سرکش جن اور شیطان ہیں اور ہر وہ جو سرکشی کرے اور تحقیق یہ ہے کہ جب ان چیزوں کے اتصال سے سرکشی ہوتی ہے تو ان چیزوں کو طاغوت کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں سرکشی کا سبب ہیں۔ [١]

اس اعتراض کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کر دیا تو ان کا گمراہی میں کیا قصور ہے:

امام رازیؒ فرماتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوگئی، یہ آیت ہمارے مذہب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان پر گمراہی ثابت ہوگئی تو اب یہ محال ہے کہ ان سے گمراہی صادر نہ ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر صداق، کاذب ہو جائے گی اور یہ محال ہے اور جو چیز محال کو مستلزم ہو وہ بھی محال ہوتی ہے اس لیے ان کا گمراہ نہ ہونا بھی محال ہے اور ان کا گمراہ ہونا عقلاً واجب ہے۔ [٢]

سیدنا معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا تھا اور میرے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان محض کجاوے کی لکڑی کا فاصلہ تھا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اے معاذ بن جبل!" میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں حاضر

١۔ (تفسیر کبیر، ج ٣ ص ١٦، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ھ)

٢۔ (تفسیر کبیر ج ٧ ص ٢٠٥، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ھ)

ہوں اور آپ کا فرماں بردار ہوں۔ پھر کچھ دیر آپ چلتے رہے، پھر فرمایا: "اے معاذ بن جبل!" میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں اور آپ کا فرماں بردار ہوں۔ پھر کچھ دیر آپ چلتے رہے، پھر فرمایا: "اے معاذ بن جبل!" میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ پھر کچھ دیر آپ چلتے رہے پھر فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا حق کیا ہے؟" میں نے کہا، اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔" پھر آپ کچھ دیر چلتے رہے، آگے جا کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اے معاذ بن جبل!" میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں اور آپ کا فرماں بردار ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تمھیں معلوم ہے کہ اگر وہ ایسا کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق کیا ہے؟" میں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ وہ انھیں عذاب میں مبتلا نہ کرے۔"[1]

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی مشیت کونی کے مطابق گمراہ چھوڑ دے تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہزار خواہش کے باوجود وہ راہ راست پر نہیں آ سکتا ہے اور نہ عذاب الٰہی کو کوئی اس سے ٹال سکتا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ) [یونس: ۹۶، ۹۷] "بیشک وہ لوگ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ خواہ ان کے پاس ہر نشانی آ جائے، یہاں تک کہ دردناک

۱۔ [مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنۃ قطعًا: ۳۰۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب اسم الفرس والحمار: ۲۸۵۶]

عذاب دیکھ لیں۔" اور فرمایا: (وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا) [المائدۃ: ٤١] "اور وہ شخص کہ اللہ اسے فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرلے اس کے لیے تو اللہ سے ہرگز کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔" سیدنا نوح (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا: (○ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ) [ھود: ٣٤] "اور میری نصیحت تمہیں نفع نہ دے گی اگر میں چاہوں کہ تمہیں نصیحت کروں، اگر اللہ یہ ارادہ رکھتا ہو کہ تمہیں گمراہ کردے۔"

﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ
بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ۙ
لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝۳۹ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۴۰ ﴾

اور ان لوگوں نے اللہ کی سخت قسمیں کھائیں کہ جو مر گیا اسے اللہ کبھی دوبارہ نہیں اٹھائے گا! کیوں نہیں! اللہ کا سچا وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (٣٨) تاکہ اللہ ان لوگوں کے لیے ان باتوں کو بیان فرمادے جن کے بارے میں یہ لوگ

اختلاف کررہے ہیں، اور تا کہ کافر لوگ جان لیں کہ بیشک وہ جھوٹے تھے۔(۳۹)
ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمارا صرف یہ کہہ دینا ہوتا ہے کہ ہوجا، پس وہ
ہوجاتی ہے۔(۴۰)

ہدایت پانے اور گناہوں سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اگر میں ایمان لانے کے بعد اچھے اعمال کروں گا تو میرا رب مجھے آخرت میں اس کی جزا دے گا۔ اگر میں نے ایمان لانے سے انکار کیا اور برے اعمال اختیار کیے تو مرنے کے بعد مجھے اس کی سخت سزا دی جائے گی۔ جب آدمی اس عقیدہ کا انکار کرتا ہے تو پھر وہ کفر و شرک اور جرائم کرنے میں دلیر ہوجاتا ہے۔ اسی دلیری کے پیش نظر آخرت کے منکر قسمیں اٹھا اٹھا کے کہتے تھے کہ اللہ کی قسم! جو مر گیا اللہ تعالیٰ اسے کبھی نہیں اٹھائے گا۔ یہاں ان کی قسموں اور عقیدے کی نفی کے لیے چار دلائل دیے گئے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور اس کا وعدہ ہے کہ میں ضرور قیامت برپا کروں گا اور اس دن نیکوں کو پوری پوری جزا ملے گی اور نافرمانوں کو ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور اس کا وعدہ سچا ہے۔ لیکن آخرت کے منکر نہیں مانتے۔

۲۔ قیامت اس لیے بھی برپا کی جائے گی تا کہ اس دن لوگوں کے انبیاء (علیہ السلام) اور صالحین کے ساتھ اور دیگر اختلافات کا فیصلہ کیا جائے۔ اگر حق اور باطل کے درمیان فیصلہ نہ ہو تو انبیاء اور صالحین اپنے حق سے محروم رہ جائیں گے اور ظالم دنیا میں مزید ظلم کرتے رہیں گے۔ یہاں حق سے مراد "اللہ کی فرمانبرداری ہے"۔ (یونس:۱۰۶۔ لقمان:۱۳)

۳۔ قیامت کا آنا اس لیے بھی ضروری ہے تا کہ اس کا انکار کرنے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جو

کچھ انبیاء (علیہ السلام) فرمایا کرتے تھے وہ سچ ہے اور جو کچھ ہم کہتے اور کرتے تھے وہ سراسر جھوٹ تھا۔

۴۔ منکرین قیامت کا یہ عقیدہ جھوٹا ثابت کیا جائے گا کہ مرنے کے بعد ان کی بوسیدہ ہڈیوں کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا۔ اس کی تردید کے لیے یہاں صرف اتنا کہنا مناسب سمجھا گیا۔ اس بنیاد پر تمہارا آخرت کا انکار کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی قوت وسطوت کا انکار کرنا ہے۔ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اپنے حضور پیش کرنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہوسکتا ہے حالانکہ جب کسی کام کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ صرف "کن" کہتا ہے یعنی ہوجا اور وہ کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور فرمان کے عین مطابق پورا ہوجاتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا، حالانکہ یہ اسے زیب نہیں دیتا اور اس نے مجھے گالی دی، حالانکہ یہ بھی اسے لائق نہ تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ اسے پھر زندہ نہیں کرے گا جس طرح اس نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا اور اس کا مجھے گالیاں دینا اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہے، حالانکہ میں احد ہوں، میں صمد ہوں، نہ میری کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرے برابر کا ہے۔"[1]

﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

---

[1] [بخاری، کتاب التفسیر، باب: ۴۹۷۴۔ مسند احمد: ۲/ ۳۹۳، ۳۹۴، ح: ۹۱۳۸۔ ابن حبان: ۲۶۷]

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور جن لوگوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا، ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا ثواب تو بہت بڑا ہے، کاش وہ جانتے ہوتے۔(۴۱) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔(۴۲)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اہل مکہ کے ظلم سہنے کے بعد ہجرت کی، ان پر مشرکین نے ظلم کیا تھا۔[1]

اما ابوالحسن علی بن احمد واحدیؒ متوفی ٤٦٨ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت مکہ میں رہنے والے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی، حضرت بلال، حضرت صہیبؓ، حضرت خبابؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت ابوجندل بن سہیلؓ کے متعلق، مشرکین نے ان کو مکہ میں پکڑ کر رکھا ہوا تھا اور ان کو سخت ایذا پہنچاتے تھے اور عذاب دیتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا مدینہ میں ٹھکانا بنا دیا۔[2]

حضرت صہیبؓ کی ہجرت

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۳۰۸، الدر المنثور ج ۵ ص ۱۳۱)

۲۔(اسباب نزول القرآن، رقم الحدیث: ۵۵۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت صہیب بن سنان بن مالک رومی کی کنیت ابویحییٰ ہے ان کی یہ کنیت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رکھی تھی، ان کو رومی اس لیے کہتے ہیں کہ صغرسنی میں ان کو رومیوں نے قید کرلیا تھا، انہوں نے روم میں ہی پرورش پائی، ان سے بنوکلب نے ان کو خرید لیا اور مکہ میں لے آئے، جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت ہوئی تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا، علامہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت صہیب اور حضرت عمار ایک دن میں مسلمان ہوئے تھے، ان سے پہلے تیس اور کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے، یہ ان کمزور لوگوں میں تھے جن کو اسلام لانے کی وجہ سے مکہ میں عذاب دیا جاتا تھا، جن لوگوں نے سب کے بعد ہجرت کی ان میں حضرت علی اور حضرت صہیب ؓ تھے، جب حضرت صہیب ؓ ہجرت کرنے لگے تو مشرکین کی ایک جماعت نے ان کا پیچھا کیا، حضرت صہیب نے اپنے ترکش میں سے تیر نکال کر کہا :اے قریش کے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے بہترین تیر انداز ہوں، اور اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک میرے نزدیک نہیں آسکتا جب تک کہ میرے ترکش کے سارے تیر ختم نہ ہوجائیں، پھر میرے ہاتھ میں تلوار ہے اور میں آخر دم تک تم سے تلوار کے ساتھ مقابلہ کرتا رہوں گا، اور اگر تم میرا مال چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتا بتا دیتا ہوں، انہوں نے اس پر معاہدہ کرلیا، اور حضرت صہیب ؓ نے ان کو اپنے مال کا پتا بتادیا اور حضرت صہیب رسول اللہ سے جاملے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ابویحییٰ نے تجارت میں نفع حاصل کرلیا، اور اللہ عزوجل نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ۔ (البقرہ: ۲۰۷) اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جان اللہ کی رضا کے حصول کے لیے فروخت کردیتے ہیں۔

ہجرت کی وجہ سے اسلام کی تقویت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی عظیم اہمیت بیان فرمائی ہے۔اور مہاجرین کا مقام بیان فرمایا ہے، کیونکہ ان کی ہجرت کی وجہ سے اسلام کو قوت حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے [بعد ہجرت کی، یہ لوگ کفار کے ہاتھوں عذاب جھیل رہے تھے، اہل مکہ یہ چاہتے تھے کہ یہ اسلام سے نکل کر کفر کی طرف لوٹ آئیں، لیکن ان مسلمانوں نے وطن چھوڑ دیا دین نہیں چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے، اچھے ٹھکانے کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔ایک یہ ہے کہ ہم ضرور ان ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو مکہ کے ان کافروں پر غلبہ عطا فرمائیں گے جو ان پر ظلم کرتے تھے اور پھر تمام جزیرہ عرب پر غلبہ عطا فرمائیں گے۔حضرت عمرؓ جب مہاجرین میں سے کسی کو وظیفہ عطا فرماتے تو کہتے تھے لو تمہیں اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے یہ وہ ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے دنیا میں دینے کا وعدہ کیا تھا اور اللہ نے تمہارے لیے آخرت میں جس اجر اکا ذخیرہ کر رکھا ہے وہ بہت بڑا اجر ہے۔دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہم تمہیں دنیا میں اچھا گھر عطا فرمائیں گے، لہٰذا مدینہ میں انصار نے ان کو اپنے گھروں میں رکھا اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے عوض ان کو مدینہ عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کاش کہ وہ جانتے، اس کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ایک یہ ہے کہ اس کی ضمیر مکہ کے کافروں کی طرف لوٹتی ہے یعنی کاش یہ کافر جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مظلوم مسلمانوں کے لیے دنیا اور آخرت میں کتنا عظیم اجر تیار کر رکھا ہے تو وہ ان پر ظلم وستم کرنے سے باز آجاتے اور کفر کے بجائے اسلام اور دنیا کی بجائے آخرت کی طرف رغبت کرتے۔اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ ضمیر مظلوم مسلمانوں کی طرف لوٹتی ہے یعنی کاش یہ مظلوم مسلمان جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں ان

کے لیے کتنا عظیم اجر تیار کر رکھا ہے تو یہ عبادت میں اور زیادہ کوشش کرتے۔

صبر اور توکل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ اس سے مراد وہی لوگ ہیں نہوں نے کفار کے مظالم برداشت کیے اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، اس آیت میں ان کی مزید مدح فرمائی ہے، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفار کی ایذا اور ان کے عذاب پر صبر کیا اور وطن سے جدائی کو برداشت کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کو خرچ کیا، اس آیت میں صبر اور توکل کا ذکر ہے، صبر کا معنی ہے نفس پر قہر کرنا اور اس کو مغلوب کرنا اور اسے مصائب برداشت کرنے کا عادی بنانا اور توکل کا معنی ہے مخلوق سے بالکلیہ منقطع ہو کر خالق کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونا اور صبر اللہ کی طرف سلوک کی پہلی منزل ہے اور توکل اللہ کی طرف سلوک کی انتہائی منزل ہے۔

ہجرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور ہجرت کی اقسام

ان آیتوں میں چونکہ ہجرت کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہجرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام بیان کر دیں۔ علامہ راغب اصفہانیؒ متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ہجر اور ہجران کا معنی ہے انسان اپنے غیر سے الگ ہو جائے، خواہ جسمانی طور پر الگ ہو یا زبان سے یا قلب سے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: ہجرت کی تعریف ہے دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف جانا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان الذین توفھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم ، والوا کنا مستضعفین فی الارض، قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھا جروا فیھا فاولئک ماوھم جھنم وسائت مصیرا۔ (النسا: ۹۷) جولوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے (یعنی جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی) جب فرشتوں نے ان کی روحوں کو قبض کرتے وقت پوچھا: تم کیا کرتے رہے؟ انہوں نے کہا ہم زمین میں کمزور اور بے بس تھے، فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ برا ٹھکانا ہے۔

اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت ہے: انا بری من مسلم بین مشرکین لاتراء انارھما (ابوداؤد) میں اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے، ان دونوں کی آگ (ایک جگہ) دکھائی نہ دے۔ یعنی مسلمان ایسی جگہ نہ رہیں جہاں سے ان کی آگ مشرکوں کو دکھائی دے اور مشرکوں کی آگ مسلمانوں کو دکھائی دے۔ اس موضوع کے متعلق بکثرت احادیث ہیں۔ جمہور فقہاء کے نزدیک قیامت تک ہجرت کا حکم باقی ہے اور بعض فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے، کیونکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ نیز آپ نے فرمایا: ہجرت منقطع ہو چکی ہے اور جہاد اور نیت باقی ہے۔

روایت ہے کہ جب صفوان بن امیہ اسلام لائے تو ان سے کہا گیا کہ جو شخص ہجرت نہ کرے اس کا دین نہیں ہے، سو وہ مدینہ آئے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے پوچھا: اے ابووہب تم یہاں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ جو ہجرت نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں ہے، آپ نے فرمایا: اے ابووہب مکہ کی وادیوں میں لوٹ جاؤ اور اپنے گھروں میں رہو کیونکہ اب ہجرت ختم ہو چکی ہے تاہم جہاد اور نیت باقی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت معاویہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا ہے ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک توبہ منقطع نہیں ہوگی، اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو توبہ منقطع نہیں ہوگی۔ (ابوداؤد)

اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت ہے جب تک جہاد ہے ہجرت منقطع نہیں ہوگی اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیات اور حادیث ہجرت کے عموم اور اطلاق پر دلالت کرتی ہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہجرت ہر زمانہ میں مشروع ہے اور جس حدیث میں یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شہر فتح ہو گیا اس سے منتقل ہونا ہجرت نہیں ہے اور صفوان کی جس روایت میں ہے ہجرت منقطع ہوگئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ سے ہجرت منقطع ہوگئی، کیونکہ ہجرت کا معنی ہے کفار کے شہر سے نکلنا اور جب کوئی شہر فتح ہو گیا تو پھر وہ کافروں کا شہر نہیں رہا، اس لیے اب اس شہر سے ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا، ہر شہر کا یہی حکم ہے اس لیے ہجرت کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ جو لوگ کفار کے شہر میں ہوں اور اس شہر سے ہجرت پر قادر ہوں، اور ان کے لیے ان کافروں کے ساتھ رہتے ہوئے دین کا اظہار کرنا اور فرائض و واجبات کو ادا کرنا ممکن نہ ہو، ان لوگوں پر ہجرت کرنا واجب ہے کیونکہ قرآن مجید میں: الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولئک ماوھم جھنم وسائت مصیرا۔ (النساء: ۹۷) کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ برا ٹھکانا ہے۔ اور یہ بہت شدید وعید ہے جو وجوب پر دلالت کرتی ہے نیز اس لیے کہ واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے اور واجبات کی ادائیگی ہجرت پر موقوف ہو تو ہجرت واجب ہو جائے گی۔

۲۔ جو شخص کفار کے ملک میں فرائض وغیرہ کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور کسی عذر کی بنا پر ہجرت نہ کر سکتا

ہو مثلا بیمار ہو، یا اس کو جبرا ٹھہرایا گیا ہو یا عورتوں اور بچوں کا ضعف ہو، اس پر ہجرت واجب نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا۔ فاولئک عسی اللہ ان یعفو عنھم وکان اللہ عفوا غفورا۔ (النساء: ۹۸، ۹۹) ہاں! جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہوں اور (کفار کے شہروں سے) نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے، ان سے شاید اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے، اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بہت درگزر کرنے والا ہے۔

۳۔ جو لوگ دار الکفر میں رہتے ہیں اور اس شہر سے ہجرت کرنے پر قادر ہوں لیکن وہ دار الکفر میں دین کے اظہار اور فرائض و واجبات کی ادائیگی بھی بخوبی کر سکتے ہوں، ان کے لیے ہجرت کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے اور یہ استحساب اس وجہ سے ہے کہ وہ دار الاسلام میں رہ کر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں گے، اور مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ کا سبب بنیں گے اور دیگر معاملات میں ان کے معاون ہوں گے اور کفار کے ساتھ اختلاط، ان کی عددی قوت میں اضافہ اور ان کے فواحش اور منکرات کو دیکھنے سے بچے رہیں گے اور پر ہجرت کرنا واجب اس لیے نہیں ہے کہ وہ ہجرت کے بغیر بھی فرائض اور واجبات کو ادا کر سکتے ہیں، کیونکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا حضرت سیدنا عباس اسلام لانے کے باوجود مکہ میں مقیم رہے اور روایت ہے کہ حضرت نعیم نحام نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی قوم (بنو عدی) ان کے پاس گئی اور کہا تم اپنے دین پر قائم رہو اور ہمارے پاس ٹھہرو، اور جو شخص تمہیں اذیت پہنچانے کا ارادہ کرے گا ہم تم کو اس سے محفوظ رکھیں گے اور تم جو ہماری کفالت کیا کرتے تھے وہ کرتے رہنا، (حضرت نعیم بنو عدی کے یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرتے تھے) سو ایک مدت

تک انہوں نے ہجرت نہیں کی اور کافی عرسہ کے بعد انہوں نے ہجرت کی اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے فرمایا تمہاری قوم میری قوم سے بہتر ہے، میری قوم نے مجھے وطن سے نکال دیا اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا، اور تمہاری قوم نے تمہاری حفاظت اور حمایت کی اور تمہیں جانے نہیں دیا۔ حضرت نعیمؓ نے کہا یا رسول اللہ بلکہ آپ کی قوم نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دشمن کے خلاف جہاد کی طرف نکالا اور میری قوم نے مجھے ہجرت اور اللہ کی عبادت سے روک لیا۔ [1]

علامہ ابن قدامہؒ نے جو ہجرت کی تیسری قسم بیان کی ہے آج کل اس کا مصداق وہ مسلمان ہیں جو معاشی ضروریات کی بنا پر ترک وطن کر کے انگلینڈ، آسٹریلیا، امریکہ، ہالینڈ، جرمنی اور افریقہ وغیرہ میں سکونت اختیار کر چکے ہیں اور انہوں نے ان علاقوں کی مستقل شہریت اختیار کر لی ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے ہجرت کی تین اقسام بیان کی ہیں ان کے علاوہ بھی ہجرت کی اقسام ہیں ایک قسم ہے دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت کرنا اگرچہ وہ دونوں دار الکفر ہوں، جیسے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی مکہ اور حبشہ اس وقت دونوں دار الکفر تھے لیکن مکہ میں مسلمانوں کو کفار کے مظالم کا خوف تھا اور حبشہ میں یہ خوف نہیں تھا، سو انہوں نے دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت کی، اور آج کل اس کی مثال یہ ہے جیسے مسلمان بھارت سے افریقی ملکوں میں، برطانیہ، ہالینڈ، امریکا اور جرمنی وغیرہ چلے جاتے ہیں، حالانکہ بھارت بھی کافر ملکے ہ اور یہ ممالک بھی دار الکفر ہیں مگر بھارت میں آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے ہیں، مسلمانوں کی مساجد کو مسمار کر دیا جاتا ہے، اجودھیا کی بابری مسجد اس کی تازہ مثال ہے، عیدگاہوں میں عین نماز عید

۱۔ (المغنی ج ۹ ص ۲۳۶، ۲۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

کے وقت وہ میدان میں خنزیر چھوڑ دیتے ہیں، مسلمان گائے کی قربانی نہیں کر سکتے، اگر کہیں پتا چل جائے کہ مسلمانوں نے گائے ذبح کی ہے تو بڑے پیمانہ پر مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوجاتا ہے، ہندوؤں کے ان مظالم سے تنگ آکر مسلمان افریقی ممالک، برطانیہ، امریکا، جرمنی وغیرہ ہجرت کر جاتے ہیں اور یہ دارالخوف سے دارالامن کی طرف ہجرت ہے، ہر چند کہ دونوں ملک دارالکفر ہیں۔

ہجرت کی دوسری قسمیہ ہے کہ انسان اپنی زبان اور اپنے تمام اعضا کو اللہ تعالیٰ کی معصیت سے الگ کرلے اور تمام قسم کے گناہوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کی طرف منتقل ہوجائے، گویا شیطان کی سلطنت سے اللہ کی سلطنت کی طرف منتقل ہوجائے اور اس نے اپنے تمام اعضا کو جو شیطان کا محکوم اور مطیع بنایا ہوا ہے تو وہ اس کی اطاعت کو ترک کر کے اللہ کی اطاعت کی طرف منتقل ہوجائے اور وہ اپنے تمام اعضا کو اللہ کا محکوم اور مطیع بنالے تو یہ کامل ہجرت سے حدیث میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں سے ہجرت کرے (ان کو ترک کر دے) جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ [1]

کیا ہجرت منسوخ ہوگی ہے

ہجرت منقطع ہونے کے متعلق احادیث

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰، ٦٤٨٤، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٤۰، مسند احمد رقم الحدیث: ٦٨٣٥، ٦٨٠٦، ٦٥١٥، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہوگئی ہے اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت قیامت تک باقی ہے، ہم پہلے وہ احادیث بیان کررہے ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہوگئی:

ہجرت منقطع ہونے کے متعلق احادیث:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے، لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے تو تم جہاد کے لیے روانہ ہوجاؤ۔ [1]

حضرت عبید بن عمر لیثیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہجرت کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا آج کل ہجرت نہیں ہے، پہلے مومنین اپنے دین کی حفاظت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بھاگ کر آتے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ دین کی وجہ سے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوجائیں، لیکن آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمادیا ہے آج وہ جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کرے لیکن جہاد اور اس کی نیت باقی ہے۔ [2]

حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور اس نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہجرت کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے ہجرت کا معاملہ تو بہت سخت ہے کیا تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی، آپ نے فرمایا تم ان کی زکوۃ دیتے ہو؟ اس نے کہا جی، آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں کو ان کا دودھ پلاتے ہو، اس نے کہا جی، آپ نے فرمایا

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۵۹)

۲۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۰)

جس دن تم اونٹنیوں کو پانی پلانے لے جاتے ہو اس دن تم ان کا دودھ دوہ کر لوگوں کو پلاتے ہو؟ اس نے کہا جی، آپ نے فرمایا تم سمندروں کے پار عمل کرو، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کسی چیز کو (قبول کے بغیر) ترک نہیں کرے گا۔ (۱)

حضرت مجاشع بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا، آپ نے فرمایا ہجرت تو اصحاب ہجرت کے لیے گزر چکی لیکن تم اسلام، جہاد اور خیر پر بیعت کرو۔ (۲)

حضرت یعلی بیان کرتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے دن اپنے والد کو لے کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے والد کو ہجرت پر بیعت کر لیجیے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس کو جہاد پر بیعت کروں گا، ہجرت تو منقطع ہو چکی ہے۔ (۳)

نعیم بن دجاجہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ (۴)

ہجرت باقی رہنے کے متعلق احادیث

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۲۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۸۶۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۷، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۸۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۶۴)

۲۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۰۷، ۴۳۰۵، ۲۹۶۲، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۸۶۳)

۳۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۷۱، ۴۱۷۹)

۴۔ (سنن النسائی، رقم الحدیث: ۴۱۸۲)

حضرت معاویہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ [1]

حضرت عبداللہ بن واقد السعدی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک وفد میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا ہم اپنی کوئی حاجت طلب کر رہے تھے، میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں سب سے آخرت میں پیش ہوا، میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنے پیچھے کچھ لوگوں کو چھوڑا ہوا ہے اور ان کا یہ گمان ہے کہ اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے، آپ نے فرمایا جب تک کفار سے قتال کیا جاتا رہے گا ہجرت منقطع نہیں ہوگی۔ [2]

ہجرت کی متعارض حدیثوں میں تطبیق:

بہ ظاہر ان دونوں قسم کی حدیثوں میں یہ تعارض ہے پہلی قسم کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہجرت ختم ہو چکی ہے اور دوسری قسم کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی، علامہ حمد بن محمد خطابیؒ متوفی ۳۸۸ھ ان میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابتدا اسلام میں ہجرت مستحب تھی فرض نہیں تھی، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ۔ (النساء: ۱۰۰) جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا۔

۱۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۹، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۲، ج ۴ ص ۹۹، مشکوۃ رقم الحدیث: ۴۶۲۳، تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۲۰۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۲۴۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۶۳۶)

۲۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۱۸۳، ۲۱۸۴)

پھر جب مشرکین کی ایذا رسانی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بہت بڑھ گئی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور مسلمانوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا، تا کہ وہ آپ کے ساتھ رہیں اور جہاد میں آپ کی مدد کریں تو اس وقت ہجرت فرض کر دی گئی تا کہ مسلمان آپ سے دین سیکھیں اور شریعت کا علم حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ہجرت کا حکم موکد فرمایا ہے حتی کہ جن مسلمانوں نے ہجرت نہیں کی ان کی دوسرے مسلمان کے ساتھ حمایت، نصرت اور ولایت کو منقطع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیء حتی یھاجروا۔ (الانفا: ۷۲) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، تمہارے لیے ان کی حمایت جائز نہیں ہے حتی کہ وہ ہجرت کر لیں۔

اس زمانہ میں سب سے زیادہ خطرہ قریش مکہ سے تھا جب مکہ فتح ہو گیا اور اہل مکہ نے اطاعت کر لی تو ہجرت کے فرض ہونے کی علت زائل ہو گئی اور ہجرت کا حکم پھر ندب اور استحباب کی طرف لوٹ آیا، پس یہاں دو ہجرتیں ہیں جو ہجرت منقطع ہو چکی ہے یہ وہ ہجرت ہے جو فرض تھی اور جو ہجرت باقی ہے یہ وہ ہجرت ہے جو مستحب ہے۔ [1]

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

۱۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۳۵۲، دار المعرفہ بیروت)

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، سو تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔ (۴۳) ہم نے (ان رسولوں کو) روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا، اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن عظیم) اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا اور تا کہ وہ غور و فکر کریں۔ (۴۴)

"اَهْلَ الذِّكْرِ" سے مراد اہل کتاب ہیں، جو پچھلے انبیاء اور ان کی تاریخ سے واقف تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ انسان ہی تھے، اس لیے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی اگر انسان ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ تم ان کی بشریت کی وجہ سے ان کی رسالت کا انکار کر دو۔ اگر تمہیں شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء بشر تھے یا ملائکہ؟ اگر وہ فرشتے تھے تو پھر بیشک انکار کر دینا، اگر وہ بھی سب انسان ہی تھے تو پھر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کا محض بشریت کی وجہ سے انکار کیوں؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کی مزید تائید و تصدیق کے طور پر فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے جو لوگوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہے اور انھیں خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے اور آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ بحیثیت رسول ان اوامر و نواہی اور وعدہ و وعید کو لوگوں کے لیے بیان کر دیں جو اس قرآن میں موجود ہیں، جبکہ لوگوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ قرآن کی آیات میں غور و فکر کر کے ہدایت کی راہ پر گامزن ہوں اور فلاح دارین حاصل کریں۔

﴿ اَفَاَمِنَ الَّذِیۡنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّخۡسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ یَاۡتِیَہُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ۙ﴿۴۵﴾ اَوۡ یَاۡخُذَہُمۡ فِیۡ تَقَلُّبِہِمۡ فَمَا ہُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ۙ﴿۴۶﴾ اَوۡ یَاۡخُذَہُمۡ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۴۷﴾ ﴾

تو کیا وہ لوگ جنھوں نے بری چالیں چلیں ہیں، اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے، یا ان پر عذاب آجائے جہاں سے وہ سوچتے نہ ہوں۔(۴۵) یا وہ ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے کہ پس وہ (اللہ کو اپنی تدبیروں سے) عاجز نہیں کر سکتے۔(۴۶) یا وہ ان کو خوف کی حالت میں پکڑ لے۔ سو تمہارا رب بڑا ہی شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے۔(۴۷)

کفار مکہ کو مختلف اقسام کے عذاب سے ڈرانا اور دھمکانا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الذین مکروا السیئات، مکر کا معنی ہے خفیہ طریقہ سے فساد کی کوشش کرنا، مفسرین نے کہا ہے کہ کفار مکہ غیر اللہ کی عبادت میں اور بت پرستی میں مشغول رہتے تھے اور گناہوں میں مبتلا رہتے تھے اور زیادہ قریب یہ ہے کہ وہ خفیہ طریقہ سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اصحاب کو ایذا پہنچانے کی کوشش میں مشغول رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چار قسم

کی دھمکیاں دی:

پہلی دھمکی یہ دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں اس طرح دھنسا دے گا جس طرح قارون کو زمین میں دھنسا دیا تھا۔ زمین میں زدھنسانے کے عذاب کا حدیث میں بھی ذکر آیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ایک شخص تکبر سے اپنے تہبند کو گھسیٹتا ہوا چلا رہا تھا، اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ (۱)

دوسری دھمکی یہ دی کہ ان پر وہاں سے عذاب آئے گا جہاں سے عذاب کا انہیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا، جیسے قوم لوط پر اچانک عذاب آ گیا تھا۔

تیسری دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ حالت سفر میں ان پر عذاب نازل فرمائے گا، کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان کو ان کے شہروں میں ہلاک کرنے پر قادر ہے اسی طرح ان کو ان کے سفر کے دوران بھی ہلاک کرنے پر قادر ہے، وہ کسی دور دراز علاقہ میں پہنچ کر اپنے آپ کو اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے بلکہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کو پکڑ لے گا وہ کسی دور جگہ جا کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

لایغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد۔ (آل عمران: ۱۹۶) (اے مخاطب) کافروں کا شہروں میں سفر کرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔

چوتھی دھمکی یہ دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عین حالت خوف میں پکڑ لے گا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتدا

۱

ان پر عذاب طاری نہیں کرے گا بلکہ پہلے ان کو خوف میں مبتلا کرے گا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے اللہ تعالیٰ ان کے قریب والوں پر ہلاکت طاری کر دے گا اور وہ اس خوف میں مبتلا ہوں کہ ان پر بھی ایسا عذاب آجائے گا اور وہ بڑے عرصہ تک خوف اور گھبراہٹ اور وحشت اور دہشت میں مبتلا رہیں گے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تکلیف دہ بات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے (کم بخت) مشرک لوگ اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ پھر بھی انھیں رزق و عافیت سے نوازتا ہے۔"[1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے، لیکن جب پکڑ نازل فرماتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی: (وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ) [ھود:۱۰۲] "اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے، اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں، بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک، بہت سخت ہے۔"[2]

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا

۱۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب الصبر فی الأذی۔۔الخ: ۶۰۹۹۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب فی الکفار: ۲۸۰۴]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وکذلک أخذ ربک إذا أخذ القریٰ): ۴۶۸۶۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۸۳]

يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

کیا انھوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے دائیں سے اور بائیں سے سجدہ کرتے ہوئے جھکتے ہیں اللہ کو اور وہ عاجزی میں ہیں۔(۴۸) اور آسمانوں میں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں اور جتنے فرشتے ہیں سب اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔(۴۹) وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر موجود ہے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔()

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس کی ذات بابرکات کی عظمت وجلال کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز جو اس نے پیدا کی ہے وہ اس کے سامنے سربسجود ہے اور اسی کے حکم پر سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ کیا انسان اللہ کے قہر اور غضب سے بالکل بے خوف ہو گیا کہ اشرف المخلوقات ہو کر بھی اس کی اطاعت و فرماں برداری سے منہ موڑتا ہے اور غیروں کی عبادت میں سرگرداں ہے حالانکہ جو کچھ آسمانوں میں ہے مثلاً چاند، سورج، ستارے اور جو زمین پر چلنے والی چیزیں ہیں وہ سب افراد فرشتے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ اللہ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ غرض یہ سب چیزیں اللہ ہی کے زیر اثر حکم ہیں اس نے جس کو جس کام کے لیے بنایا ہے وہ بلا چوں و چرا اس کام میں لگا ہوا ہے اور اپنے رب سے ڈرتا ہے جو

غالب وقاہر ہے اور جو کچھ اس کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتا ہے۔ سو یہ تمام چیزیں جس ذات واحد و یکتا کی مطیع وفرماں بردار ہیں اس قادر وقاہر کے عذاب سے انسان کیوں بے خوف ہو گیا؟

ربیعہ بن عبداللہ بن ہدیر تیمیؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا عمرؓ نے جمعہ کے دن منبر پر سورہ نحل کی تلاوت کی اور جب سجدے کی آیت پر پہنچے تو آپ منبر سے اترے اور سجدہ کیا اور دیگر لوگوں نے بھی ان کے ساتھ سجدہ کیا۔ پھر جب آئندہ جمعہ آیا تو آپ نے پھر یہی سورت تلاوت کی اور جب سجدہ کی آیت پر پہنچے تو کہنے لگے، لوگو! ہم سجدہ کی آیت پڑھتے ہیں تو جس نے سجدہ کیا، اس نے اچھا کیا اور جو کوئی نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ سیدنا عمرؓ نے سجدہ نہیں کیا۔ نافع نے ابن عمرؓ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ تلاوت فرض نہیں کیا، اسے ہماری خوشی پر رکھا۔ [1]

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے۔ آسمان خوب چرچرایا اور اس کو خوب چرچرانا چاہیے ہی تھا۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آسمان میں کہیں بھی چار انگل کی جگہ ایسی نہیں کہ اس میں کوئی فرشتہ سجدہ میں پیشانی رکھے ہوئے نہ ہو۔ خدا کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ ہوتے اور میدانوں میں نکل کر اللہ کے سامنے چیختے چلاتے (یہ سن کر) حضرت ابوذرؓ بولے کاش میں درخت ہوتا کہ اس کو کاٹ دیا جاتا۔ [2]

۱۔ [بخاری، کتاب سجود القرآن، باب من رای أن اللہ عزوجل لم یوجب السجود: ۱۰۷۷]

۲۔ رواہ احمد الترمذی وابن ماجہ والبغوی۔

﴿ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ ﴾

اور اللہ نے فرمایا کہ "دو خدا نہ بنالو، خدا تو بس ایک ہی ہے، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو"۔ (۵۱) اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اسی کی ملکیت ہے اور اسی کی اطاعت ہمیشہ لازم ہے۔ پھر کیا تم غیر اللہ سے ڈرتے ہو۔ (۵۲)

دو معبود نہ بناؤ معبود ایک ہی ہے پس اسی سے ڈرو

جب آسمان اور زمین کی تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے اور اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ صرف اسی کی ذات عبادت کے لائق ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں، تو جن وانس کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ بھی عملی طور پر اس کا ثبوت بہم پہنچائیں اور ایک اللہ کے سوا دو یا زیادہ معبودوں کا انکار کردیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس آیت میں حکم دیا ہے کہ معبود حقیقی صرف ایک ہے، وہی عبادت کے لائق ہے اور صرف اسی سے ڈرنا چاہیے، اس کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ اس لیے کہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے، کسی دوسرے کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہی مارنے والا، زندہ کرنے والا اور نفع ونقصان پہنچانے والا ہے۔ اس کے علاوہ سبھی عاجز ہیں اور کوئی قدرت نہیں رکھتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہی آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک ہے اور ہر حال میں اور ہر وقت

اسی کی اطاعت و بندگی واجب ہے اور اس کے علاوہ کسی سے ڈرنا اس کی وحدانیت، خالقیت اور رزاقیت پر ایمان لانے کے منافی ہے۔ نیز فرمایا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو، حالانکہ تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تمام کی تمام اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں گریہ وزاری کرتے ہو، اس لیے کہ تم جانتے ہو کہ اس کے علاوہ کوئی اسے دور نہیں کرسکتا۔ تمہارے حال پر رحم کھاتے ہوئے جب وہ اس تکلیف کو دور کردیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ اس کے ساتھ غیروں کو شریک بنانے لگتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ ہمارے معبودوں کا کرشمہ ہے۔ انھی کی بدولت ہماری تکلیف دور ہوئی ہے اور اس طرح وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کر بیٹھتے ہیں اور کفر وعناد میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کچھ دنوں کے لیے مزے اڑالو، عنقریب قیامت کے دن تمہیں اپنے انجام اور ٹھکانے کا پتا چل جائے گا۔ ارشاد فرمایا: (قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۴ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۸۵ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝۸۶ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۸۷ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۸ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ)[المؤمنون:۸۴ تا ۸۹] "کہہ یہ زمین اور اس میں جو کوئی بھی ہے کس کا ہے، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ کہہ ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ ضرور کہیں گے اللہ ہی کے لیے ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ کہہ کون ہے وہ کہ صرف اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی مکمل بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کے لیے

ہے۔ کہہ پھر تم کہاں سے جادو کیے جاتے ہو؟"

﴿ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝۵۳ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۵۴ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۟ قف فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۵۵ ﴾

اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تم کو کوئی سختی پہنچتی ہے تو اسی کے سامنے فریاد کرتے ہو۔ (۵۳) پھر جب تم سے تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ (۵۴) تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں، سو تم نفع حاصل کرلو، پھر تم عنقریب جان لوگے۔ (۵۵)

شکر کے شرعی احکام اور اس کے متعلق احادیث

اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا تھا کہ انسان کو اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان کے سب سے زیادہ شکر کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ شکر نعمت پر واجب ہوتا ہے اور انسان کو ہر نعمت اللہ تعالیٰ سے ملی ہے، اس لیے اس کے شکر کا سب سے زیادہ مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔

نعمت یا دنیوی ہوتی ہے یا نعمت دینی ہوتی ہے، اور دنیوی نعمت یا اس کے بدن میں ہوتی ہے یا اس کے نفس میں ہوتی ہے یا کوئی خارجی نعمت ہوتی ہے، اور دینی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو مومن بنایا اور اس کو اعمال صالحہ کی توفیق دی اس کو دین کا علم عطا فرمایا، سو بندہ پر واجب ہے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے اور جن ذرائع اور وسائل سے اور جن لوگوں کی وساطت سے اس کو یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں ان کا بھی شکر ادا کرے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں ہے وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہے۔ [1]

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ! سارا اجر تو انصار لے گئے، آپ نے فرمایا نہیں! جب تک تم ان کے لیے اللہ سے دعا کرتے رہو گے اور ان کی نیکیوں کی تعریف کرتے رہو گے۔ [2]

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص کو کوئی نعمت دی گئی اور اس نے اس نعمت کا ذکر کیا تو اس نے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا اور جس نے اس نعمت کو چھپا لیا تو اس نے کفران نعمت کیا۔ [3]

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ عزوجل جس بندہ کو کوئی نعمت عطا فرمائے اور اس کو یہ یقین ہو کہ یہ نعمت اللہ عزوجل کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا شکر لکھ لیتا ہے

۱۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۱۱، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۵۴)

۲۔(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث:۴۸۱۲)

۳۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۱۴)

اور اللہ عزوجل کو جس بندہ کے متعلق یہ علم ہوگا کہ وہ گناہ پر نادم ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے استغفار کرنے سے پہلے اس کو بخش دیتا ہے اور جو شخص کسی کپڑے کو ایک دینار کا خریدے اور اس کو پہنتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو ابھی وہ کپڑا اس کے گھٹنوں تک نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔ [1]

شکر کے متعلق ہم نے زیادہ احادیث اور آثار ابراہیم: ۷ میں بیان کیے ہیں اور وہاں اس کی تعریف اور تحقیق کی ہے۔

مصیبت کے وقت اللہ کو پکارنا اور مصیبت ٹلنے کے بعد اللہ کو بھول جانا:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: پھر جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو۔

اس آیت میں فریاد کے لیے لفظ تجئرون، اس کا معنی ہے چلا کر فریاد کرنا، یعنی جب تم پر مصیبت آتی ہے تو تم رو رو کر اور چلا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہو اور اس سے فریاد کرتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا! پھر جب وہ تم سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو پھر تم میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شریک بنالیتا ہے تا کہ (انجام کار) وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ تمام نعمتیں انسانوں کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، پھر جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور اس سے وہ نعمت زائل ہو جاتی ہے، تو وہ اللہ سے فریاد کرتا ہے کیونکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اس کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا، اور نہ اللہ کے سوا اس کی کوئی جائے پناہ ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ انسان سے اس مصیبت کو زائل کر دیتا ہے، تو پھر اس صورت میں انسانوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں، بعض انسان تو اللہ عزوجل کے ساتھ وابستگی پر قائم رہتے ہیں اور اس مصیبت کے زائل ہونے پر

---

[1] (المستدرک ج ۱ ص ۵۱۴، کتاب الخرائطی باب الشکر رقم الحدیث: ۴، رسائل ابن ابی الدنیا باب الشکر رقم الحدیث: ۴۷)

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور بعض انسانوں کے عقائد میں تبدیلی آجاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک بنا لیتے ہیں، اور یہ انتہائی ناسپاسی، احسان فراموشی، جہالت اور گمراہی ہے، قرآن مجید میں اس طرح کی اور بھی آیات ہیں:

فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین فلما نجھم الی البر اذا ھم یشرکون۔ (العنکبوت:٦٥) پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں وہ اس وقت اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرنے والے ہوتے ہیں، پھر جب وہ ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو اچانک وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

واذا مسکم الضر فی البحر ضل من تدعون الا ایاہ، فلما نجھم الی البر اعرضتم، وکان الانسان کفورا۔ (بنی اسرائیل: ٦٧) اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

قل من ینجیکم من ظلمت البر والبحر تدعونہ تضرعا خفیہ، لئن انجانا من ھذہ لنکونن من الشاکرین۔ قل اللہ ینجیکم منھا ومن کل کرب ثم انتم تشرکون۔ (الانعام: ٦٣، ٦٤) آپ کہیے کہ تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے، جس کو تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، کہ اگر اس نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ آپ کہیے تمہیں اللہ تعالیٰ ہی اس مصیبت سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے، پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

آج یکم محرم ۱۴۰۲ھ کو جب میں اس کتاب کے اوراق لکھ رہا تھا، اس وقت صبح کا وقت تھا اچانک بہت سخت زلزلہ آیا اور زبردست جھٹکے لگنے لگے، میں نے لوگوں کو دیکھا وہ چیخ چیخ کر دعا مانگ رہے تھے اور گڑگڑا رہے تھے، پھر جب زمین پرسکون ہوگئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور حالات معمول پر آ گئے تو میں نے دیکھا لوگ پھر اپنی حرکتوں کی طرف لوٹ گئے اور اسی طرح لغو اور بے ہودہ کاموں میں مشغول ہو گئے اور وہ بھول گئے کہ ابھی وہ تھوڑی دیر پہلے چیخ و پکار کر رہے تھے، اللہ کے نام کی دہائی دے رہے تھے اور اس سے گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے۔ [1]

فَتَمَتَّعُوْا ۭ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ: یعنی جو چاہے عمل کرو اور دنیا کی اس زندگی میں قلیل مدت کے لیے فائدے اٹھالو، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا)[النساء:۷۷] "کہہ دے دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے اور آخرت اس کے لیے بہتر ہے جو متقی بنے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

سیدنا مستورد بن شدادؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسی ہی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی (شہادت والی) انگلی سمندر میں ڈالے اور پھر وہ دیکھے کہ وہ (پانی کی) کتنی مقدار لے کر لوٹتی ہے۔" [2]

﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۴۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۲۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامۃ: ۲۸۵۸]

سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ
وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ
مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا
سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ
السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

اور وہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے ان کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو وہ جانتے ہی نہیں، اللہ کی قسم! جو جھوٹ تم باندھتے ہو اس کی تم سے ضرور پرسش ہوگی ۔(۵۶) اور یہ (کافر) اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں وہ ہر عیب سے پاک ہے اور اپنے لیے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جو انکو پسند ہے۔(۵۷) اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے۔(۵۸) اور وہ لوگوں سے چھپا پھرتا ہے اس بری خبر کے بارے جو اسے دی گئی ہے، سوچتا ہے کہ اس رسوائی کو برداشت کرلے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے۔ سنو کیا ہی برا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔(۵۹) جو لوگ آخرت پر ایمان

نہیں رکھتے ان کی بری مثال ہے اور اللہ کی شان بلند ہے، اور وہ غالب حکمت والا ہے۔(۶۰)

باز پرس لازمی ہوگی

مشرکوں کی بے عقلی اور بے ڈھنگی بیان ہو رہی ہے کہ دینے والا اللہ ہے سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے اور یہ اس میں سے اپنے جھوٹے معبودوں کے نام ہو جائے جن کا صحیح علم بھی انہیں نہیں پھر اس میں سختی ایسی کریں کہ اللہ کے نام کا تو چاہے ان کے معبودوں کے نام ہو جائے لیکن ان کے معبودوں کے نام کیا گیا اللہ کے نام نہ ہو سکے ایسے لوگوں سے ضرور باز پرس ہوگی اور اس افترا کا بدلہ انہیں پورا پورا ملے گا۔ جہنم کی آگ ہوگی اور یہ ہونگے۔ پھر ان کی دوسری بے انصافی اور حماقت بیان ہو رہی ہے کہ اللہ کے مقرب غلام فرشتے ان کے نزدیک اللہ کی بیٹیاں ہیں یہ خطا کر کے پھر ان کی عبادت کرتے ہیں جو خطا پر خطا ہے۔ یہاں تین جرم ان سے سرزد ہوئے اول تو اللہ کے لیے اولاد ٹھہرانا جو اس سے یکسر پاک ہے، پھر اولاد میں سے بھی وہ قسم اسے دینا جسے خود اپنے لیے بھی پسند نہیں کرتے یعنی لڑکیاں۔ کیا ہی الٹی بات ہے کہ اپنے لیے اولاد ہو؟ پھر اولاد بھی وہ جو ان کے نزدیک نہایت ردی اور ذلیل چیز ہے۔ کیا حماقت ہے کہ انہیں تو اللہ لڑکے دے اور اپنے لیے لڑکیاں رکھے؟ اللہ اس سے بلکہ اولاد سے پاک ہے۔ انہیں جب خبر ملے کہ ان کے ہاں لڑکی ہوئی تو مارے ندامت و شرم کے منہ کالا پڑ جائے، زبان بند ہو جائے، غم سے کمر جھک جائے۔ زہر کے گھونٹ پی کر خاموش ہو جائے۔ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرے۔ اسی سوچ میں رہے کہ اب کیا کروں اگر لڑکی کو زندہ چھوڑتا ہوں تو بڑی رسوائی ہے نہ وہ وارث بنے نہ کوئی چیز سمجھی

جائے لڑکے کو اس پر ترجیح دی جائے غرض زندہ رکھے تو نہایت ذلت سے۔ ورنہ صاف بات ہے کہ جیتے جی گڑھا کھودا اور دبا دی۔ یہ حالت تو اپنی ہے پھر اللہ کے لیے یہی چیز ثابت کرتے ہیں۔ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں؟ کتنی بے حیائی کی تقسیم کرتے ہیں اللہ کے لیے جو بیٹی ثابت کریں اسے اپنے لیے سخت تر باعث توہین وتذلیل سمجھیں۔ اصل یہ ہے کہ بری مثال اور نقصان انہی کافروں کے لیے ہے اللہ کے لیے کمال ہے۔ وہ عزیز وحکیم ہے اور ذوالجلال والاکرام ہے۔

مشرکین عرب کی اس بات کی مزید شناعت واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خود ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے گھر لڑکی پیدا ہو جاتی ہے تو مارے شرم وخجالت کے اس کا چہرہ کالا ہو جاتا ہے اور کرب والم سے اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے کہ اب وہ لوگوں کو کیسے منہ دکھائے گا؟ اور دو حالتوں کے درمیان حیران و پریشان ہوتا ہے کہ اسے اپنے پاس رہنے دے اور ذلت ورسوائی برداشت کرے، یا زندہ درگور کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ فیصلہ کتنا برا ہے کہ جس لڑکی کو وہ اپنے لیے باعث ننگ وعار سمجھتے ہیں، اسے اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں اور اپنے لیے اس سے بہتر یعنی لڑکا پسند کرتے ہیں۔ اسلام نے اس ظالمانہ وجاہلانہ انداز فکر کو تبدیل کرتے ہوئے لڑکی کی تعلیم و پرورش کی زبردست فضیلت بیان کی اور یوں بچیوں کو وہ تحفظ فراہم کیا کہ کوئی دوسرا مذہب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

جیسا کہ سیدنا عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے، انھیں اچھا کھلائے، اچھا پلائے اور اچھا پہنائے تو وہ اس

کے لیے قیامت کے دن جہنم کی آگ سے ڈھال ثابت ہوں گی۔"[1]

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس کی تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کے رہنے کا انتظام کرے، ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرے اور ان کے معاملہ میں تکالیف برداشت کرے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔" ایک آدمی نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اگر دو لڑکیاں ہوں تو تب؟ آپ نے فرمایا: "اگر دو ہوں تب بھی۔"[2]

﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ ﴾

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر (فوراً) پکڑتا تو زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا۔ لیکن وہ انہیں ایک وقت مقرر تک ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب ان کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے۔

کفار، مشرک اور مجرم پیشہ لوگوں کو جب ان کے کفر و شرک اور ان کے مظالم کے بارے میں سمجھایا جائے تو وہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل بھی دیتے ہیں۔ کہ اگر اللہ کو ہمارے عقائد اور اعمال

---

[1] ۔[ابن ماجہ، کتاب الأدب، باب بر الوالد: ۳۶۶۹۔ مسند أحمد: ٤/ ١٥٤، ح: ١٧٤١٣]

[2] ۔[مسند أحمد: ٣/ ٣٠٣، ح: ١٤٢٥٧]

اتنے ہی ناپسند ہیں تو پھر وہ ہماری گرفت کیوں نہیں کرتا؟ بسا اوقات ضعیف الایمان لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں کہ آخر کوئی سبب تو ہے جس کی بنا پر کفر وشرک اور جرائم کے مرتکب لوگوں کو کھلی چھٹی دی گئی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ایسا نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور گرفت سے باہر ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مقرر کردہ مدت کی وجہ سے ان لوگوں کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ اگر لوگوں کے جرائم اور ان کی عجلت بازی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پکڑنا چاہے تو مجرم تو درکنار کوئی جاندار چیز بھی زمین پر باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مقرر کردہ مدت کے مطابق انہیں ڈھیل دیے ہوئے ہے۔ جب اس کی گرفت کا وقت آپہنچے گا تو وہ ایک لمحہ بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکے گا۔

حضرت ابی قتادہ بن ربعیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، آپ نے فرمایا آرام پا گیا اور اس سے آرام پا گئے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آرام پا گیا اور آرام پا گئے، سے کیا مراد ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مومن دنیا کے مصائب اور تکلیفوں سے نجات پا کر اللہ کی رحمت کا حق دار بن گیا اور فاسق وفاجر سے لوگ، شہر، درخت اور چوپائے آرام پا گئے۔ [1]

﴿ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾ ﴾

اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان (بیٹیوں) کو تجویز کرتے ہیں جن کو وہ اپنے لیے ناپسند

---

[1]۔ [رواہ مسند احمد بن حنبل]

کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ بیشک انہی کے لیے بھلائی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ بیشک ان کے لیے آگ ہے اور بلاشبہ وہ سب سے پہلے وہاں پہنچائے جانے والے ہیں۔

مفرطون کا معنی

بیشک ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور وہ اس میں سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔

اس آیت میں مفرطون کا لفظ ہے اور یہ لفظ فرط سے بنا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنے قصد اور ارادہ سے پہلے یا آگے پہنچے تو فرط کہتے ہیں اور فارط اس شخص کو کہتے ہیں جو کنویں کے ڈول کی اصلاح کے لیے کنویں پر پہلے پہنچ جائے۔ بچہ کی نماز جنازہ میں یہ دعا ہے:

اللھم اجعلہ لنا فرطا۔ اے اللہ اس کو ہمارا پیش رو بنا دے۔ [1]

اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

انا فرطکم علی الحوض۔ میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔ [2]

امام عبدالرحمن علی بن محمد الجوزی ؒ المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

مفرطون ر کی زبر اور ر کی زیر دونوں سے پڑھا گیا ہے اور اکثر کی قرات ر کی زبر ہے، اس صورت میں

۱۔ (سنن بیہقی ج ٤ ص ۹، ۱۰)

۲۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ٦٥٧٥، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٢٩٧)، (المفردات ج ۲ ص ٤٨٧، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ١٤١٨ھ)

اس کے معنی میں دو قول ہیں: حضرت ابن عباسؓ اور فرا نے یہ کہا کہ انہیں دوزخ کی آگ میں ڈال کر بھلا دیا جائے گا، اور حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول ہے، کہ انہیں دوزخ میں جلدی ڈال دیا جائے گا، ابن قتیبہ نے بھی یہی کہا ہے، اور زجاج نے کہا لغت میں فرط کا معنی ہے متقدم، پس مفرطون کا معنی ہے وہ دوزخ میں سب سے پہلے بھیجے جائیں گے اور جنہوں نے مفرطون کی یہ تفسیر کی ہے کہ ان کو دوزخ میں چھوڑ دیا جائے گا ان کی بھی یہی مراد ہے، یعنی ان کو سب سے پہلے دوزخ میں ڈالا جائے گا پھر ان کو دائمی عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔

ابو عمر، کائی اور قتیبہ نے مفرطون کو رکی زیر کے ساتھ پڑھا ہے، زجاج نے کہا اس کا معنی ہے انہوں نے اللہ کی معصیت میں افراط کیا یعنی بہت زیادہ معصیت کی، اور ابو جعفر اور ابن ابی عبلہ نے اس کو ف کی زبر اور ر کی تشدید اور زیر کے ساتھ پڑھا، زجاج نے کہا اس کا معنی ہے انہوں نے دنیا میں تفریط کی اور آخرت کے لیے عمل نہیں کیا اس کی تصدیق اس آیت میں ہے:

ان تقول نفس یحسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ۔ (الزمر: ٥٦) کوئی شخص کہے ہائے افسوس ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کیں۔

﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ ﴾

اللہ کی قسم ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف قوموں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان

نے ان کے اعمال کو خوب بنا سنوار کر ان کے سامنے پیش کیا۔ تو اب وہی ان کا ولی ہے اور ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کوئی نئے رسول نہیں بھیجے گئے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے بھی رسول بھیجے گئے تھے اس لیے ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بتا رہے ہیں کہ آج جو کچھ تیری قوم تجھ سے کر رہی ہے اور جو کچھ یہ لوگ بیان کر رہے ہیں ان سے پہلے لوگوں نے بالکل یہی کچھ کیا تھا شیطان نے ان کے اعمال بھی اچھے کر دکھائے تھے اور آج تمہاری قوم کے ساتھ بھی وہ وہی کچھ کر رہا ہے ان قوموں کو بھی ان کے اندر ہی کے شیطان نے سب کچھ سکھایا تھا اور آپ کے لوگوں کو بھی ان کے اندر ہی کے شیطان نے ان باتوں پر اکسایا ہے اور وہ اس طرح کی باتیں بنا رہے ہیں جس طرح پہلے لوگ دنیا میں شیطان کے چیلے بنے رہے ہیں آج یہ لوگ بھی اس کے چیلے بنے ہوئے ہیں نہ انہوں نے اپنے خدا کو پہچانا اور نہ یہ لوگ پہچان رہے ہیں، شیطان ہی ان کا دوست تھا اور آج یہ لوگ بھی اس کو یار بنائے ہوئے ہیں اور بلاشبہ ان کے لیے دردناک عذاب تیار کھڑا ہے جس طرح اس نے پہلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا آج اسی طرح ان کو بھی اس نے لپیٹ میں لے رکھا ہے اگر برے اعمال کو یہ لوگ برے تصور کرتے تو آخر ان کے مرتکب کیوں ہوتے؟ وہ ان اعمال کو کر رہے ہیں تو یقیناً وہ ان کو برا نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ تو بہادری کے کام ان کو تصور کرتے ہیں اور ان کے اندر کے شیطان نے ایسی چاشنی لگائی ہے کہ ان سارے برے کاموں کو اس نے اچھا کر دکھایا ہے اس لیے یہ لوگ انکو کبھی بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ ﴾

اور ہم نے آپ پر کتاب نازل نہیں کی مگر اس لیے کہ آپ وہ بات ان کے لیے کھول کر بیان کریں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مزید تسلی دینے کے لیے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ آپ عظیم رسول ہیں، فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ توحید و شرک اور ہدایت و گمراہی جیسے مسائل کو کھول کر بیان کر دیں جن میں لوگ آپس میں اختلاف کرتے ہیں، یہ عظیم کتاب ہدایت کا سرچشمہ اور رحمت باری تعالیٰ کا منبع ہے۔ اس میں صحیح عقیدہ، عبادت کے طریقے، اسلامی آداب و اخلاق اور انسانی زندگی کے تمام ضروری امور بیان کر دیے گئے ہیں۔ ہدایت و رحمت کے ان خزانوں سے وہی لوگ مستفید ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائیں گے، غیر مومنین ان سے محروم رہ جائیں گے، ارشاد فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ) [یونس: ۵۷] "اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم نصیحت اور اس کے لیے سراسر شفا جو سینوں میں ہے اور ایمان والوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت آئی ہے۔"

﴿ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ ﴾

اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا، بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے جو سنتے ہیں۔

توحید کی دلیل تخالف

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت تین اساسی باتوں پر مشتمل تھی جن کے قبول کر لینے پر ایمان کا دارومدار تھا۔ ان تین باتوں میں پہلی بات ہے توحید، اور دوسری بات آخرت اور تیسری رسالت ہے۔ اس آیت کریمہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت کے ان تینوں اساسی اصولوں کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش کی صورت میں پانی نازل فرماتا ہے۔ بارش کے نازل ہونے کے نتیجے میں ہم دیکھتے ہیں کہ زمین فوری طور پر اس کا اثر قبول کرتی ہے اور جو لمبی قحط سالی کے نتیجے میں بالکل مردہ ہو چکی تھی اس میں تیزی سے زندگی کے آثار ابھرتے ہیں۔ عرب میں چونکہ بارشیں بہت کم ہوتی تھیں اور بعض دفعہ کئی کئی سال تک بارش نہیں ہوتی تھی۔ ہم اس خشک سالی کا صحیح طور سے تصور نہیں کر سکتے، ممکن ہے تھر کے علاقوں میں اس کا تصور پایا جاتا ہو کیونکہ وہاں بھی بعض دفعہ عرصے تک بارشیں اترنے کا نام نہیں لیتیں اور ویرانی اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ پانی کے ذخیرے ختم ہو جاتے ہیں اور لوگ نقل مکانی پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن اتنی گہری

خشک سالی کے بعد جب بارش نازل ہوتی ہے تو حیرت انگیز بات یہ ہوتی ہے کہ وہ زمین جس میں کل تک ریت اڑتی تھی اور ویرانیوں کا پہرہ تھا چند ہی دنوں میں وہ زمین مخملی لباس پہن لیتی ہے اور ہر طرف ہریاول نظر آتی ہے۔ نباتات کی وہ جڑیں جو زمین کی تہوں میں کہیں خشک سو رہی تھیں ان میں زندگی انگڑائی لے کے اٹھتی ہے۔ اس میں سب سے پہلی بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ذرا غور کیجیے کہ زمین اور آسمان میں آپس میں تخالف کی نسبت پانی اور مٹی آپس میں متضاد ہیں۔ اور بھی کتنے عناصر ہیں جو باہمی ایک دوسرے کے متخالف ہیں، لیکن کس قدر حیرت کی بات ہے کہ یہ سب مل کر وہ فریضہ انجام دے رہے ہیں جس کی انجام دہی پر انھیں لگایا گیا ہے۔ زمین اپنی زرخیزی بروئے کار لانے سے انکار نہیں کرتی، سورج اپنی کرنیں بکھیرنے سے انکار نہیں کرتا، پانی اپنے جود و کرام میں بخل سے کام نہیں لیتا، ہوا اپنی لوریوں میں کمی نہیں کرتی، سب مل کر انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے میں اپنا اپنا فرض انجام دیتے ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آسمان اور زمین دونوں میں ایک ہی خدائے حکیم و قدیر کا ارادہ کارفرما ہے۔ اگر یہاں مختلف دیوتاؤں اور مختلف خداؤں کی حکومت ہوتی اور یہاں مختلف ارادے کارفرما ہوتے تو متخالف اور متضاد عناصر مل کر ایک خیر مطلوب کو کبھی بروئے کار لانے کے لیے مجبور نہ ہوتے۔ ان میں یہ توافق اور مقصد کے شعور میں ہم آہنگی یقیناً اس لیے ہے کہ یہ سب ایک ارادے کے تحت کام کر رہے ہیں اور ایک ہی خدا ان پر حکمران ہے۔

جنت بعد الموت پر دلیل

دوسری بات یہ ثابت کی جا رہی ہے کہ دیکھو مردہ زمین پر اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا تو اس میں زندگی لہلہانے لگی، خشک اور چٹیل میدان بارش کے چند چھینٹوں سے حیات تازہ سے بہرہ ور ہو گئے، تو جس

پروردگار کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اس کی بارش کے چند چھینٹے مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں تو کیا اس کی قدرت سے یہ بات بعید ہے کہ وہ مردہ مخلوق کو از سر نو زندہ کرے اور تمام لوگوں کو قیامت کے دن قبروں سے اٹھا کھڑا کرے اور حشر بپا کر دے۔

وحیِ الٰہی حیات بخش ہے

تیسری بات جس کی طرح توجہ دلانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کی زندگی کے لیے بارش نازل فرماتا ہے اور اس سے ہر طرف زندگی کے آثار دکھائی دینے لگتے ہیں، اسی طرح جب قومیں زندگی کے شعور سے بے بہرہ ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے اللہ تعالیٰ کو بھول کر کفر کی موت قبول کر لیتی ہیں اور ہر طرف دلوں پر موت کے پہرے گہرے ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وحیِ الٰہی کی بارش نازل فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول کی زبان سے ایک حیات بخش پیغام لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ دلوں میں زندگی کے سوتے پھوٹنے لگیں لیکن اس کے لیے ایک شرط رکھی گئی ہے جسے اس آیت کے آخر میں بیان فرمایا گیا ہے۔ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ کہ جس طرح زمین پر زندگی کے آثار پیدا نہیں ہوتے تاوقتیکہ وہ بارش کو اپنے اندر جذب ہونے کا موقع نہ دے، اسی طرح انسانوں میں بھی وحی الٰہی سے وہ زندگی پیدا نہیں ہوتی جب تک لوگ اسے غور سے سننے اور قبول کرنے کی شرط پوری نہ کریں۔ اگر اسے غور سے سنیں گے تو یقیناً اس سے اثر قبول کریں گے۔ پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہدایت عطا نہ فرمائے۔

﴿ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ

بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ
النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور بیشک تمہارے لیے مویشیوں میں سامان عبرت ونصیحت ہے کہ ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکلتا ہے جو تمہارے پینے کے لیے ہے جس سے ہم تمہیں سیراب کرتے ہیں۔(٦٦) اور (اسی طرح) کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز بناتے ہو، اور اس سے حلال اچھی روزی بناتے ہو، بیشک اس میں بھی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں۔(٦٧)

دودھ کی نعمت کی طرف اشارہ

پانی کی نعمت کے بعد یہ دودھ کی نعمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ غور کرنے والوں کے لیے چوپایوں کے اندر بھی خدا کی رحمت وربوبیت اور اس کی توحید کے بڑے درس موجود ہیں۔ یہ چوپائے اسی زمین کی گھاس اور سبزیاں چرتے ہیں، جو ان کے پیٹوں میں ایک مرحلہ میں گوبر بنتی ہیں اور ایک مرحلہ میں خون، پھر اسی گوبر اور خون کے درمیان کے مرحلہ دودھ پیدا ہوتا ہے جس میں نہ گوبر کا کوئی شائبہ ہوتا ہے اور نہ خون کا، وہ ہر آمیزش سے بالکل پاک اور پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار، لذیذ اور غذا بخش

ہوتا ہے۔ یہ ساری صورت حال اس بات کی شاہد ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی صناع وحکیم اور ایک ہی قدری و رحیم کے ارادے کے تحت چل رہی ہے یا اس بات کی شاہد ہے کہ اس کے اندر مختلف ارادے اپنے اپنے طور پر کام کر رہے ہیں

حصول عبرت علم کی کلید ہے: عبرۃ: کے معنی ایک حقیقت سے دوسری حقیقت تک پہنچ جانا ہے۔ یہی عبرت علم کی کلید ہے۔ جس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کے لیے ایک دروازہ کھل جائے تو اس کی روشنی میں دوسرے دروازے خود کھلتے جاتے ہیں۔ جو لوگ اپنی اس صلاحیت کو مردہ کر دیتے ہیں، ان کے عقل و دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں، وہ دیکھتے سب کچھ ہیں لیکن ان کو سوجھتا کچھ بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کے ذریعے سے کھجور اور انگور کے پھل پیدا کیے ہیں، جن کے رس سے شراب (جیسی خراب چیز بھی بناتے ہو) اور کھانے کی دیگر عمدہ چیزیں بھی بناتے ہو، مثلاً پھل، کھجور کا رس، کشمش اور سرکہ وغیرہ، یقیناً ان باتوں میں عقل والوں کے لیے بڑی نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کے علم اور اس کے رحم و کرم پر دلالت کرتی اور انسان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کرے۔

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا: اس سے معلوم ہوا کہ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب جائز تھی، یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت کھجور اور انگور کی شراب میں کوئی فرق نہ تھا، نیز گندم، جو، چنا اور شہد سے بنائی جانے والی شراب میں بھی کوئی فرق نہ تھا، جیسا کہ درج ذیل احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہر نشہ آور چیز خمر

ہے اور ہر خمر حرام ہے۔"[1]

سیدنا ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے، لہٰذا جس شخص تک یہ حکم پہنچ جائے اور اس کے پاس شراب موجود ہو تو وہ اسے نہ پیے اور نہ اسے فروخت کرے۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر ؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے منبر پر خطبہ میں فرمایا، (اے لوگو!) جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اس وقت یہ پانچ چیزوں انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد سے تیار کی جاتی تھی، (یاد رکھو کہ) شراب ہر وہ چیز ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔[3]

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "شراب پر دس وجوہ سے لعنت ہے، شراب بذات خود ملعون ہے، اس کا پینے والا، پلانے والا، بیچنے والا، خریدنے والا، نچوڑنے والا، جس کے لیے نچوڑی جائے، اٹھانے والا، جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والا، (یہ سب کے سب ملعون ہیں)۔"[4]

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص دنیا میں

۱۔[مسلم، کتاب الأشربۃ، باب بیان أن کل مسکر خمر وأن کل خمر حرام: ۲۰۰۳]

۲۔[مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم بیع الخمر: ۱۵۷۸]

۳۔[بخاری، کتاب الأشربۃ، باب ماجاء فی أن الخمر ماخامر العقل من الشراب: ۵۵۸۸۔ مسلم، کتاب التفسیر، باب فی نزول تحریم الخمر: ۳۰۳۲]

۴۔[مسند أحمد: ۲/۲۵، ح: ۴۷۸۶۔ أبوداؤد، کتاب الأشربۃ، باب العصیر للخمر: ۳۶۷۴۔ ابن ماجہ، کتاب الأشربۃ، باب لعنت الخمر علی عشرۃ أوجہ: ۳۳۸۰]

شراب پیے اور پھر اس سے توبہ نہ کرے تو وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔"[1]

﴿ وَاَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُكِیۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِیۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ ﴾

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھیوں کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اونچی چھتریوں میں جو لوگ بناتے ہیں گھر بنا۔ (۶۸) پھر ہر قسم کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی راہوں پر چل جو تیرے لیے نرم و آسان ہیں۔ اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے، اس کے رنگ مختلف ہیں، اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ بیشک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔ (۶۹)

شہد کی تیاری

۱۔ [بخاری، کتاب الأشربۃ، باب قول اللہ تعالیٰ: (إنما الخمر والمیسر ۔۔الخ): ۵۵۷۵۔ مسلم، کتاب الأشربۃ، باب بیان أن کل مسکر خمر۔۔الخ: ۲۰۰۳]

گزشتہ آیات میں پہلے کتاب اللہ کے نازل ہونے کی مناسبت سے آسمان سے پانی اتارنے کا ذکر فرمایا تھا پھر پانی کی مناسبت سے دودھ کا تذکرہ فرمایا۔ پھر پھلوں کے رس سے شراب وشربت اور سرکہ وغیرہ بنانے کا تذکرہ ہوا۔ گویا مشروبات کی تین قسم یعنی پانی' دودھ شراب کا تذکرہ ہوا۔ ۲۶۔ ویں پارہ سورہ محمد دوسرے رکوع میں جنت میں مشروبات کی چار قسم بیان ہوئی ہیں۔ پانی' دودھ شراب وشہد۔ تو یہاں تین قسم یعنی پانی' دودھ وشراب کا تذکرہ فرما کر اب چوتھی قسم یعنی شہد کا تذکرہ فرمایا جاتا ہے اور اس سے توحید اور قدرت خداوندی پر استدلال کیا جاتا ہے۔

شہد مہال کی مکھی سے پیدا ہوتا ہے۔ مہال کی مکھی مختلف پھلوں اور پھولوں سے رس چوس کر ہضم کرتی ہے اس کے معدہ میں یہی رس ہضم ہو کر شہد کی شکل میں خارج ہوتا ہے۔ اب ذرا اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غور کرنا چاہیے کہ شہد کے چھتے میں تمہارے لیے شب وروز کس طرح شہد تیار ہوتا رہتا ہے۔ تم دنیا کے سارے پھول اور پھل جمع کر کے چاہو کہ شہد کا ایک قطرہ بنالو تو کبھی نہ بنا سکو گے لیکن ایک چھوٹی سی مکھی بناتی رہتی ہے اور اس نظم وضبط' محنت واستقلال' ترتیب وتناسب' اجتماع واشتراک اور یکسانیت وہم آہنگی کے ساتھ بناتی رہتی کہ اس کی ہر بات ہماری عقل کو درماندہ کر دینے والی ہے۔ سب سے پہلے قدرت خداوندی نے شہد کی مکھی کو فطری طور پر یہ بات تعلیم کی کہ وہ پہاڑوں میں درختوں میں اونچے مکانوں میں چھتوں میں اور دوسرے بلند مقام میں اپنا گھر بنائے تا کہ زمین سے جو بخارات خارج ہوتے رہتے ہیں وہ شہد کو خراب نہ کر سکیں۔ پھر گھر بھی بنائے تو کس کاریگری اور باریک صنعت اور کیسے خوبصورت اور ہندسی پیمانہ کے موافق کہ کوئی بڑے سے بڑا انجینئر بھی ان کی پیمائش میں فرق ثابت نہیں کر سکتا۔ ساری مکھیاں ایک بڑی مکھی کے ماتحت رہ کر پوری فرماں برداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان

کے سردار کو یعسوب کہا جاتا ہے جس کے ساتھ مکھیوں کا جلوس چلتا ہے جب کسی جگہ مکان بناتی ہیں تو سب خانے مسدس کی شکل پر ہوتے ہیں اور بغیر کسی مسطر اور پرکار کے اس قدر صحیح ٹھیک ایک ہی شکل پر تمام خانوں کو رکھتی ہیں کہ آدمی کو حیرت زدہ کر دیتا ہے پھر ان مکھیوں کو ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں سے رس چوسنے کی تعلیم دی گئی۔ غور کا مقام ہے کہ پھل مختلف خاصیت اور مختلف ذائقہ کے ہوتے ہیں کوئی خوشگوار کوئی ناگوار کوئی شیریں کوئی تلخ لیکن شہد کی مکھی خوشگوار پھلوں کا شیریں عرق ہی چوستی ہے اور شہد کا جو رنگ مقرر ہے سفید، سرخ یا زرد اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کے بعد چھتے کے اندر آنے جانے کے جو راستہ مقرر ہیں انہیں میں سے داخل ہونے اور نکلنے کا القا ہوا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو راستہ اندر داخل ہونے کا ہے اس سے مکھی باہر آئے یا نکلنے کے راستہ سے اندر داخل ہو۔ پھر کچھ مکھیاں بطور خادم چھتہ کے دروازوں پر مقرر ہوتی ہیں جو داخل ہونے والی ہر مکھی کو سونگھ کر اندر گھسنے دیتی ہیں۔ اگر کسی گندی چیز پر بیٹھ کر مکھی رس چوس کر آتی ہے تو اس کو مار کر نکال دیتی ہیں اندر داخل ہونے نہیں دیتیں۔ یہ سب کچھ القا فطری ہے ان تمام تیاریوں کے بعد شہد بنتا ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی میں بھلائی ہے، تو وہ پچھنا لگوانے، شہد پینے اور آگ سے داغنے میں ہے، اگر وہ مرض کے مطابق ہو، مگر میں آگ سے داغنے کو پسند نہیں کرتا۔"[1]

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور کہنے لگا، میرے بھائی کا پیٹ خراب ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا: "اس کو شہد پلا۔" اس نے شہد پلایا، پھر آیا

---

[1] [بخاری، کتاب الطب، باب الدواء بالعسل۔۔الخ: ۵۶۸۳۔ مسلم، کتاب السلام، باب لکل داء دواء واستحباب التداوی: ۲۲۰۵]

اور کہنے لگا (اے اللہ کے رسول!) میں نے اسے شہد پلایا ہے، لیکن شہد پلانے سے تو پیٹ اور زیادہ خراب ہو گیا ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے تین مرتبہ یہی جواب دیا (کہ اسے شہد پلا)، پھر وہ چوتھی مرتبہ آیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (پھر یہی) فرمایا: "اسے شہد پلا۔" اس نے کہا، میں نے اسے شہد پلایا ہے، لیکن اس کا پیٹ مزید خراب ہو گیا ہے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے (کہ شہد میں شفا ہے) اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔" اب اس نے پھر شہد پلایا تو اس کا بھائی ٹھیک ہو گیا۔ [1]

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰ ﴾

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری جان قبض کرے گا اور تم میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نہایت خراب عمر کو پہنچ جاتے ہیں اور بہت کچھ جاننے کے بعد ہر چیز سے بے علم ہو جاتے ہیں بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے، ہر چیز پر قادر ہے۔

حکماء نے انسان کی عمر کے چار مراتب ذکر کیے ہیں، پہلا مرتبہ اس کی عمر کا وہ زمانہ ہے جب اس کے بچپن اور نوجوانی کا زمانہ ہوتا ہے اور اس کی نشوونما ہوتی ہے اور یہ ولادت سے لیکر بیس سال کی عمر ہے،

---

[1] [مسلم، کتاب السلام، باب التداوی بسقی العسل: ۲۲۱۷۔ بخاری، کتاب الطب، باب الدواء بالعسل۔۔الخ: ۵۶۸۴]

دوسرا مرتبہ وہ ہے جب اس کی عمر اپنے شباب کو پہنچ جاتی ہے اور یہ بیس سال سے چالیس سال کی عمر ہے، اور تیسرا مرتبہ دور انحطاط ہے جب اس کی عمر ڈھل جاتی ہے اور وہ ادھیڑ عمر کو پہنچ جاتا ہے یہ چالیس سال سے ساٹھ سال تک کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے اس کو کہولت کہتے ہیں، اور چوتھا مرتبہ انحطاط کبیر کا ہے، یہ بڑھ اپنے کا زمانہ ہے یہ ساٹھ سے ستر اسی سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انسان کی عمر کے ان تغیرات کا خالق کون ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ ان تغیرات کا خالق ہے اور لوگوں نے اللہ کے سوا جن چیزوں کو خالق مانا ان میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی تب بھی انسان کی عمر میں یہ تغیرات ہو رہے تھے تو ہم کیوں نہ مانیں کہ انسان کی عمر کے ان تغیرات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں ہے، سو وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کی غفلت کی نیند سے جگایا اور ان کو اپنے علم کے شمول اور قدرت کے عموم پر متنبہ کیا اور جبکہ اس کا علم اور اس کی قدرت ہر چیز کو محیط ہے تو وہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ ضرور زندہ کرے گا اور وہ جس چیز کو چاہے گا اس کو وجوب میں لے آئے گا اور اس نے اس کائنات میں ان پر دلائل قائم کیے ہیں پہلے اللہ تعالیٰ نے جمادات سے استدلال فرمایا پھر حیوانات سے پھر ان دلائل کو شہد کی مکھی پر ختم کیا جس سے حاصل ہونے والا شہد تمام انسانوں کے لیے شفا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انسان سے استدلال کیا اور فرمایا کہ انسان کی عمر کے چار مراتب ہیں پہلا مرتبہ طفولیت اور نشو ونما کا ہے اور دوسرا مرتبہ شباب کا ہے جس مرتبہ پر پہنچ کر انسان کی نشو ونما رک جاتی ہے اور تیسرا مرتبہ کہولت کا ہے اس مرتبہ میں اگرچہ قوت باقی رہتی ہے لیکن انسان کا انحطاط شروع ہو جاتا ہے اور چوتھا مرتبہ سن انحطاط کا ہے اس مرتبہ میں انسان کا ضعف شروع ہو جاتا ہے اور وہ بتدریج بڑھاپے کی طرف بڑھتا ہے حتی کہ وہ اس

منزل پر پہنچ جاتا ہے جب کوئی دوا اس کی جوانی کی قوت اور شباب کو واپس نہیں لاسکتی، اس آیت میں انسان کو اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ وہ عمر کے اس دور کے شروع ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرے اور بصیرت سے کام لے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے غور وفکر کرنے کی صلاحیت بھی جاتی رہے، اس لیے فرمایا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا یعنی عدم سے وجود میں لایا، پھر وہ مختلف عمروں میں تمہاری روحیں قبض کرے گا، بچہ اس پر قادر نہیں ہوگا کہ وہ اپنی عمر کو بڑھالے اور جوانی تک پہنچ جائے اور بوڑھا اس پر قادر نہیں ہوگا کہ وہ لوٹ کر جوانی تک پہنچ جائے، پھر تم میں سے بعض لوگوں کو ان ہی عمروں میں موت آجائے گی، بعض اپنی قوت اور اپنی طاقت کے زمانہ میں مرجائیں گے اور بعض ارذل عمر کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جس طرح طفولیت میں وہ کمزور اور بے علم تھے، اسی طرح بڑھاپے میں وہ کمزور اور بے علم ہوں گے ان کی یادداشت جاتی رہے گی اور ان کی ذکاوت کا شعلہ بجھ جائے گا، پھر وہ موت سے متصل ہوجائے گا اسے کوئی دوا نفع نہیں دے گی، اس لیے اس حالت کو پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرو۔

ارذل عمر کا معنی اور مصداق

ابن قتیبہ نے کہا: ارزل عمر کا معنی یہ ہے کہ جن چیزوں کا اسے پہلے علم تھا بڑھاپے کی شدت کی وجہ سے اس کا وہ علم زائل ہوجائے گا۔ زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس قدر بوڑھے ہوجائیں گے کہ ان کی عقل فاسد اور خراب ہوجائے گی، اور وہ عالم ہونے کے بعد جاہل ہوجائیں گے تاکہ اللہ تم کو اپنی قدرت دکھائے کہ جس طرح وہ مارنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ عالم بنانے کے بعد جاہل بنانے پر قادر ہے۔

عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے متعلق نہیں ہے مسلمان کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے نزدیک اس کی عزت اور کرامت بڑھتی جاتی ہے اور اس کی عقل اور معرفت بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور عکرمہ نے کہا جو شخص قرآن عظیم پڑھتا رہتا ہے اور وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔ [1]

امام ابوجع فر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ ارذل عمر کا مصداق پچھتر سال کی عمر ہے۔ [2]

علامہ ابوالمظفر منصور بن سمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ ھ لکھتے ہیں:

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ارذل عمر پچھتر سال کی عمر ہے، قطرب نے کہا کہ یہ اسی سال کی عمر ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ نوے سال کی عمر ہے، عکرمہ نے کہا جو شخص زیادہ قرآن پڑھتا ہے وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی عقل زائل ہوگی نہ فاسد ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جانا کفار کے لیے ہے۔ [3]

ارذل عمر سے پناہ طلب کرنا

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بکثرت دعاؤں میں ارذل عمر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے:

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب

۱۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۶۷، ۴۶۸، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۱۲ھ)

۲۔ (جامع البیان جز ۱۴، ص ۱۸۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۳۔ (تفسیر القرآن للسمعانی ج ۳ ص ۱۸۷، مطبوعہ دار الوطن، الریاض ۱۴۱۸ھ)

کرتے تھے اور فرماتے تھے: اے اللہ! میں سستی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں ارذل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ [1]

مصعب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا ان کلمات سے پناہ طلب کرو جن کلمات سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پناہ طلب کرتے تھے، اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جاؤں اور میں دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ [2]

﴿ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴾

"اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، پس وہ لوگ جنہیں فضیلت دی گئی ہے جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں کسی صورت اپنا رزق غلاموں کو دینے والے نہیں کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں، تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۱)

۲۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۴)

نعمت کا انکار کرتے ہیں ۔

اس آیت کریمہ میں مشرکین کے لیے ایک مثال بیان کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے روزی میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔ کوئی فقیر ہوتا ہے اور کوئی مال دار، کوئی آقا ہوتا ہے اور کوئی غلام۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان عقل وعلم، فہم ودانائی، اخلاق واطوار، قوت وتوانائی اور صحت و بیماری کے اعتبار سے فرق رکھا ہے اور جس کی روزی میں اللہ نے وسعت دی ہے وہ اپنی دولت اپنے غلاموں کو نہیں دے دیتا، تاکہ وہ اس کے برابر ہو جائیں تو جب تم اپنے ہی انسان غلاموں کو اپنے برابر دیکھنا گوارا نہیں کرتے تو اللہ کے غلاموں کو اس کے برابر کیسے بناتے ہو؟ اور ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ جیسا کہ ارشاد فرمایا: (ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ)[الروم:۲۸] "اس نے تمہارے لیے خود تمھی میں سے ایک مثال بیان کی ہے، کیا تمہارے لیے ان (غلاموں) میں سے جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہیں، کوئی بھی اس رزق میں شریک ہیں جو ہم نے تمہیں دیا ہے کہ تم اس میں برابر ہو۔" گویا اس آیت میں مشرکین پر ان کے جہل وکفر کو خوب واضح کر دیا گیا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ شریک بنا دیتے تھے، حالانکہ وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتے تھے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، جیسا کہ حج کے تلبیہ میں وہ کہا کرتے تھے: (لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ..اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ) "میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔۔ سوائے اس شریک کے جو تیرے لیے ہو، تو اس کا مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔"[1]

۱۔[مسلم، کتاب الحج، باب التلبیۃ وصفتہا ووقتہا:۱۱۸۵]

﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ
اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ
يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا
مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ ﴾

اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لیے بیویاں بنادیں، اور تمہاری ان بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا فرمادیئے، اور تمہیں عمدہ چیزیں کھانے کے لیے عطا فرمائیں۔ کیا پھر بھی وہ جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (۷۲) اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ آسمان سے ان کو رزق پہنچانے کا کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں سے، اور نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں۔ (۷۳)

حفدہ کے معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حفدہ، حافظ کی جمع ہے۔ حافد اس شخص کو کہتے ہیں جو بلا معاوضہ خدمت کرتا ہے خواہ وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو۔ مفسرین نے کہا یہ لفظ پوتوں اور نواسوں کے لیے ہے کیونکہ ان کی خدمت سچی اور بے لوث ہوتی ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ فلاں شخص محفود ہے۔ یعنی مخدوم ہے اور یہ لفظ دامادوں اور سسروں کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ دعا قنوت میں ہے الیک نسعی ونحفد [1] ہم تیری طرف بھاگتے ہیں اور تیرے احکام پر عمل کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ [2]

علامہ ابوالسعادات المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

المحفود اس شخص کو کہتے ہیں جس کی اس کے اصحاب تعظیم کرتے ہیں اور اس کے احکام کی اطاعت میں جلدی کرتے ہیں اور حافظ کا معنی ہے، خادم۔ [3]

علامہ ابن العربی نے لکھا ہے کہ بنین سے مراد ہے کسی شخص کے صلبی بیٹے اور حفدہ سے مراد بیٹے کی اولاد ہے۔ نیز علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس، مجاہد، امام مالک اور علماء لغت نے کہا ہے کہ حفدہ کے معنی ہیں خدام، تو قرآن مجید کی اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کسی شخص کی بیوی اور اس کی اولاد اس کے خدمتگار ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اس آیت کا معنی ہے تمہارے لیے تمہاری بیویوں اور بیٹوں کو خدمتگار بنایا۔

اس آیت مبارکہ میں دو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

ا۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں سے ان کی بیویوں کو پیدا فرمایا جسے قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے۔ "اے

۱۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۰۶)

۲۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۶۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

۳۔ (النہایہ ج ۱ ص ۳۹۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان (آدم (علیہ السلام) سے پیدا کیا پھر آدم سے ہی اس کی بیوی کو پیدا فرمایا پھر دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ داری میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔" (سورہ النساء:۱)

حضرت آدم (علیہ السلام) کا ذکر فرما کر یہاں تمام لوگوں کی تخلیق بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم نے تم سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا ہے۔" جس کا پہلا مفہوم یہ ہے کہ وہ تمہاری جنس سے تعلق رکھتی ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ لینے کی گنجائش بھی نکلتی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا ہو۔ (الروم:۲۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی میاں بیوی کے ملاپ کے بعد بیٹے دیتا ہے اور کتنے ہی لوگ ہیں جنہیں پوتوں کی خوشیاں بھی دیکھنا نصیب ہوتی ہے۔ اس بات سے یہ حقیقت عیاں کرنا مقصود ہے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ ہی تمہیں بیویاں اور اولاد عطا فرماتا ہے۔ اور وہی پاک چیزوں سے تمہاری روزی کا بندوبست کرتا ہے۔ اس کے باوجود مشرک اپنے معبودوں کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مثالیں دیتے ہیں۔ لیکن تم اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے اس کے ساتھ دوسروں کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے اور عبادت کے لائق جانتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہیں رزق کا ایک دانہ بھی مہیا نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی کسی کی حاجت پوری کرنے کے قابل اور مشکل حل کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن تم نہیں جانتے۔

﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا

تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

پس تم اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔ بیشک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

بت پرست یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک اس کی عبادت کرے بلکہ ہم ستاروں کی یا ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں، پھر یہ ستارے یا بت اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو سب سے بڑا خدا ہے اور ان ستاروں اور ان بتوں کا بھی خدا ہے کیونکہ دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ بادشاہ کے وزراء اور اکابرین سلطنت کی خدمت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں، اور بادشاہ تک رسائی کی جرات نہیں کرتے اور وزراء اور اکابرین سلطنت بادشاہ کی تعظیم اور اس کی خدمت کرتے ہیں، سو اسی طرح ہم بھی ان بتوں اور ستاروں کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تک رسائی اور اس کی عبادت کی جرات نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم یہ مثالیں نہ گھڑو، بتوں کی عبادت کو ترک کرو اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو بہت جاننے والا اور بہت قدرت والا ہے اور بے حد حکمت والا ہے۔

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے، ایک غلام کی جو کسی کی ملکیت میں ہے اور خود کسی چیز پر

اختیار نہیں رکھتا اور وہ شخص جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا ہے وہ اس میں سے پوشیدہ اور سر عام کھلا خرچ کرتا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک ایسے غلام کی مثال بیان فرماتا ہے جو کسی دوسرے کے قبضے میں ہو اور اسے کسی بھی چیز کا اختیار نہ ہو اور ایک ایسے شخص کی (مثال بیان فرماتا ہے) جس کو ہم نے اپنے فضل سے عمدہ مال عطا کیا ہو، پھر وہ اس میں سے پوشیدہ طور پر بھی اور علی الاعلان بھی (جس طرح چاہتا ہو) خرچ کرتا ہو۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایک غلام، بے اختیار اور مجبور۔ دوسرا آزاد، مال دار اور با اختیار، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، غلام کو نہ دینے کا اختیار ہے اور نہ اس کے پاس دینے کے لیے کچھ ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ کے بندے جو اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں، نہ انھیں دینے کا اختیار ہے اور نہ ان کے پاس دینے کے لیے کچھ ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ غنی ہے، اس کے پاس دینے کے لیے سب کچھ ہے اور وہ با اختیار بھی ہے، جسے چاہے اور جتنا چاہے دے دے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ)[فاطر:۲] "جو کچھ اللہ لوگوں کے لیے رحمت میں سے کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔" اور فرمایا: (اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ)[العنکبوت:۱۷] "تم اللہ کے سوا چند بتوں ہی کی تو عبادت کرتے ہو

اور تم سراسر جھوٹ گھڑتے ہو۔ بلاشبہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو تمہارے لیے کسی رزق کے مالک نہیں ہیں، سو تم اللہ کے ہاں ہی رزق تلاش کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر کرو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔"

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ﴾

اور اللہ ایک اور مثال بیان کرتا ہے دو آدمیوں کی۔ ان میں سے ایک تو گونگا ہے (اور) کوئی کام نہیں کر سکتا (اس لئے) وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے۔ وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی بھلائی لے کر نہیں آتا۔ کیا وہ (گونگا) اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ خود بھی سیدھے راستے پر قائم ہے۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے کہ یہ بدیہی بات ہے کہ جو شخص گونگا اور عاجز وہ وہ فضل اور شرف میں اس شخص کے مساوی نہیں ہو سکتا جو بولنے والا اور قادر ہو، باوجود اس کے کہ بشریک اور باقی اعضا کی سلامتی میں دونوں مساوی ہوں تو جب گونگا اور عاجز، بولنے والے اور قادر برابر نہیں

ہوسکتا تو زیادہ لائق ہے کہ بے جان اور ساکت پتھر اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں ہو سکتے پھر تمہارا ان بتوں کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا کس طرح عقل کے نزدیک صحیح ہے۔

یہ مثال جو دی گئی ہے اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

۱۔العوفی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے، جو شخص گونگا اور عاجز ہے وہ کافر اور بت پرست ہے کیونکہ وہ حق کے ساتھ کلام نہیں کرتا اور کوئی نیک کام نہیں کرتا جس میں خیر اور برکت ہو اور جو شخص ناطق اور قادر ہے وہ مومن ہے کیونکہ وہ کلمہ حق بولتا ہے، نیکی کا حکم دیتا ہے اور راہ راست پر ہے۔

۲۔ابراہیم بن یعلی ؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفانؓ اور ان کے غلام کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان کا غلام کافر تھا اور اسلام کو ناپسند کرتا تھا اور حضرت عثمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے منع کرتا تھا کیونکہ وہ کلمہ حق نہیں کہتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو گونگا قرار دیا ہے اور حضرت عثمانؓ نیکی کا حکم دیتے تھے اور راست پر تھے۔

۳۔اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اپنی اور بتوں کی دی ہے، بت گونگے تھے اور عاجز تھے کیونکہ وہ بول نہیں سکتے تھے، نہ کوئی کام کر سکتے تھے اور وہ بت اپنی پرستش کرنے والوں پر بوجھ تھے کیونکہ بت اپنے عبادت گزاروں کو کچھ نہیں دے سکتے تھے بلکہ بتوں کی عبادت کرنے والے بتوں پر خرچ کرتے تھے، اور بتوں سے جس مہم میں بھی مدد طلب کی جاتی وہ اس میں اپنے عبادگزاروں کو کوئی خیر نہیں پہنچا سکتے تھے اور جو نیکی کا حکم دینے والا ہے اور راہ راست دکھانے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ مجاہدؒ، قتادہؒ، ابن السائب اور مقاتلؒ کا قول ہے۔

۴۔عطا نے یہ کہا ہے کہ اس مثال میں گونگے اور عاجز سے مراد ابی بن خلف ہے، اور جو نیکی کا حکم دیتا ہے اس سے مراد حضرت حمزہؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ہیں۔ [1]

امام رازیؒ نے کہا اس آیت سے مقصود ہر وہ غلام ہے جو ان صفات مذمومہ کے ساتھ موصوف ہو اور ہر وہ آزاد شخص جو ان صفات محمودہ کے ساتھ موصوف ہو۔

﴿ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ ﴾

اور آسمانوں اور زمین کا (سب) غیب اللہ ہی کے لیے ہے، اور اللہ کے نزدیک قیامت کا آنا یوں ہے، جیسے آنکھ کا جھپکنا یا اس سے بھی تیز تر، بیشک اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔(۷۷) اور اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم کچھ بھی نہ

۱۔(زادالمسیر ج ٤ ص ٤٧٣، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ١٤٠٧ھ)

جانتے تھے، اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھ اور دل پیدا کیے تا کہ تم شکر ادا کرو۔(۷۸) کیا انہوں نے پرندوں کو آسمان کی فضا میں مسخر نہیں دیکھا؟ انھیں اللہ کے سوا کون تھامے ہوئے ہے بیشک اس میں بھی ایمانداروں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔(۷۹)

پچھلی دونوں آیتوں میں مخلوق کی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وکمال کو بڑے دل نشیں پیرایہ میں بیان کیا گیا تھا اور بات کو مثالیں دے کر ذہن نشین کرایا گیا تھا اب اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کی دلیل پیش کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ آسمانوں اور زمین کے تمام غیبوں کو جاننا اس کے ساتھ مخصوص ہے کوئی انسان بھی اپنے حواس کے ذریعہ یا اپنی عقل کے زور سے ان کو نہیں جان سکتا، غیب اسے کہتے ہیں جس کا ادراک نہ حواس سے ہو سکے اور نہ عقل وفکر سے" مالا یدرک بالحس ولا یفھم بالعقل"۔(بحر) غیب پر مطلع ہونے کا ایک ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود غیب سے اپنے کسی نبی ورسول کو مطلع کر دے اور جس کو کوئی بتانے والا ہو وہ اس کے بتانے کے بعد جن کو نہیں بتائی گئی انکے لیے بیشک غیب ہو سکتی ہے لیکن جس کو بتائی گئی اس کے لیے وہ غیب نہ رہی، یہی وجہ ہے کہ علم غیب اللہ کے ساتھ مختص ہے کئی بھی غیب کو نہیں جان سکتا بجز اس کے اللہ تعالیٰ کو خود آگاہ کر دے اور ظاہر ہے کہ جس کو وہ آگاہ کر دے گا اس کے لیے وہ غیب کیوں ہوا اگر چہ وہ دوسرے سارے لوگوں کے لیے غیب ہو۔فرمایا کہ اس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ جب وہ قیامت بپا کرنا چاہے گا تو اس نظام کو درہم برہم کرنے کے لیے اسے صدیاں، سال، مہینے یا دن درکار نہیں ہوں گے بلکہ کم سے کم مدت جس کا تصور تم کر سکتے ہو وہ لمح بصر ہے بس اتنا وقت بلکہ

اس سے بھی کم وقت میں یہ کچھ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ کبھی "تسبیح" کا دھاگا ٹوٹتا تم نے دیکھا ہوگا' اچھا نہیں تو کھینچ کر توڑ دو تم کو سارا منظر نظر آجائے گا بس اس طرح ہر چیز زیروزبر کر دی جائے گی، جس کے علم کا یہ حال ہے اور جس کی قدرت کا یہ عالم ہے وہی خدائے برحق اور معبود برحق ہے اس کی مخلوق میں سے کسی کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا۔

توحید باری تعالیٰ کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو جب اس کی ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے تو اسے کسی بات کی خبر نہیں ہوتی۔ اللہ اسے کان، آنکھ اور دل دیتا ہے اور بچپن سے لے کر بڑا ہونے تک ان قوتوں کو بڑھاتا ہے، تاکہ وہ ان نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکر ادا کرے، اس کی وحدانیت کا اعتراف کرے اور اسی کی عبادت کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ نعمتیں اس لیے دی ہیں کہ ان کی مدد سے اس کے سامنے زندگی بھر جھکتا رہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: (قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۲۳ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ)[الملک: ۲۳، ۲۴] "کہہ دے وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم کم ہی شکر کرتے ہو۔ کہہ دے وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے کسی دوست و ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں اس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔ میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ چیز ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ نفل عبادات کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، حتیٰ

کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ اگر مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور دیتا ہوں، اگر پناہ چاہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی کام کے کرنے میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا مومن کی روح کے قبض کرنے میں۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔"[1]

اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بندہ جب اخلاص کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت بجالائے تو اس کے سارے افعال اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوجاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے دیکھتا ہے، یعنی اس چیز کی طرف دیکھتا ہے جس کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کے لیے پکڑتا ہے اور اسی کے لیے چلتا ہے اور ان تمام امور کے بجالانے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرتا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے بروایت کعب رحمہم اللہ فرمایا کہ پرند اتنا مسخر بالحکم ہے کہ لاترفع اکثر من اثنی عشر میلاً۔۔ بارہ میل سے زائد وہ بلندی پر پرواز نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ اس سے آگے ہوا اتنی لطیف ہے کہ اس میں اس کی برداشت ہی نہیں ہے۔ تو اگر اس مقدار سے آگے بڑھنا چاہے تو لطافت ہوا اسے پرواز سے عاری کرکے گرادے گی۔ اس کے جسم کا ثقل اس میں جانے کے قابل ہی نہیں رہتا اور اس حد میں بھی ثقل جسم بالطبع اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ گرے لیکن اس حد تک انہیں جو سما میں پرواز کی طاقت عطا کی اور

---

[1]۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع: ۶۵۰۲]

خلاف طبیعت اس میں پرواز کی قوت بخشی اور اس سے آگے چونکہ حکم نہیں اس کی پرواز بھی روک دی گئی تو اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ﴾

اور اللہ نے گھروں کو تمہارے لیے رہنے کی جگہ بنایا اور اسی نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لیے گھر (خیمے) بنائے جن کو تم ہلکا پھلکا جان کر سفر میں اور

گھر میں کام میں لاتے ہو اور ان کی اون، روؤں اور بالوں سے کئی اسباب اور چیزیں بناتے ہو جو مدت تک کام دیتی ہیں۔(۸۰) اور اللہ نے تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں پناہ کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس بنائے جو تمہاری جنگ میں تم کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنا احسان تم پر پورا فرماتے ہیں تا کہ تم فرماں بردار رہو۔(۸۱) اور (اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر وہ منہ موڑتے ہیں تو آپ کے ذمے صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ (۸۲) وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہنچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔(۸۳)

یہاں ان نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہیں، تا کہ ان میں غور و فکر کر کے اس کی وحدانیت کا اقرار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پتھروں، بالوں اور دیگر چیزوں کے ذریعے سے بنے ہوئے گھر دیے، تا کہ ان میں سکونت و راحت حاصل کر سکیں۔ یہ اللہ کی نعمت ہے۔ خیموں کے، اسی طرح چوپایوں کے چمڑے سے بھی بنے ہوئے گھر دیے جنھیں وہ سفر و حضر میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ ان چوپایوں کے بالوں اور اون سے بنے ہوئے سامان، بستر اور کمبل وغیرہ دیے جن سے لوگ ایک مدت تک استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سایہ حاصل کرنے کے دوسرے بہت سے

ذرائع پیدا کیے ہیں، تاکہ اگر کسی کے پاس خیمہ یا مکان نہیں ہے یا حالت سفر میں ہے تو ان ذرائع کو استعمال کرے، مثلاً درخت، دیوار یا چھتری سے سایہ حاصل کرے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں غار بنائے ہیں جنھیں انسان بہت سے مواقع پر نہایت مفید اغراض کے لیے استعمال کرتا ہے، مثلاً سفر کرتا ہوا انسان کبھی ان میں سے اپنے دشمن، بارش، سردی اور گرمی سے پناہ لیتا ہے۔ اس زمانے میں پہاڑوں میں سرنگیں بنا کر فوج، جہاز اور اسلحہ جات کے لیے مامون جگہ بنائی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اون، روئی اور کتان وغیرہ کے بنے ہوئے لباس مہیا کیے، تاکہ ان کے ذریعے سے سردی اور گرمی سے بچا جائے اور لوہے سے بنے ہوئے زرہ، خود اور بکتر بند گاڑیاں دیں، تاکہ آدمی انھیں جنگوں میں استعمال کر کے تلواروں، نیزوں، توپوں، راکٹوں اور میزائلوں سے اپنے آپ کو بچائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام نعمتیں اور اسی طرح کی دوسری بہت سی نعمتیں انسانوں کو دی ہیں، جن میں آدمی اگر غور کرے تو دین اسلام کو قبول کر لے اور اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ اسی طرح آگے فرمایا کہ اگر ان تمام نعمتوں کو گنائے جانے اور حق کو اس وضاحت کے ساتھ بیان کیے جانے کے باوجود اسلام سے روگردانی کرتے ہیں تو آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی اور اب ان کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ آگے فرمایا کہ مشرکین مکہ جانتے ہیں کہ ان تمام نعمتوں کا خالق اللہ ہے، لیکن کہتے ہیں کہ یہ ہمیں ہمارے معبودوں کی سفارشات سے ملی ہیں اور اس طرح ان میں سے اکثر لوگ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ: سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہ آیت نازل ہوئی: (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ) [الشعراء: ۲۱٤] تو آپ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھڑے ہو کر اعلان کرنے لگے: "اے قریش کے لوگو! اللہ کی اطاعت کے ذریعے سے اپنی جانوں کو اس کے عذاب سے بچاؤ، (اگر تم کفر و شرک سے باز نہ آئے تو) اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہمراہ یہود کے بیت المدراس میں گئے، آپ نے انھیں آواز دی اور فرمایا: "اے یہودیو! اسلام لاؤ تو تم سلامت رہو گے۔" اس پر یہودیوں نے کہا، اے ابوالقاسم! آپ نے (اللہ تعالیٰ کا) پیغام پہنچا دیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دوبارہ فرمایا: "یہی میرا مقصد ہے، اسلام لاؤ تو تم سلامت رہو گے۔" انھوں نے پھر کہا، اے ابوالقاسم! آپ نے (اللہ تعالیٰ کا) پیغام پہنچا دیا۔[2]

﴿ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ

---

[1] ۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (وأنذر عشیرتک الأقربین۔۔الخ): ۴۷۷۱]

[2] ۔[بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب (وکان الإنسان أکثر شئ جدلا)۔۔الخ: ۷۳۴۸]

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور جب دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، پھر نہ تو ان کافروں کو اجازت ملے گی اور نہ ان کے عذر قبول کیے جائیں گے۔(۸۴) اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھ لیں گے تو پھر نہ تو ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی۔(۸۵) اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے ہیں جب اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے اے پروردگار یہ ہمارے شریک ہیں جنہیں ہم تیرے سوا پکارتے تھے پھر وہ انہیں جواب دیں گے کہ تم سراسر جھوٹے ہو۔(۸۶) اور وہ اس دن اللہ کے سامنے سر جھکا دیں گے اور وہ بھول جائیں گے جو وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔(۸۷) جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ فساد کیا کرتے تھے۔(۸۸)

کفر وناشکری کا انجام

گزشتہ آیات میں مختلف احسانات وانعامات کا تذکرہ کر کے توحید کی طرف مائل اور شکر گزاری اور فرماں برداری پر آمادہ کیا۔ اب اخیر میں تنبیہ ووعید ترہیب وتوبیخ کا رنگ اختیار کر کے اتمام تبلیغ فرماتا ہے اور کفر وناشکری کا انجام بتلایا جاتا ہے تاکہ جو دلائل قدرت سے یا انعامات واحسانات سننے کے بعد بھی توحید و رسالت کے اقرار پر مائل نہ ہو سکے وہ انجام اور سزا کو سن کر شاید مائل ب اقرار توحید ہو جاویں۔ چنانچہ ان آیات میں کفار ومشرکین کو سنایا جاتا ہے کہ یاد رکھو وہ دن بھی آنے والا ہے جب تمام اگلی پچھلی امتیں احکم الحاکمین کی آخری عدالت میں کھڑی ہوں گی اور ہر امت کا نبی یا جانشین نبی بطور گواہ کھڑا کیا جائے گا تاکہ اپنی امت کے نیک وبد اور مطیع اور عاصی کی نسبت شہادت دے کہ کس نے کیسا معاملہ حق کے پیغام اور پیغامبر کے ساتھ کیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں کہ کوئی شہادت پیش کرے مگر چونکہ اتمام حجت مقصود ہوگا اس لیے انبیاء اور انکے خلفاء کی شہادت پیش فرمائے گا۔ انبیاء کہیں گے کہ ہم نے تیرا حکم پہنچا دیا مگر انہوں نے نہ مانا اور شرک ومعصیت میں مبتلا رہے۔ اس وقت منکروں کو اجازت نہ ہوگی کہ کچھ لب کشائی کر سکیں یا اب بعد از وقت توبہ کر کے سزا سے چھوٹ جائیں اور لب کشائی کا ہے میں کریں گے درآنحالیکہ انہیں اپنے مجرم ہونے اور کسی قسم کی معذرت نہ چل سکنے کا پورا انکشاف ہو جائے گا۔ وہ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ یہ دار جزا ہے دار عمل نہیں جواب توبہ کر کے خطائیں معاف کرالیں۔ جب میدان حشر میں لے جا کر کھڑے کئے جائیں گے اور عذاب الٰہی سامنے نمودار ہوگا اس وقت مایوس ہو کر درخواستیں کریں گے اور کچھ مہلت کے طالب ہوں گے تاکہ نیکی کر کے رہائی پا سکیں اور بدرجہ مجبوری تخفیف عذاب کے آرزومند ہوں گے مگر دونوں میں سے ایک خواہش بھی پوری نہ کی جائے گی اور

جہنم آموجود ہوگی جو ستر ہزار لگاموں والی ہوگی اور جس کی ہر لگام پر ستر ہزار فرشتہ متعین ہوں گے اس میں ایک گردن نکلے گی جو اس طرح پہن پہنائے گی کہ تمام اہل محشر خوف زدہ ہو کر گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ اس وقت جہنم اپنی زبان سے باواز بلند اعلان کرے گی کہ میں ہر ایک سرکش ضدی کے لیے مقرر کی گئی ہوں جس نے خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا ہو اور ایسے ایسے کام کئے ہوں چنانچہ وہ کئی قسم کے گنہگاروں کا ذکر کرے گی جیسے کہ حدیث میں ہے پھر وہ ان تمام لوگوں کو لپٹ جائے گی اور میدان حشر میں سے مجرمین کو اس طرح اچک لے گی جیسے پرندہ دانہ چگتا ہے۔

جھوٹے معبود کچھ کام نہ آئیں گے

آگے بتلایا جاتا ہے کہ جب وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں شرک کیا تھا اور جن معبودوں کی پرستش کرتے تھے اور جن کو اللہ کی الوہیت و ربوبیت میں شریک بنا رکھا تھا انکو سامنے دیکھ کر کہیں گے کہ پروردگار اصل گمراہ کرنے والے یہ ہیں۔ تجھے چھوڑ کر ہم ان کو پکارتے تھے ہم تو ان کی بدولت مارے گئے۔ اس سے مشرکین کا شاید یہ مطلب ہو کہ ہم بذات خود بے قصور ہیں۔ اس پر ان کے وہ معبود مشرکین کو صاف جواب دیں گے کہ تم جھوٹے ہو جو ہم کو خدا کا شریک ٹھہرالیا۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ فی الحقیقت تم اپنے اوہام وخیالات کو پوجتے تھے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہ تھی۔ غرض جن کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا سب اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اور ان مشرکین کی ساری طمطراق اور افتراء پردازیاں جو دنیا میں اس وقت کر رہے تھے اس وقت غائب ہو جائیں گی۔ سب عاجز اور مقہور ہو کر خدا کے سامنے اپنی اطاعت اور فرماں برداری کا اظہار کریں گے۔ یہ تو ان لوگوں کی حالت کا تذکرہ تھا جو خود گمراہ اور مشرک تھے۔ لیکن وہ لوگ جو گمراہ بھی تھے اور گمراہ کن بھی خود بھی کافر تھے اور دوسروں

کو بھی راہ حق سے روکتے تھے اور کفر پر آمادہ کرتے تھے ایسے لوگوں کو دوگنی سزا ملے گی ایک تو گمراہ ہونے کی دوسرے گمراہ کرنے کی۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ جس طرح جنت میں اہل جنت کے منازل و مدارج میں فرق ہوگا اسی طرح جہنمیوں کو عذاب میں بھی فرق ہوگا۔ سب کافروں کو ایک ہی طرح کا عذاب نہ ہوگا۔ کسی کا عذاب سخت کسی کا زیادہ سخت اور کسی کا سخت ترین۔

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(قیامت کے دن) نوح (علیہ السلام) اور ان کی امت کو بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، (اے نوح!) کیا تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے، ہاں! اے میرے رب! پھر ان کی امت سے کہا جائے گا، کیا انھوں نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نوح (علیہ السلام) سے فرمائے گا، تمہارا گواہ کون ہے؟ نوح کہیں گے، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کی امت۔ پھر ہم گواہی دیں گے کہ بیشک نوح نے تبلیغ کی تھی اور اللہ عزوجل کے اس فرمان سے یہی مراد ہے: (وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ) [البقرۃ: ۱۴۳] "اور اسی طرح ہم نے تمہیں سب سے بہتر امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو اور رسول تم پر شہادت دینے والا بنے۔"[1]

﴿ وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

---

[1] [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب (ولقد أرسلنا نوحا إلی قومہ): ۳۳۳۹]

وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ ان پر انہی میں سے اٹھائیں گے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے، اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان مفصل ہے اور مسلمانوں (فرماں برداروں) کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

زمانہ فترت میں علماء مبلغین کا حجت ہونا

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے اس آیت میں گواہ سے مراد انبیاء ہیں جو اپنی امتوں کے خلاف قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ کہ انہوں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور ان کو ایمان لانے کی دعوت دی، اور ہر زمانہ میں ایک گواہ ہوگا خواہ وہ نبی نہ ہو، اور ان کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ وہ ہدایت دینے والے ائمہ ہیں جو انبیاء (علیہم السلام) کے نائبین ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ علماء مبلغین ہیں جو انبیاء (علیہم السلام) کی شرائع کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی تبلیغ کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس تقدیر پر فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ) میں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کو ایک مانتے ہوں گے جیسے قس بن ساعدہ ورزید بن عمرو بن نفیل۔ جس کے متعلق نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وہ بطور ایک امت اٹھایا جائے گا اور ورقہ بن نوفل جس کے متعلق نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں اس کو جنت کے دریاؤں

میں غوطے لگاتے ہوئے دیکھا ہے پس یہ لوگ اور جوان کی مثل ہیں، وہ اپنے زمانہ کے لوگوں پر حجت ہیں اوران پر گواہی دیں گے۔ [1]

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعیؒ المتوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے اپنے رسالہ کے خطبہ کے آخر میں یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی کتاب اور اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کی فہم عطا فرمائے۔اس کے بعد فرمایا مسلمانوں کو اپنی زندگی میں جو بھی حادث پیش آئے گا اس کے متعلق اللہ کی کتاب میں ہدایت موجود ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں دنیا اور آخرت سے متعلق تمام عقائد بیان فرمائے ہیں اور امر و نہی اور حلال وحرام اور حدود بیان فرمائی ہیں۔بعض کا قرآن مجید میں صراحتاً ذکر ہے اور بعض کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی سنت کے حوالے کر دیا ہے اور بعض احکام کو اجماع کے سپرد کر دیا ہے۔جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

ویتبع غیر سبیل المومنین۔(النساء:۱۱۵) اور جو شخص مومنین کے راستہ کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈے۔

اس آیت میں اس شخص پر وعید ہے جو مومنین کے راستے کے سوا کوئی اور راستہ تلاش کرے، اس سے معلوم ہوا کہ جمہور مومنین کے طریقہ پر حجت ہے اور یہ اجماع کا ثبوت ہے اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خلفاء راشدین کی اقتدا کا حکم دیا ہے۔

حضرت عریاض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صبح کی نماز کے بعد ہم کو بہت موثر اور بلیغ نصیحت فرمائی جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہمارے دل خوفزدہ ہو گئے۔ایک شخص نے کہا یہ تو کسی الوداع ہونے والے کی نصیحت ہے آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، آپ

---

[1] ۔(الجامع الاحکام القرآن جز۱۰،ص۱۴۹،مطبوعہ دارالفکر بیروت،۱۴۱۵ھ)

نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرات ہوں، خواہ وہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہو تم اس کا حکم ماننا اور اس کی اطاعت کرنا کیونکہ جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بکثرت اختلاف دیکھے گا اور تم اپنے آپ کو دین میں نئی باتیں نکالنے سے بچانا کیونکہ یہ گمراہی ہے۔ تم میں سے جو شخص ایسی چیزوں کو دیکھے تو اس پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے اس کو ڈاڑھوں کے ساتھ پکڑ لو۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے فرمایا: "مجھے قرآن سناؤ۔" میں نے عرض کی، بھلا میں آپ کو کیا سناؤں، آپ ہی پر تو قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: "ٹھیک ہے، مگر دوسرے سے سننا مجھے اچھا لگتا ہے۔" ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے سورہ نساء پڑھنا شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا: (فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا) [النساء: ٤١] "پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ لائیں گے" تو آپ نے فرمایا: "بس کرو۔" میں نے دیکھا تو اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ [2]

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کتاب کے متعلق فرمایا ہے کہ اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔ "الکِتٰبَ" سے مراد قرآن مجید بھی ہوسکتا ہے اور مراد شریعت الٰہیہ بھی ہوسکتی ہے۔ شریعت الٰہیہ میں قرآن مجید اور حدیث نبوی دونوں شامل ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہؓ اور سیدنا زید بن خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

۱۔ (سنن الترمزی رقم الحدیث: ۲۶۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳، مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶، سنن دارمی رقم الحدیث: ۹۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵، المعجم الکبیر ج ۱۸، رقم الحدیث: ۶۱۷، المستدرک ج ۱ ص ۹۵)

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (فکیف إذا جئنا من کل أمة بشهید ا۔۔الخ): ۴۵۸۲]

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا، اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہم لوگوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کر دیجیے۔ یہ سن کر اس کا فریق مخالف کھڑا ہوا اور وہ اس کی نسبت زیادہ سمجھ دار تھا، اس نے کہا، یا رسول اللہ! یہ سچ کہتا ہے، آپ میرا اور اس کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کر دیجیے اور اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے (کہ میں مقدمہ کی تفصیلات بیان کروں)۔ آپ نے فرمایا: "ہاں بیان کرو۔" وہ کہنے لگا، میرا بیٹا اس کے گھر میں کام کاج کے لیے نوکر تھا، سو وہ اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر بیٹھا۔ تو میں نے سو بکریاں اور ایک غلام دے کر اپنے بیٹے کو چھڑا لیا۔ پھر جو میں نے اہل علم سے مسئلہ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے لگیں گے اور وہ ایک سال کے لیے جلاوطن ہوگا اور اس کی بیوی سنگسار ہوگی۔ یہ سن کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کروں گا۔" پھر آپ نے فرمایا: "تم نے جو سو بکریاں اور غلام ان کو دیا ہے وہ تم کو واپس کیا جائے گا، تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک برس کے لیے جلاوطن ہوگا اور اے انیس! تم کل صبح اس دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جاؤ، اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو سنگسار کر دو۔" سیدنا انیسؓ اس شخص کی بیوی کے پاس گئے تو اس نے زنا کا اقرار کیا، چنانچہ انیسؓ نے اس کو سنگسار کر دیا۔ [1]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ بریرہؓ جو لونڈی تھیں، وہ ان کے پاس آئیں، دراصل وہ اپنی مکاتبت (غلام اور مالک کا معاہدہ کہ اتنی رقم کے بدلے تو آزاد ہے) کے روپیا کے سلسلہ میں ان سے مدد چاہتی تھی۔ سیدہ عائشہؓ نے کہا، اگر تیری مرضی ہو تو میں تیرے مالکوں کو یہ روپیا ادا کر دیتی ہوں، مگر اس

۱۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب ھل یأمر الإمام رجلاً فیضرب الحد غائبا عنہ: ۶۸۵۹، ۶۸۶۰۔ مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی: ۱۶۹۷، ۱۶۹۸]

صورت میں تمہارا ولاء کا تعلق مجھ سے قائم ہوگا۔ اس کے مالکوں نے کہا، اگر تم چاہو تو جو مکاتبت کا روپیا اس کے ذمہ باقی ہے وہ دے دو (تم چاہو تو اس کو روپیا دے کر آزاد کر دو)، لیکن اس کا ترکہ تو ہم ہی لیں گے۔ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے تو سیدہ عائشہؓ نے آپ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا: "تم بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو اور ولاء کی نسبت اسی کی طرف ہوگی جو آزاد کرے۔" پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر پر چڑھے اور فرمایا: "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں؟ (سنو!) جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہ ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، چاہے وہ سو مرتبہ وہ شرط لگائے۔"[1]

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾ ﴾

بیشک اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ: "عدل" کے مشہور معنی انصاف کرنے کے ہیں، یعنی اپنوں اور بیگانوں سب

۱۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب ذکر البیع والشراء علی المنبر فی المسجد: ٤٥٦۔ مسلم، کتاب العتق، باب إنما الولاء لمن أعتق: ١٥٠٤/٦]

کے ساتھ انصاف کیا جائے، کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد یا محبت یا قرابت کی وجہ سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ ارشاد فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا) [النساء:۵۸] "بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تمہیں یہ بہت ہی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بیشک اللہ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔" اور فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ) [المائدۃ:۸] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔" وَالْاِحْسَانِ: "احسان" کا معنی وہ بھی ہے جسے حدیث جبرائیل میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کی جائے کہ جیسے بندہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہے۔ احسان کا معنی یہ بھی ہے کہ ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنا، حسن سلوک سے پیش آنا۔ عفو و درگزر سے کام لینا اور معاف کر دینا۔ احسان اور حسن سلوک میں سب سے مقدم ماں باپ ہیں، پھر عزیز و اقارب، پھر یتامی، مساکین، پڑوسی، ہم نشین اور مسافر ہیں۔ اگر کافر دین کے معاملے میں جنگ نہ کریں تو ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہیے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ

وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ)[الممتحنۃ:۸] "اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

جانوروں کے ساتھ بھی احسان کرنا چاہیے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک شخص راستے میں محو سفر تھا، اس کو سخت پیاس لگ رہی تھی۔ اس نے (راستے میں) ایک کنواں دیکھا تو اس نے اس میں اتر کر پانی پیا۔ جب وہ باہر نکلا تو دیکھا ایک کتا پیاس کے مارے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے اپنے دل میں سوچا، اس کتے کو بھی پیاس سے ویسی ہی تکلیف پہنچ رہی ہوگی جیسی مجھ پر گزری ہے۔ چنانچہ وہ پھر سے کنویں میں اترا اور اپنے موزے میں پانی بھر کر منہ میں اس کو پکڑ کر اوپر چڑھا اور یوں اس نے کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے کام کی قدر کی اور اس کو بخش دیا۔" لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیا ہم کو جانوروں پر رحم کرنے میں بھی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: "ہر تازہ کلیجے والے (پر احسان کرنے) میں ثواب ملے گا۔"[1]

جانوروں کے ساتھ بدسلوکی باعث عذاب ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا، اس نے بلی کو باندھ لیا، یہاں تک کہ وہ مر گئی اور اس کی وجہ سے وہ عورت جہنم میں چلی گئی، کیونکہ جب اس نے بلی کو باندھا تو نہ اسے خود کھلایا اور نہ پلایا اور نہ اسے چھوڑا

---

[1]۔[بخاری، کتاب الأدب، باب رحمۃ الناس والبہائم:۶۰۰۹]

کہ وہ خود زمین کے کیڑوں مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔"[1]

وَاِیْتَاۗءَ ذِی الْقُرْبٰی: اسے حدیث میں صلہ رحمی کہا گیا ہے اور اس کی نہایت تاکید بیان کی گئی ہے، ارشاد فرمایا: (وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا)[بنی إسرائیل:٢٦] "اور رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور مت بے جا خرچ کر، بے جا خرچ کرنا۔"

وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ: "الْفَحْشَاء" سے مراد بے حیائی کے کام ہیں، آج کل بے حیائی اتنی عام ہوگئی ہے کہ اس کا نام تہذیب، ترقی اور آرٹ قرار پا گیا ہے، یا "تفریح" کے نام پر اس کا جواز تسلیم کر لیا گیا ہے، تاہم محض خوشنما لیبل لگا لینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ نے زنا اور اس کے اسباب مثلاً رقص وسرود، بے پردگی اور فیشن پرستی کو اور مرد وزن کے بے باکانہ اختلاط اور مخلوط معاشرت اور دیگر اس قسم کی خرافات کو بے حیائی ہی قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاۗءَ سَبِیْلًا)[بنی إسرائیل:٣٢] "اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بیشک وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "انسان کی تقدیر میں زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا گیا ہے، جس کو وہ لامحالہ کرے گا۔ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل تو خواہش اور تمنا کرتا ہے اور بعد ازاں شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔"[2]

١۔[مسلم، کتاب السلام، باب تحریم قتل الھرۃ:٢٢٤٢]

٢۔[مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا:٢١/٢٦٥٧]

وَالْبَغْیِ: "بغی" کا مطلب ظلم وزیادتی کا ارتکاب ہے، سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور تم پر بھی حرام کیا ہے، لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔"[1]

سیدنا ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا دنیا میں بھی جلدی دے دے اور اس کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اس کی سزا جمع رکھے، جیسے کہ ظلم وزیادتی اور قطع رحمی ہے۔"[2]

﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ ﴾

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم عہد کر چکے ہو اور اپنی قسمیں نہ توڑو، انھیں پختہ

۱۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۷]

۲۔ [أبوداؤد، کتاب الأدب، باب فی النھی عن البغی: ۴۹۰۲۔ ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب فی عظم الوعید علی البغی: ۲۵۱۱]

کرنے کے بعد حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔(۹۱) اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے سوت کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، تم اپنی قسموں کو اپنے دھوکہ دہی کا ذریعہ بناتے ہو، اس لیے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھ جائے، اللہ تمہیں اس کے ساتھ آزماتا ہے اور اللہ ضرور کھول دے گا تمہارے لیے قیامت کے دن وہ چیزیں جس میں تم اختلاف کررہے تھے۔(۹۲)

ان آیتوں میں عہد پورا کرنے کی تاکید اور بدعہدی کی ممانعت بیان کی گئی ہے کہ تم اللہ کا نام لے کر اور قسمیں کھا کر جو معاہدے کرتے ہو ان کو اللہ کے نام کی حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے پورا کرو بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں۔ جب کوئی مسلمان اللہ کے نام اور قسم سے معاہدے کو پختہ کرتا ہے تو گویا وہ اس معاملے میں اللہ کو گواہ یا ضامن بناتا ہے۔ اس لیے مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عہد کو ہر حال میں پورا کرے۔ خواہ اس کو اس میں کتنی ہی مشکلات اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے۔ اگر کسی مسلمان نے خیانت اور بدعہدی کی تو اللہ تعالیٰ اپنے علم محیط کی بنا پر اس کو اس کی پوری سزا دے گا کیونکہ اس کی کھلی یا پوشیدہ دغابازی اور بدعہدی اس سے مخفی نہیں۔

عہد پختہ کرنے کے بعد توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے، پھر شام کے وقت اپنا کتا کتایا سوت توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسے ہی کیا کرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدوں کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کات لیا اور جب چاہا بے تکلفی

سے توڑ ڈالا، سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے۔

پھر فرمایا کہ تم اہل جاہلیت کی طرح اپنی قسموں اور معاہدوں کو دغا، فریب، مکاری اور حیلہ سازی کا آلہ مت بناؤ۔ اہل جاہلیت اپنے سے طاقتور جماعت کو دیکھ کر اس سے معاہدہ کرلیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اگر پہلی جماعت سے زیادہ معزز اور طاقتور کوئی دوسری جماعت سامنے آتی تو فوراً پہلی جماعت سے معاہدہ توڑ کر دوسری جماعت سے معاہدہ کر لیتے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش اور امتحان کے لیے بعض قوموں کو قوی اور بعض کو ضعیف بنایا ہے۔ وہ بعض کو بلند کرتا ہے اور بعض کو نیچے گراتا ہے۔ اسی طرح عہد پورا کرنے میں کوئی ثابت قدم رہتا ہے اور کون عہد شکنی کرتا ہے۔ جن امور میں تم دنیا میں اختلاف کرتے ہو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کا فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ جن لوگوں نے عہد کو پورا کیا ہوگا ان کو ثواب اور جن لوگوں نے عہد شکنی کی ہوگی ان کو عذاب دے کر حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔

ابو بردہؓ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "واللہ! میں جس چیز پر قسم کھالوں اور پھر اس کے علاوہ دوسری چیز میں بہتری دیکھوں تو انشاء اللہ ضرور اس نیک کام کو کروں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کوئی شخص کسی کام کی بابت قسم کھالے، پھر وہ دیکھے کہ زیادہ خیر دوسری چیز میں ہے (یعنی قسم کے خلاف کرنے میں) تو وہ

۱۔ [بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب قول اللہ تعالیٰ: (لایؤاخذکم اللہ باللغو فی أیمانکم): ۶۶۲۳۔ مسلم، کتاب الأیمان، باب ندب من حلف یمینًا: ۱۶۴۹]

بہتری والے کام کو اختیار کرے اور قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے۔"[1]

سیدنا جبیر بن مطعم (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اسلام میں وہ معاہدہ نہیں ہے جو جاہلیت کے زمانے میں ہوا کرتا تھا (کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کو لوٹنے اور غارت کرنے کے لیے تیسرے قبیلے سے دوستی اور عہد کرتا) اور جو قسم جاہلیت کے زمانے میں نیک بات کے لیے کھائی ہو تو اسلام اسے اور مضبوط کرے گا۔"[2]

سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کے گھر میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انصار و مہاجرین میں باہم عہد و پیمان کروایا۔[3]

نافع ؒ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ یزید بن معاویہ کی بیعت توڑنے لگے تو سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ نے اپنے تمام گھر والوں کو جمع کیا اور اللہ کی تعریف کی اور اس کے بعد فرمایا، ہم نے یزید کی بیعت اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیعت پر کی ہے اور میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: "ہر غدار کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا گاڑا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ یہ غدر فلاں بن فلاں کا ہے۔" اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے بعد سب سے بڑا غدر یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کسی کے ہاتھ پر کر کے توڑ دی جائے۔ یاد رکھو! تم میں سے کوئی یزید کی بیعت نہ توڑے اور اس بارے میں حد سے نہ بڑھے، کیونکہ میرے درمیان اور اس (یزید)

۱۔[مسلم، کتاب الأیمان، باب ندب من حلف یمینًا:۱۶۵۰]

۲۔[مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب مواخاۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بین أصحابہ:۲۵۳۰۔ مسند أحمد:۴/۸۳، ح:۱۶۷۶۶]

۳۔[بخاری، کتاب الأدب، باب الإخاء والحلف:۶۰۸۳۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب مواخاۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بین أصحابہ: ۲۵۲۹]

کے درمیان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (کی بیعت) ہے۔ [1]

سلیم بن عامرؒ جو قبیلہ حمیر کے ایک آدمی ہیں، بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ اور شاہ روم میں ایک مدت تک کے لیے صلح نامہ ہو گیا تھا۔ (اس مدت کے خاتمے کے قریب) آپ مجاہدین کے ہمراہ سرحد روم کی طرف روانہ ہو گئے کہ (سرحد پر پڑاؤ ڈالیں گے اور) مدت ختم ہوتے ہی دھاوا بول دیں گے (تاکہ رومیوں کو تیاری کا موقع نہ ملے)۔ جب عمرو بن عبسہ کو یہ خبر ہوئی تو وہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے، اللہ اکبر، اللہ اکبر! (اے معاویہ!) عہد پورا کرو، غدر اور بدعہدی سے بچو۔ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس کا کسی دوسری قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اس وقت تک کوئی نیا معاہدہ نہ کرے اور نہ اسے ختم کرے جب تک کہ پہلے معاہدے کی مدت باقی ہو، یا برابری کی سطح پر اسے توڑنے کا اعلان کر دے۔" تو یہ سنتے ہی سیدنا معاویہؓ واپس آ گئے۔ [2]

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾

اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تمہیں ضرور پوچھے گا جو تم کرتے تھے۔

---

[1] [مسند أحمد: ۲/ ۴۸، ح: ۵۰۸۷۔ بخاری، کتاب العتق، باب إذا قال عند قوم۔۔ الخ: ۷۱۱۱]

[2] [أبوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی ال إمام یکون بینه وبین العدو عهد: ۲۷۵۹۔ ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغدر: ۱۵۸۰]

کفر و اسلام کے اختلاف کا فلسفہ

ان آیات میں حق و باطل یعنی کفر و اسلام کے اختلاف کا فلسفہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت تھی یہ اختلاف نہ رہنے دیتا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو دنیا بھر کا ایک ہی مذہب و مسلک ہوتا مگر حکمت الٰہی اس کو مقتضی نہ تھی اور حق و باطل کا ساتھ ساتھ رہنا اور خیر و شر کا دوش بدوش چلنا قانون الٰہی کے مطابق ہے۔ اگر دنیا میں سب حق پر ہو جائیں اور شر کا وجود عالم سے مٹ جائے تو نظم دنیا درہم برہم ہو جائے۔ اچھائی برائی کا امتیاز نہ رہے۔ آدمی معذور ہو جائے دنیا دار امتحان نہ رہے۔ انسانی ارادہ مختار نہ رہے۔ مجبور ہو جائے پھر قیامت میں کسی سے باز پرس نہ ہو سکے۔ اسی لیے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک گروہ کر دیتا سب کا عقیدہ اور مذہب ایک ہو جاتا۔ مگر حق و باطل کا یہ اختلاف بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ گمراہی اور ہدایت تو اسی کے دست قدرت میں ہے جس کو چاہتا ہے وہ ہدایت کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ انسان کو عقل و خیر و شر پہچاننے کے لیے عطا کر دی اور اس کو ارادہ کی آزادی بھی بخش دی۔ پس دنیا میں ہدایت و گمراہی کو اختیار کرنا آدمی کا کام ہے۔ اسی لیے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی۔

ایمان و اسلام پر استقامت کا حکم

چونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بعض قبائل نے بیعت کر کے زبان سے تو اسلام کا اقرار کر لیا تھا مگر ایمان ان کے دلوں میں جاگزین نہ ہوا تھا۔ ان کی تہدید کے لیے مکرر تہدید آمیز حکم دیا کہ دیکھو اگر قدم جمانے کے بعد تم لغزش کھاؤ گے اور عہد و پیمان توڑو گے اور اسلام سے انحراف کرو گے تو تم پر

آخرت میں جو سخت عذاب ہوگا وہ تو ہوگا ہی دنیا میں بھی اپنے کئے کا سخت مزہ چکھو گے۔تمہارے دیکھا دیکھی دوسرے بھی بیعت شکست کریں گے اور تم سے بدعہدی سیکھ کر اوروں کو بھی عہد شکنی کی جرات ہوگی ۔اس لیے گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا وبال تم پر ہوگا۔ پھر قریش مکہ کمزور ایمان رکھنے والے مسلمانوں کو لالچ دیتے اور کہتے کہ اگر پھر ہمارا دین قبول کرلو گے تو ہم تم کو امیر بنادیں گے۔ایک تو مسلمانوں کا ضعف دوسرے کفار مکہ کی ایذا رسانی اور پھر اس پر لالچ دنیوی مال دولت کا اس لیے کمزور ایمان والوں کو صبر سے کام لے کر ایمان پر پختہ اور ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی اور عہد الٰہی کو دنیوی مال دولت کے عوض فروخت کرنے اور معاہدہ بیعت کی خلاف ورزی کرنے کی ممانعت فرمادی اور جذبہ طمع کی بیخ کنی اس طرح فرمائی کہ دنیوی عیش اگرچہ بیش از بیش ہو مگر فنا ہونے والا اور ایک دن ختم ہونے والا ہے۔انسان دنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہے۔دنیا بے ثبات ہے۔البتہ آخرت کا ثواب دائمی ہے۔اس کو فنا نہیں۔رہا شدائد ومصائب کا ہجوم تو آخرت کا ثواب حال کرنے کے لیے اس کو برداشت کرنا جان ومال کا نقصان اٹھانا اور ہر سختی پر صبر کرنا یہ نیکوکاروں کا شیوہ ہے۔اس لیے صبر سے کام لے کر ایمان پر پختہ رہنا چاہیے اور جو لوگ خدا کے عہد پر ثابت قدم رہیں گے اور تمام مشکلات اور صعوبتوں کو صبر کے ساتھ برداشت کریں گے ان کا اجر ضائع ہونے والا نہیں ایسے بہترین عمل کا بدلہ ضرور اللہ تعالیٰ سے مل کر رہے گا۔

پس مقصود یہ نکلا کہ وفائے عہد کر کے آخرت کی دولت کثیرہ غیر فانیہ کو حاصل کرو اور قلیل وفانی کے لیے نقض عہد مت کرو۔ان آیات میں جہاں ابتدائی دور کے مسلمانوں کو تلقین تھی وہی قیامت تک کے لیے مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ اسلام کے راستہ میں کیسی ہی تکلیفیں اٹھانی پڑیں مگر ان کی پرواہ نہ کرنی

چاہیے۔انتہائی جرات سے سب کو برداشت کرنا چاہیے۔اور ایمان اور اسلام پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنا چاہیے۔

﴿ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ ﴾

اور تم اپنی قسموں کو آپس میں خیانت کا ذریعہ نہ بناؤ کہ لوگوں کے قدم جم چکنے کے بعد لڑکھڑا جائیں اور اس وجہ سے کہ تم نے لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکا تم کو برائی کا مزہ چکھنا پڑے گا اور بہت بڑا عذاب ملے گا۔(۹۴) اور اللہ کے عہد کو تھوڑی سی قیمت میں نہ بیچ ڈالو۔ بلاشبہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔(۹۵)

مسلمانوں کو ایک اور بداخلاقی سے بچنے کی ہدایت

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ایک اور بداخلاقی سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے جس میں قریش مکہ تو ہمیشہ سے مبتلا تھے، یہ دراصل انھیں کی کہانی بیان کی جارہی ہے اور اس کے پردے میں مسلمانوں کو ان

کوتاہیوں سے بچنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ وہ بداخلاقی یہ ہے کہ بعض دفعہ مشرکین کسی شخص سے معاہدہ کرتے ہوئے یقین دلانے کے لیے قسم کھاتے۔ سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ اب تو اس معاہدے کے سچا اور مؤکد ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن قسم کھانے والا درحقیقت فریب دینے کی نیت سے قسم کھاتا۔ اس کے دل میں قسم کھاتے ہوئے وعدے کو پورا کرنے کا نہیں بلکہ پورا نہ کرنے کا عزم ہوتا تھا۔ وہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ بظاہر مخاطب کو یقین دلاتا لیکن دل ہی دل میں وہ خوش ہوتا کہ میں نے جال پھینکا ہے بس تمہارے پھنسنے کی دیر ہے پھر دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ آیت کریمہ میں توجہ دلائی جارہی ہے کہ تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ تمہارے اس رویے کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے۔ دو نتیجوں میں سے ایک سے مفر نہیں۔ یا تو سننے والا وقتی طور پر ضرور کہنے والے کی بات سے متأثر ہوگا اور اس کے بارے میں ممکن ہے اچھی رائے بھی قائم کرے، لیکن جب اسے ایک عرصے کے بعد معلوم ہوگا کہ وہ قسم تو دھوکہ دہی کی ایک چال تھی تو وہ ضرور غور کرنے پر مجبور ہوگا کہ یہ مسلمان جو بلند اخلاقی اقدار کے دعویدار ہیں ان میں سے ایک آدمی اگر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دھوکہ دیتے ہوئے شرم نہیں کھاتا تو آپ ان لوگوں اور ان کے مذہب کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔ یقیناً جس کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے وہ اسلام اور مسلمان دونوں سے بیگانہ اور بدگمان ہوجائے گا۔ اور اس سے بڑا نقصان اور کیا ہوسکتا ہے۔

دوسرا نتیجہ جس کا احتمال ہوسکتا ہے اور اس کی اس ترجمے میں گنجائش بھی موجود ہے، وہ یہ ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کا اپنا قدم ثبات قدم کے بعد بھی پھسل جانے کا اندیشہ ہے۔ یعنی اس کا خطرہ موجود ہے کہ وہ اسلام کے دائرے سے نکل جائے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو غور فرمایئے کہ اس نے قسم سے دھوکہ دے کر اپنے لیے اور اسلام کے لیے کیا کمایا۔ یقیناً ایسے آدمی کے حصے میں بدترین عذاب آئے گا اور وہ اللہ

تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہوگا۔

یہاں تھوڑے سے مال اور تھوڑے سی قیمت سے مراد دنیا اور اس کے منافع ہیں وہ مقدار میں کتنے ہی بڑے ہوں آخرت کے منافع کے مقابلہ میں ساری دنیا اور اس کی ساری دولتیں بھی قلیل ہی ہیں جس نے آخرت کے بدلے میں دنیا لے لی اس نے انتہائی خسارہ کا سودا کیا کہ ہمیشہ رہنے والی اعلیٰ ترین نعمت و دولت کو بہت جلد فنا ہونے والی گھٹیا قسم کی چیز کے عوض بیچ ڈالنا کوئی سمجھ بوجھ والا انسان گوارا نہیں کرسکتا ، یادرکھو کہ جس کام کا پورا کرنا کسی شخص کے ذمہ واجب ہو وہ اللہ کا عہد ہے جو اس کے ذمہ لازم ہے اس کے پورا کرنے پر کسی سے معاوضہ لینا اور بغیر لیے نہ کرنا اللہ کا عہد توڑنا ہے اور اس آیت میں جوں جوں غور کرتے جاؤ گے بات واضح ہوتی جائے گی اور پھر اس کو اپنی ذات پر رکھ کر دیکھتے چلے جاؤ گے تو دل پکار پکار کر کہے گا کہ یہاں تو اللہ کا عہد توڑا اور للہ کا عہد بیچا جارہا ہے اور پھر دل کی گواہی پر انحصار رکھ کر اپنی اصلاح کرو گے تو تمہاری زندگی میں زمین و آسمان کا فرق نمایاں ہوگا بشرطیکہ تم نے قرآن ہی سے کوئی حیلہ تلاش نہ کرلیا کیونکہ قرآن کریم خود تو نہیں بولے گا کہ بھائی میرے ساتھ کیا کررہے ہو میں کوئی حیلوں اور بہانوں کی کتاب تو نہیں ۔فرمایا مال کی طلب ہے تو اللہ سے مال طلب کرو اور اللہ طلب کرنے کا مطلب جائز طریقوں سے مال کمانا اور خرچ کرنا ہے مراد ہے لیکن رشوت خور خواہ وہ دنیوی رشوت خور ہوں' دینی رشوت خور ہوں ان کو بتایا جارہا ہے کہ جن فوائد و منافع کے پیش نظر تم عہد شکنی کررہے ہو اور آیات الٰہی کو بیچ رہے ہو تمہاری نظر میں بڑے ہی اہم کیوں نہ ہوں اللہ کے نزدیک وہ فوائد و منافع تمہارے قول وقرار کی بہت ہی گھٹیا قیمت ہیں اور اتنی سستی قیمت پر مومن کو اپنا قول وقرار بیچتے ہوئے شرم آنی چاہیے اس آیت میں ان حکام اور عدالت کی کرسی پر بیٹھنے والوں کو بھی تنبیہ کہ تم نے یہ منصب

سنبھالتے ہوئے عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کا عہد کیا تھا اور اس طرح مذہبی راہنماؤں کو بتایا گیا اور یاد دلایا گیا کہ تم نے اس مسند پر بیٹھتے وقت ایک عہد اللہ سے کیا تھا اور وہ اللہ کا عہد ہی اللہ کی قسم تھی تم اس کو سراسر پس پشت ڈال کر من مانیاں کر رہے ہو اور اپنے علم کے زور پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر رہے ہو کیا تمہیں یہ سودا منظور ہے؟ پھر کیا ہی گھٹیا سودا ہے جو تم نے اپنی جانوں سے کیا ہے۔

﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

تمہارے پاس جو کچھ ہے سب ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم ضرور ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے۔

اخروی نعمتوں کا دنیاوی نعمتوں سے افضل ہونا

آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے دو وجوہات کی بنا پر افضل ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اعلی درجہ کی دنیا کی نعمتیں ہوں تو جس وقت وہ نعمتیں اس کے پاس ہوں گی اس وقت بھی وہ بہت فکر اور پریشانی میں ہوگا کہ کہیں وہ نعمتیں اس کے پاس سے چھن نہ جائیں، چوری نہ ہو جائیں، گم نہ ہو جائیں یا ضائع نہ ہو جائیں، اور جب وہ نعمتیں اس کے پاس سے چھن جائیں گی تو اس کا دن رات غم وغصہ حسرت اور افسوس میں گزرے گا، کاش وہ ان کی حفاظت کرتا، کاش وہ اس کے پاس سے نہ جاتیں۔ پس واضح

ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں ہی بہتر ہیں جن کو فنا نہیں ہے جو دائمی اور غیر منقطع ہیں اور اگر دنیا کی وہ نعمتیں اعلیٰ درجہ کی نہیں ہیں بہت معمولی قسم کی ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ جنت کی نعمتیں ان سے بہت اعلیٰ اور بہت افضل ہیں۔

فرمایا کہ تمہارے پاس دنیا کی جو بھی نعمت ہے وہ ختم ہو جائے گی اور اللہ کی جنت ہمیشہ باقی رہے گی۔ اس کے بعد مکی دور کے مسلمانوں ہی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو لوگ آج مشرکین کی اذیتوں پر صبر کریں گے اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لیے تکلیفیں جھیلیں گے، اللہ تعالیٰ انھیں ان کے صبر و استقامت کا کئی گنا اچھا بدلہ دے گا۔ سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس نے فلاح پائی جو مسلمان ہو گیا اور حسب ضرورت روزی دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس روزی پر قناعت نصیب فرمائی جو اسے دی۔"[1]

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ ﴾

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، ہم اسے ضرور اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور ان کا حق انھیں بدلے میں دیں گے انکے اچھے

---

[1] [مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فی الکفاف والقناعۃ: ۱۰۵٤۔ ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیہ: ۲۳٤۸]

کاموں کے عوض میں جو کرتے تھے۔

اس آیت کریمہ میں ہر مسلمان (مرد وعورت) کو خوش خبری دی گئی ہے کہ ایمان لانے کے بعد جو کوئی بھی قرآن وسنت کے مطابق عمل کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے اس دنیا میں راحت وسعادت اور وسیع رزق حلال عطا کرے گا اور قیامت کے دن اسے اس کے اعمال صالحہ کا کئی گنا بہتر بدلہ دے گا،

جیسا کہ سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں پر نیکی (کا اجر دینے) کے معاملہ میں ظلم نہیں کرتا، وہ انھیں ان کی نیکی کا بدلہ دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی انھیں ان کا بدلہ دیتا ہے، لیکن کافر کو اللہ تعالیٰ اس کے ان اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتا ہے جو اس نے اللہ کے لیے کیے ہوں، حتیٰ کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی ایسی نیکی باقی نہیں ہوتی کہ اس کا اسے بدلہ دیا جائے۔"[1]

﴿ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾ ﴾

سو جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ (۹۸)

۱۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب جزاء المؤمن بحسناتہ فی الدنیا والآخرۃ۔۔الخ: ۲۸۰۸۔ مسند أحمد: ۳/۱۲۳، ح: ۱۲۲۴۵]

بیشک اس کا زور ان پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔(۹۹) اس کا زور صرف ان پر چلتا ہے جو اسے اپنا دوست بناتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔(۱۰۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبانی اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کریں۔آگے فرمایا کہ جو لوگ اہل ایمان ہوتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسا کرتے اور راہ حق میں اذیتوں پر صبر کرتے ہیں، ان پر شیطان کے وسوسوں کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ لوگ اس کی تمناؤں کو خاک میں ملا دیتے ہیں اور اس کی سازشوں کو ناکام بنا دیتے ہیں۔اس کے وسوسوں کا اثر ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اس کی پیروی کرتے ہیں اور اسے اللہ کا شریک بنا کر اس کی عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو یہ چیز سخت ناپسند ہے۔اس نے شیطان کی عبادت و اطاعت سے سختی سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۶۰﴾ وَّ اَنِ اعۡبُدُوۡنِىۡ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ)[یٰسٓ:۶۰،۶۱] "کیا میں نے تمہیں تاکید نہ کی تھی اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔" اور فرمایا: (اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدۡعُوۡا حِزۡبَهٗ لِيَكُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ)[فاطر:۶] "بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اسے دشمن ہی سمجھو۔وہ تو اپنے گروہ والوں کو صرف اس لیے بلاتا ہے کہ وہ بھڑکتی آگ والوں سے ہو جائیں۔" اور فرمایا: (وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّتَّخِذِ

الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا) [النساء: ۱۱۹، ۱۲۰] "اور جو کوئی شیطان کو اللہ کے سوا دوست بنائے تو یقیناً اس نے خسارہ اٹھایا، واضح خسارہ۔ وہ انھیں وعدے دیتا ہے اور انھیں آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انھیں دھوکے کے سوا کچھ وعدہ نہیں دیتا۔" قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا ضروری ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تلاوت سے پہلے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ سیدنا ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب رات کو (نماز کے لیے کھڑے) ہوتے تو (اَللّٰهُ اَكْبَرُ) کہتے، پھر یہ دعا پڑھتے: (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ) پھر کہتے: (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) تین بار، پھر کہتے: (اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا) تین بار، پھر کہتے: (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ) "میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں جو سننے والا جاننے والا ہے، شیطان مردود سے، اس کے خبط سے، اس کے تکبر سے اور اس کی شعر و شاعری سے۔"[1]

﴿ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ ﴾

اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت سے تبدیل کر دیتے ہیں اور اللہ ہی خوب جانتا

---

[1] [أبوداؤد، كتاب الصلوة، باب من رأى الاستفتاح بسبحانك اللهم وبحمدك: ۷۷۵]

ہے جو وہ نازل فرماتا ہے تو کافر کہتے ہیں تو تو گھڑ کر لانے والا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔

نسخ کی وجہ سے کفار کے اعتراض کا جواب

حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی ایک آیت نازل ہوتی جس میں بہت سختی اور شدت ہوتی اور ایک ایسی آیت نازل ہوتی جس میں بہت نرمی ہوتی تو کفار قریش کہتے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو اپنے اصحاب کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ آج ایک چیز کا حکم دیں گے تو کل اس چیز سے منع کر دیں گے اور یہ تمام باتیں اپنے دل سے گھڑتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

تبدیل کا معنی ہے: ایک چیز کو اٹھا کر دوسری چیز کو اس کی جگہ رکھ دینا اور آیت کو تبدیل کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایک آیت کو اٹھا کر دوسری آیت کو اس کی جگہ رکھ دینا اور اسی کو نسخ کہتے ہیں، یعنی ایک آیت کا حکم منسوخ کر کے دوسرا حکم نازل کر دینا اور جو آیت ناسخ ہوتی ہے وہ دراصل یہ بیان کرتی ہے کہ حکم سابق کی مدت ختم ہو گئی اور اب دوسرا حکم واجب العمل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ ہی خوب جانتا ہے جو وہ نازل فرماتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ جو سخت اور نرم احکام نازل فرماتا ہے اس کی حکمت اللہ ہی خوب جانتا ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کو جانتا ہے۔ اس قول میں کفار کی اس بات کا رد ہے جو انہوں نے کہا تھا آپ اپنے دل سے گھڑتے ہیں۔ یعنی اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کے موافق کس وقت کیا

حکم نازل فرمائے اور دوسرے وقت میں کیا حکم نازل فرمائے گا، تو وہ احکام کو تبدیل کرنے کی وجہ سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف افترا کی نسبت کیوں کرتے ہیں۔

دراصل یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ یہ تینوں گروہ قرآن کریم کے نزول کے وقت مخاطبین اول تھے اور تینوں ہی کو دعویٰ تھا کہ وہ اپنے پاس ایک ہدایت رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے، جب کوئی آیت قرآن کریم میں نازل ہوتی اور وہ اس کا مضمون و مفہوم اپنے دین و مذہب کے خلاف پاتے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہ الزام لگاتے کہ اس نے یہ بات اپنے پاس سے گھڑ لی ہے اور انہوں نے یہ الزام ایک بار نہیں بلکہ بار بار لگایا جس کا ذکر قرآن کریم نے بھی ہر بار کیا ہے۔ زیر نظر آیت میں پہلی آیت سے مراد انکی آیت ہے جس کو وہ اپنے ہاں ہدایت الٰہی تسلیم کرتے تھے اگرچہ وہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ تھی لیکن اس جگہ اس بحث میں مبتلا ہونے سے بچتے ہوئے کہ آیا وہ حکم الٰہی ہے یا نہیں اس کو بطور نشانی تسلیم کیا گیا کیوں؟ اس لیے کہ ان کے ہاں وہ حکم من حیث القوم تسلیم شدہ تھا لہٰذا اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس نے جو کچھ نازل کیا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم تو بس اپنے جی سے گھڑ لیا کرتے ہو۔" گویا وہ یہ الزام تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر رکھتے ہیں اور حقیقت حال یہ ہے کہ یہ بات محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہیں گھڑی بلکہ انہوں نے یا انکے بڑوں نے وہ بات گھڑی تھی جس کو بیان کرتے ہیں اور اس کے متعلق سمجھتے ہیں کہ یہ ہم پر اللہ نے اتارا ہے حالانکہ اللہ نے اس کو نہیں اتارا اللہ نے تو وہی اتارا جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کیا گیا اس لیے یہاں ارشاد فرمایا کہ "ان میں سے اکثروں کو معلوم نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے۔" وہ

ایسے ہی ٹامک ٹوئیاں لگاتے رہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی غلطی کو مان لیں اور تسلیم کرلیں دوسروں پر الزام دیتے ہیں اور یہ بات بھی ان کی کوئی نئی بات نہیں گزشتہ قومیں بھی اپنے انبیاء کرام کے ساتھ یہی کچھ کرتی رہی ہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ﴾

آپ فرمادیجئے کہ اسے روح القدس نے نازل کیا ہے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تاکہ وہ ثابت قدم رکھے اہل ایمان کو اور یہ ہدایت اور خوشخبری ہو فرماں برداروں کے لیے۔

جو بات پیچھے ہم نے بیان کی اس کی مزید تشریح اس آیت میں آ گئی اور اس سے ہمارے نظریہ کو تقویت حاصل ہوگئی کہ جو کچھ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا وہ وہ آیت ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی اور جس کو وہ لوگ آیت کہہ رہے ہیں اس کا نزول اللہ کی طرف سے نہیں ہوا اور اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ لوگوں کی مصنوعی آیات کو مٹا کر اپنی طرف سے حقیقی آیات کو نازل فرمائے اور یہی کام اللہ تعالیٰ نے کیا کہ لوگوں کی اختراعی آیات واحکام کو مٹا کر محمد رسولہ اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بذریعہ روح القدس اس آیات واحکام کو نازل کر دیا جو صحیح معنوں میں آیات واحکام کہلانے کے حق دار ہیں اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے ان کو ثابت قدم رکھا جائے اور یہ ہدایت اور خوشخبری مسلمانوں تک پہنچادی جائے کہ جو کچھ ان کی طرف

نازل ہوا وہی حق ہے اور جو پیچھے سے لوگ کرتے آرہے تھے وہ سراسر افتراء تھا اس لیے اس کو مٹا دیا گیا تم لوگ دوسرے لوگوں کے کہنے میں نہ آؤ بلکہ اس ہدایت کو مانتے رہو جو محمد رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کی گئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی تم لوگوں تک پہنچا رہے ہیں۔

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ ﴾

اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کو ایک شخص سکھا جاتا ہے مگر اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ اشارہ کرتے ہیں غیر عربی ہے اور یہ صاف عربی زبان میں ہے۔

لحاد اور عجم کا معنی

اس آیت میں دو لفظ ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے، ایک یلحدون ہے اس کا مادہ لحد ہے اور دوسرا اعجمی ہے اس کا مادہ عجم ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

لحد اس گڑھے کو کہتے ہیں جو درمیان سے ایک جانب کی طرف جھکا ہوا ہو، گڑھا کھود کر اس کی ایک جانب میں ایک اور گڑھا کھود لیا جائے تو اس کو بھی لحد اور بغلی قبر کہتے ہیں الحاد کہتے ہیں حق اور صداقت سے نکل کر دوسری جانب میلان کرنا۔ الحاد کی دو قسمیں ہیں اللہ کے شریک کی طرف میلان کرنا، اللہ کو چھوڑ کر

مادی اسباب کی طرف میلان کرنا، قرآن مجید میں ہے:

ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم۔ (الحج: ۲۵) اور جو اس (حرم) میں ظلم کے ساتھ زیادتی کا ارادہ کرے، ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

اگر کوئی شخص جائز سمجھ کر حرم شریف میں کسی پر ظلم کرے، خواہ کسی کو گالی دے یا مارے تو یہ کفر ہے اور اگر وہ اس کو جائز نہیں سمجھتا اور یونہی غضب میں اگر کسی کو گالی دی یا اس کو مارا تو یہ کفر نہیں ہے گناہ کبیرہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

الذین یلحدون فی اسماہ۔ (الاعراف: ۱۸۰) جو اس کے اسماء میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ذکر کی جائے جو صحیح اور جائز نہیں، مثلاً کہا جائے اللہ کا بیٹا ہے یا اس کی بیٹی ہے یہ کفر اور شرک ہے، یا اس کی ایسی صفت ذکر کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں جیسے بعض لوگ کہتے ہیں اللہ میاں۔ [1]

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

لغت میں الحاد کا معنی ہے میانہ روی سے دوسری جانب میلان کرنا، اسی وجہ سے جو شخص حد سے تجاوز کرے اس کو ملحد کہتے ہیں اور اس آیت میں یلحدون کا معنی ی ہے ہ کہ جس زبان کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں وہ عجمی ہے۔

نیز علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عجمہ اظہار کی ضد ہے اور اعجام ابہام کو کہتے ہیں۔ حیوانات کو عجماء کہتے ہیں کیونکہ وہ زبان سے اظہار نہیں

۱۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۷۷، موضحا مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

کر سکتے، دن کی نمازوں کو بھی عجماء کہتے ہیں کیونکہ ان کی بلند آواز سے تلاوت نہیں کی جاتی۔ [1]

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

عجم کا معنی کلام عرب میں ابہام اور اخفا ہے اور یہ بیان اور وضاحت کی ضد ہے جو شخص اپنے مافی الضمیر کو واضح نہ کر سکے اس کو عرب رجل اعجم کہتے ہیں پھر عرب ہر اس شخص کو اعجم اور اعجمی کہتے ہیں جو عربی لغت کو نہ جانتا ہو اور ان کی زبان میں بات نہ کر سکتا ہو۔

مشرکین نے جس عجمی شخص کی طرف یہ منسوب کیا تھا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے تعلیم حاصل کر کے قرآن مجید پڑھتے ہیں، اس کے متعلق امام ابن جوزی نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

مشرکین نے جس شخص کے متعلق تعلیم دینے کا افترا کیا تھا، اس کے بارے میں متعدد اقوال:

۱۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ شخص بنی مغیرہ کا غلام تھا، یہ تورات پڑھتا تھا، مشرکین کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے سیکھتے تھے۔ دوسری روایت ی ہے ہ کہ یہ شخص بنی عامر بن لوی کا غلام تھا اور یہ رومی تھا۔

۲۔ یہ مکہ میں رہنے والا ایک نوجان تھا۔ یہ نصرانی اور عجمی تھا اور اس کا نام بلعام تھا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کو تعلیم دیتے تھے اس وجہ سے یہ آپ کے پاس آتا رہتا تھا، مشرکین نے جب اس کو آپ کے پاس آتے جاتے دیکھا تو یہ افترا کر دیا۔ یہ بھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔

۳۔ سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک کاتب تھا جو

۱۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۲۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

آپ کے لکھوانے کے برعکس لکھ دیتا تھا۔ یہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔

۴۔قریش کی ایک عورت کا ایک عجمی غلام تھا، جس کا نام جابر تھا وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آ کر پڑھتا تھا، مشرکین نے اس کے متعلق افترا کیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے پڑھتے ہیں۔ یہ سعید بن جبیر کی روایت ہے۔

۵۔ابن زید نے کہا کہ بخنس نام کا ایک نصرانی تھا، انہوں نے اس کے متعلق یہ افترا کیا تھا۔

۶۔فرا اور زجاج نے کہا یہ شخص جو طب کا ایک عجمی غلام تھا جس کے متعلق مشرکین نے یہ افترا کیا تھا۔ [1]

مشرکین کے افترا کے متعدد جوابات:

امام فخر الدین رازیؒ نے مشرکین کے اس افترا کے باطل ہونے کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

ا۔مشرکین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معاند اور مخالف تھے اور انہوں نے یہ جو افترا کیا تھا یہ بلا دلیل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس افترا کا یہ رد فرمایا ہے کہ جس شخص کی طرف مشرکین آپ کو تعلیم دینے کی نسبت کرتے ہیں، وہ تو عجمی ہے اور یہ قرآن انتہائی فصیح اور بلیغ عربی زبان میں ہے جس کی فصاحت اور بلاغت کی نظیر لانے سے تمام جن اور انس عاجز ہیں تو ایک عجمی شخص اس کی نظیر کیسے لا سکتا ہے۔

۲۔تعلیم کا عمل ایک نشست میں تو مکمل نہیں ہو سکتا اس کے لیے تو بار بار آنے جانے اور نشست و برخواست کی ضرورت ہے یا تو آپ اس شخص کے گھر بار بار آتے جاتے یا وہ شخص بار بار آپ کے گھر آتا

ا۔(زاد المسیر ج ٤ ص ٤٩٢، ٤٩٣، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٧ھ)

جاتا اور اگر ایسا ہوتا تو یہ معاملہ لوگوں کے درمیان بہت مشہور ہو جاتا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فلاں شخص سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور جب یہ معاملہ مشہور نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ افترا باطل ہے۔

۳۔ قرآن مجید میں غیب کی خبریں ہیں، گزشتہ اقوام اور انبیاء سابقین کے واقعات ہیں اور انسان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے انتہائی جامع اور کامل اصول بیان کیے ہیں۔ عبرت انگیز اور سبق آموز مثالیں بیان فرمائی ہیں اگر کوئی شخص ان تمام علوم کو جاننے والا ہوتا تو اس کی تمام دنیا میں شہرت ہو جاتی اور جبکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ افترا باطل ہے۔

۴۔ جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بار بار یہ چیلنج فرما رہے تھے کہ اس کلام کی نظیر کوئی نہیں لا سکتا اور یہ اللہ کا کلام ہے تو وہ شخص سامنے کیوں نہیں آیا، وہ سامنے آ کر بتاتا یہ تو میرا کلام ہے اور میرا اعزاز ہے اور تمام عرب س کو سروں پر اٹھا لیتے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا یَہۡدِیۡہِمُ اللّٰہُ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ ﴾

یقیناً جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۱۰۴) بیشک جھوٹ تو وہ لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی

آیتوں پر ایمان نہیں لاتے، اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔(۱۰۵)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف افترا پردازی کی نسبت کی تردید کرنے کے بعد کہا جارہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تصدیق نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ حق کی طرف ان کی راہنمائی نہیں کرتا، آخرت میں انھیں دردناک عذاب ملے گا اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صداقت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ جھوٹ وہ لوگ بولتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس سے بڑھ کر جھوٹ کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو مومنوں کے سردار ہیں اور سب سے سچے، سب سے نیک اور ایمان وعمل کے اعتبار سے سب سے اچھے انسان ہیں، وہ کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں؟ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے مروی طویل روایت میں ہے کہ شاہ ہرقل نے جب ابوسفیانؓ سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت بہت سے سوالات کیے تو ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ دعوائے نبوت سے پہلے تم نے اس شخص کو کبھی جھوٹ بولتے پایا ہے؟ ابو سفیان نے جواب دیا، کبھی نہیں۔ اسی پر شاہ روم نے کہا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک وہ شخص جس نے دنیاوی معاملات میں لوگوں کے بارے میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، لیکن وہ اللہ پر جھوٹ باندھنے لگے ؟۔۔۔۔[1]

یعنی خدا پر جھوٹ گھڑنے والے وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اللہ کی نازل کردہ وحی پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔ وحی الٰہی پر ایمان اور خدا کی طرف من گھڑت باتیں منسوب کرنا دو بالکل متضاد باتیں ہیں اس لیے پیغمبر

۱۔[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم):۷۔ مسلم، کتاب الجھاد، باب کتب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) إلی ھرقل:۱۷۷۳]

پر تو جھوٹ کا الزام کسی طرح عائد نہیں ہوتا البتہ یہ الزام مشرکین پر اور پیغمبر کی مخالفت کرنے والوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ خدا کے نام سے جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے عقیدہ اور اپنے مذہب کو یا تو خود گھڑا ہے یا گھڑنے والوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ بہر صورت وہ جھوٹے ہیں۔

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ﴾

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ سے منکر ہوا وہ اگر (کفر پر) مجبور کیا گیا ہو (اور بے بس ہو کر جان کے خوف سے کفر کی بات کہہ دے) مگر اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو اس سے مواخذہ نہیں) لیکن جس نے کفر کے لیے سینہ کھول دیا تو

ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔(۱۰۶) یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور بیشک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔(۱۰۷) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور وہی لوگ غفلت والے ہیں۔(۱۰۸) اس میں شک نہیں کہ وہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔(۱۰۹)

ان آیات میں ان لوگوں کے لیے وعید بیان کی جا رہی ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد کسی عارضی تکلیف و مصیبت کی وجہ سے دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اس حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جو ظلم و ستم سے تنگ آ کر جان بچانے کے لیے کفر کا کوئی کلمہ اپنی زبان پر لے آتے ہیں، لیکن دل سے کفر کو قبول نہیں کرتے۔ جو لوگ دل سے دوبارہ کفر کو قبول کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان پر اللہ کا غضب ہوگا اور قیامت کے دن بڑے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی۔ کفر کی راہ اختیار کر لینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت بھی نہیں دے گا اور ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دے گا۔ انھیں غفلت میں مبتلا کر دے گا اور ان پر خیر و صلاح کے سارے دروازے بند کر دے گا۔ یہ یاد رہے کہ دنیا میں مومن کی حیثیت تاجر کی سی ہے جو اپنی نیکیوں کے ذریعے سے آخرت کی سعادت خریدتا ہے، لیکن جب کسی انسان میں محرومی کے مذکورہ بالا اسباب جمع ہو جائیں تو اسے خسارے کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آخری آیت میں فرمایا کہ آخرت میں درحقیقت یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔ مَنۡ

كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ: سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور وہ گناہ معاف کر دیے ہیں جن پر انھیں زبردستی مجبور کیا گیا ہو۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اسلام کا اظہار کرنے والے سات حضرات ہیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ابوبکر، عمار، ان کی والدہ سمیہ، صہیب، بلال اور مقدادؓ۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعے سے (مشرکین کی اذیتوں سے) محفوظ رکھا، ابوبکرؓ کو بھی اللہ نے ان کی قوم کے ذریعے سے محفوظ رکھا، باقی جو حضرات تھے انھیں مشرکوں نے پکڑ لیا اور انھیں لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے (جان بچانے کے لیے زبان سے) مشرکین کے مطلب کی بات نہ کہہ دی ہو، سوائے بلالؓ کے۔ انھوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان کی پروا نہ کی اور ان کی قوم کی نظر میں بھی ان کی کوئی قدر نہ تھی (اس لیے کوئی ان کی حمایت میں نہیں بولتا تھا) کافروں نے انھیں پکڑ کر بچوں کے حوالے کر دیا، وہ انھیں مکہ کی گھاٹیوں میں لیے (گھسیٹے) پھرتے تھے اور سیدنا بلالؓ کہتے تھے، احد، احد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے)۔[2]

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ: عکرمہؒ بیان کرتے ہیں کہ جو چند لوگ مرتد ہو گئے تھے انھیں سیدنا علیؓ نے آگ میں جلوا دیا۔ جب سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو یہ

۱۔ [ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی: ۲۰۴۵۔ مستدرک حاکم: ۲/۱۹۸، ح: ۲۸۰۱]

۲۔ [ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فضل سلمان وأبي ذر والمقداد: ۱۵۰۔ مسند أحمد: ۱/۴۰۴، ح: ۳۸۳۱۔ مستدرک حاکم: ۳/۲۸۴، ح: ۵۲۳۸]

واقعہ معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا، میں تو انھیں آگ میں نہ جلاتا، اس لیے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے: "تم اللہ کے عذاب سے کسی کو عذاب نہ دو۔" بلکہ میں انھیں قتل کرا دیتا، اس لیے کہ فرمان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے: "جو اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔" جب یہ خبر سیدنا علیؓ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا، کیا خوب ہیں ام عبداللہ بن عباسؓ۔ [1]

سیدنا معاذ بن جبلؓ یمن میں سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک شخص تھا، جس کی مشکیں کسی ہوئی تھیں، سیدنا معاذؓ نے پوچھا، یہ کون شخص ہے؟ جواب ملا، یہ یہودی عالم تھا، مسلمان ہو گیا، مگر اب پھر یہودی ہو گیا ہے اور اب ہم تقریباً دو ماہ سے اسے اسلام پر لانے کی کوشش میں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا، واللہ! میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا، جب تک کہ تم اس کی گردن نہ اڑا دو، یہی فیصلہ ہے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو اپنے دین سے لوٹ جائے اسے قتل کر دو۔" یا فرمایا: "جو اپنے دین کو بدل دے، اسے قتل کر دو۔" [2]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کسی مسلمان کا خون جو کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا ماننے والا ہو، حلال نہیں ہے مگر تین میں سے ایک سبب سے: (قصاص میں) جان کے بدلے جان، شادی شدہ زانی اور اپنے دین کو چھوڑنے والا، جماعت کو ترک

---

[1] [مسند أحمد: ۱/ ۲۱۷، ح: ۱۸۷۶۔ بخاری، کتاب الجهاد، باب لا یعذب بعذاب الله: ۳۰۱۷۔ أبوداؤد، أول کتاب الحدود، باب الحکم فیمن ارتد: ۴۳۵۱]

[2] [مسند أحمد: ۵/ ۲۳۱، ح: ۲۲۰۷۶۔ بخاری، کتاب استتابة المرتدین، باب حکم المرتد والمرتدة: ۶۹۲۳۔ مسلم، کتاب الإمارة، باب النهی عن طلب الإمارة أعرض علیها: ۱۷۳۳، قبل الحدیث: ۱۸۲۵]

کر دینے والا۔"[1]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

: دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کی تباہی و بربادی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: (الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ)[إبراهيم:۲،۳] "اور کافروں کے لیے سخت عذاب کے باعث بڑی ہلاکت ہے۔ وہ جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں پسند کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں، یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں ہیں۔" اور فرمایا: (فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۳۷ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۳۸ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى)[النازعات: ۳۷ تا ۳۹] "پس لیکن جو حد سے بڑھ گیا۔ اور اس نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ تو بیشک جہنم ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔"

﴿ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۰ ﴾

پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے آزمائشوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کی اور ثابت قدم رہے تو بلاشبہ آپ کا رب ان چیزوں کے بعد بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

۱۔[بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: (أن النفس بالنفس والعین بالعین): ۶۸۷۸]

جان کے خوف سے کلمہ کفر کہنے والوں کی معافی کا حکم

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا حال اور ان کا حکم بیان فرمایا تھا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد شرح صدر سے کفر کیا اور جن لوگوں نے جان بچانے کے لیے زبانی طور سے کفر کیا تھا لیکن ان کا دل اسلام پر مطمئن تھا، ان کا حکم اب بیان فرما رہا ہے کہ جو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو گئے پھر انہوں نے ہجرت کی اور صبر کیا تو ان سے زبانی طور پر جو کفر سرزد ہوا تھا اللہ تعالیٰ اس کو بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کی راہ میں مشکلات اٹھائیں اور کفار کے مظالم برداشت کیے اور ہجرت کی اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مرتد ہو گئے تھے، فتح مکہ کے بعد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، انہوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس پناہ لی۔ حضرت عثمان بن عفانؓ ان کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لے کر آئے اور ان کی معافی چاہی۔ آپ نے ان کو معاف کر دیا، یہ دوبارہ اسلام لائے اور انہوں نے اسلام میں نیک عمل کیے۔ [1]

لیکن یہ تیسری تفسیر مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ مکی سورہ ہے اور یہ ہجرت کے کافی بعد کا واقعہ ہے۔

﴿ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾ ﴾

جس دن ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اپنی طرف سے جھگڑ رہا ہوگا اور ہر نفس کو

---

[1] اس کی تفصیل سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۸ اور سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۷۸، میں ہے۔

اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وہ دن اور وقت انصاف کامل کا ہوگا' دنیا کی طرح وہاں خیر وشر کو مخلوط اور حق و باطل کو باہم ملبوس کرنے کی قطعا حاجت نہ ہوگی اور وہ گھڑی ایسی نفسا نفسی کی ہوگی کہ کسی کو کسی دوسری توجہ کرنے کی مہلت ہی کب ہوگی ؟ بلکہ ہر شخص کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہوگی ۔ عذاب الٰہی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ سارے جتن کرے گا اگر انکار جرم میں اپنی سلامتی محسوس کرے گا تو بلا جھجھک مکر جائے گا اور کہے گا میں نے تو قطعا کوئی جرم کیا ہی نہیں تھا، میری ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں بسر ہوئی لیکن جب فرشتے اس کی زندگی کا مکمل ریکارڈ پیش کردیں گے اور اس کے اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء اس کی غلط کاریوں پر گواہی دیں گے تو پھر وہ اقبال جرم کرکے فورا معذرت خواہی کرنے لگے گا اور طرح طرح کے حیلے بہانے پیش کرے گا لیکن اس روز کسی قسم کی حیلہ سازی کام نہیں آئے گی ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا بدلہ دیا جائے گا' نیکوں کی نیکیاں فراموش نہیں کی جائیں گی بلکہ انہیں ان کا نیک بدلہ ملے گا اور بروں کی برائیاں اپنا رنگ لا کر رہیں گی اور انہیں سزا بھگتنا پڑے گی اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے وہ ظلم کیا ہے؟ ظلم یہی ہے کہ نیکوں کی نیکیاں فراموش کردی جائیں اور بروں کو ان کی برائیوں سے زیادہ سزا دی جائے' ایسا نہیں ہوگا اگر نیکوں کو انکی نیکیوں کا اجر ان کے حق سے زیادہ دیا جائے یا بروں کی سزا میں تخفیف کردی جائے تو یہ ظلم نہیں بلکہ ایسا عدل وانصاف ہے جو فضل وکرم کا آئینہ دار ہے اور اس کی شان کریمی کو یہی زیبا ہے اور یہی کچھ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گوشت لایا گیا، آپ نے اس میں سے ایک دستی اٹھالی، وہ آپ کو اچھی لگی اور آپ اس کو دانتوں سے کھانے لگے پھر آپ نے

فرمایا میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا جس میں وہ پکارنے والے کی آواز سن سکیں گے اور سب کو دیکھ سکیں گے، سورج ان کے قریب ہو جائے گا، لوگوں کو اس قدر رنج و غم ہوگا جس کو وہ برداشت نہیں کر سکیں گے، پھر وہ لوگ آپس میں کہیں گے تم دیکھ رہے ہو کہ تمہاری کیا حالت ہو چکی ہے۔ سنو کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو تمہارے رب کے پاس تمہاری شفاعت کرے، پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے۔ حضرت آدمؑ کے پاس جاؤ، پھر وہ حضرت آدمؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست اقدس سے پیدا کیا ہے اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے اور فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت کیجیے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہے؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ پس حضرت آدمؑ کہیں گے کہ آج میرا رب غضب میں ہے، وہ اتنے شدید غضب میں نہ پہلے تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ اور اس نے مجھے ایک درخت سے کھانے سے منع کیا تھا اور میں نے اس کی (بظاہر) معصیت کی، مجھے اپنے نفس کی کفر ہے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، نوح کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ حضرت نوحؑ کے پاس جا کر کہیں گے اے نوح! بیشک آپ زمین والوں کے سب سے پہلے رسول ہیں اور بیشک آپ نے آپ کا نام بہت شکر ادا کرنے والا بندہ رکھا ہے، آپ اپنے رب کی طرف ہماری شفاعت کیجیے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ حضرت نوح کہیں گے آج میرا سب سخت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور

بیشک میں نے اپنی قوم کے خلاف ایک دعا کی تھی، نفسی، نفسی، نفسی۔ تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے ابراہیمؑ! آپ اللہ کے نبی ہیں اور تمام زمین میں سے اللہ کے خلیل ہیں، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجیے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ وہ ان سے کہیں گے کہ آج میرا رب بہت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور میں نے (بظاہر) تین جھوٹے بولے تھے۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ۔

پھر وہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰؑ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے آپ کو رسالت سے اور اپنے کلام سے سرفراز کیا ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجیے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ وہ کہیں گے کہ بیشک آج میرا رب سخت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا تھا۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم حضرت عیسیٰؑ کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف القاء کیا تھا اور اس کی پسندیدہ روح ہیں اور آپ نے لوگوں سے پنگھوڑے میں کلام کیا تھا، آپ ہماری شفاعت کیجیے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ حضرت عیسیٰؑ کہیں گے کہ آج میرا رب بہت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا اور

نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور وہ کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اللہ نے آپ کے سب اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولی کاموں کی مغفرت کر دی ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجیے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے) فرمایا پھر میں عرش کے نیچے جاؤں گا اور اپنے رب کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا پھر اللہ عزوجل میرے لیے حمد وثنا کے ایسے کلمات کھول دے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے نہیں کھولے ہونگے، پھر مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، آپ سوال کیجیے آپ کو دیا جائے گا، آپ شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا اے میرے رب! میری امت، اے میرے رب! میری امت، پس کہا جائے گا اے محمد! آپ جنت کے دائیں دروازے سے اپنی امت کے ان لوگوں کو داخل کر دیجیے جن سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اور باقی دروازوں میں بھی وہ لوگوں کے شریک ہونگے۔ پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے جنت کی دو چوکھٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور بصری میں فاصلہ ہے۔ [1]

ا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧١٢، صحیح مسلم رقم الحڈیث: ١٩٤، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٣٤، مسند احمد ج ٢ ص ٤٣٥، ٤٣٥، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ٩٥٨٩، طبع جدید دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد رقم الحدیث: ٩٦٢٠، عالم الکتب بیروت، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٤٦٥، ابن مندہ رقم الحدیث: ٨٨٢، مصنف ابن ابی شیبہ ج ١١ ص ٤٤٤، مسند ابو عوانہ ج ١ ص ١٧٠، الاسماء والصفات للبیہقی ص ٣١٥، شرح السنہ رقم الحدیث: ٤٣٣٢، السنہ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ٨١١)

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا
رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ
لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ
ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ
الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ ﴾

(اور اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو امن والی تھی اور اطمینان کی حالت میں تھی، اس بستی میں اس کا رزق فراغت کے ساتھ ہر طرف سے آتا تھا، لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ نے ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا۔ (۱۲) اور بیشک ان کے پاس انہی

میں سے ایک رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس انھیں عذاب نے آ پکڑا اور وہ واقعی ظالم تھے۔(۱۳) پس اللہ نے جو تمہیں حلال وطیب روزی دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔(۱۴) بیشک اللہ نے تم پر (صرف) مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ چیز بھی جن پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ پھر جو کوئی مجبور ہو جائے اور وہ خواہش مند اور حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو تو اس کے لیے کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔(۱۵)

کفار مکہ پر بھوک اور خوف کو مسلط کرنا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کو آخرت کی وعید شدید سے ڈرایا تھا اور اس آیت میں ان کو دنیا کی شدید آفتوں اور مصیبتوں سے ڈرایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان پر قحط مسلط کر دیا جائے گا۔ جس بستی کی اس آیت میں مثال دی گئی ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے زمانہ ماضی کی کوئی بستی مراد ہو۔ جیسے حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط یا حضرت شعیب (علیہم السلام) کے زمانوں میں بستیاں تھیں جو بہت آرام اور خوشحالی سے رہتی تھیں پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر پر اصرار کیا تو ان کو دنیا میں آفتوں اور مصیبتوں نے آگھیرا اور ان پر قحط کی صورت میں بھوک اور پیاس کو مسلط کر دیا گیا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ کی بستیاں ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہ اور ابن زیدؒ سے روایت ہے کہ اس بستی سے مراد مکہ ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو بھوک کا لباس پہنا دیا، اس بھوک کی اذیت ان کے اجسام کو پہنچی اور ان کے اجسام کا اس طرح احاطہ کرلیا جس طرح لباس اجسام کا احاطہ کرتا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے خلاف دعا ضرر کی تھی جس کی وجہ سے ان پر کئی سال قحط طاری رہا، حتی کہ وہ مردار، چمڑہ اور اس کے بال بھی کھا جاتے تھے اور یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا تھی۔
نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دعائے ضرر کرنے کا ذکر اس حدیث میں ہے:
مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں کی شقاوت دیکھی تو آپ نے دعا کی اے اللہ! ان پر ایسے سات قحط کے سال مسلط فرما جیسے حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں قحط کے سات سال تھے۔ پھر ایسا قحط آیا جس سے سب چیزیں ختم ہوگئیں حتی کہ انہوں نے چمڑے، مردے، اور مردار بھی کھائے، ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اس کو آسمان دھوئیں کی طرح نظر آتا۔ ان دنوں میں حضرت سفیان نے آپ کے پاس آکر کہا اے محمد! آپ اللہ کا حکم ماننے اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہورہی ہے، آپ اس کے لیے اللہ سے دعا کیجیے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین۔ (الدخان: ۱۰) اس دن کا انتظار کرو جب آسمان کھلا ہوا دھواں لائے گا۔ [1]

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۰۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵٤)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین مکہ کی ہدایت کے لیے انھی میں سے ایک رسول آیا جس کے حسب نسب کو وہ لوگ جانتے تھے۔ اس رسول نے انھیں بھلائی کا حکم دیا اور برائی سے روکا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی اور کہا کہ تم رسول نہیں، تو اللہ کے عذاب نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ لوگ بڑے ہی ظالم تھے کہ اپنے لیے ابدی عذاب کا سبب بنے اور دوسروں کو بھی راہ حق سے روکا۔ ارشاد فرمایا:

(كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۵۱ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ)[البقرۃ:۱۵۱،۱۵۲] "جس طرح ہم نے تم میں ایک رسول تمھی سے بھیجا ہے، جو تم پر ہماری آیات پڑھتا اور تمھیں پاک کرتا اور تمھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور تمھیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔ سو تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری مت کرو۔"

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ حلال اور پاک رزق کھائیں اور اس کا شکر بجالائیں کہ اس منعم حقیقی نے اپنے فضل وکرم سے رزق عطا فرمایا ہے اور وہ وحدہ لاشریک لہ ہی مستحق عبادت ہے۔ سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا بندہ جب کوئی چیز کھائے تو اس پر اس کا شکر ادا کرے اور (اسی طرح) جب کوئی چیز پیے تو اس پر اس کا شکر ادا کرے۔"[1]

امام عبدالرحمن جوزیؒ نے فرمایا اس کی دو تفسیریں ہیں: جمہور مفسرین نے کہا اس آیت کے مخاطب

---

[1]۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الأکل والشرب: ۲۷۳۴]

مسلمان ہیں۔اور فراء وغیرہ نے کہا اس آیت کے مخاطب اہل مکہ اور مشرکین ہیں۔ جب اہل مکہ کی بھوک بہت بڑھ گئی تو ان کے سرداروں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا اگر آپ کو مردوں سے دشمنی ہے تو عورتوں اور بچوں کا کیا قصور ہے؟ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں کو اجازت دی کہ ان کے پاس غلہ لے جائیں۔ [1]

ارشاد فرمایا: (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)[المائدۃ:۳] "تم پر مردار حرام کیا گیا ہے اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے والا جانور اور جسے چوٹ لگی ہو اور گرنے والا اور جسے سینگ لگا ہو اور جسے درندے نے کھایا ہو، مگر جو تم ذبح کرلو۔ اور جو تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو۔" اور فرمایا: (قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)[الانعام:۱۴۵] "کہہ دے میں اس وحی میں، جو میری طرف کی گئی ہے، کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا جسے وہ کھائے، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو،

۱۔(زادالمسیر ج ۴ ص ۵۰۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

یا خنزیر کا گوشت ہو کہ بیشک وہ گندگی ہے، یا نافرمانی (کا باعث) ہو، جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، پھر جو مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ حد سے گزرنے والا تو بیشک تیرا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ ﴾

اور جھوٹ مت کہا کرو جو تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھ لو گے، بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ (۱۱۶) ان کے لیے (دنیا کا) فائدہ بہت تھوڑا ہے اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۱۱۷)

کسی انسان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام بنا لے، ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس نے جس چیز کو چاہا حلال بنایا اور جسے چاہا حرام بنایا، لیکن مشرکین عرب کا دستور تھا کہ وہ بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام قرار دیتے تھے۔ جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی وغیرہ جانور،

جنھیں وہ اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کا گوشت کھانا حرام سمجھتے تھے۔ انھی مشرکوں کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اللہ کے بارے میں جھوٹ نہ بولا کرو اور اپنی طرف سے چیزوں اور جانوروں پر حلال اور حرام کا حکم نہ لگایا کرو۔ یہ اللہ کے خلاف افترا پردازی ہوگی کہ اس نے تو ایک چیز کو حلال بنایا اور تم اسے حرام کہتے ہو اور جو اللہ کے بارے میں جھوٹ بولے گا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ اگر ایسے لوگ دنیا میں کھا پی رہے ہیں اور ظاہری طور پر ٹھاٹھ سے رہ رہے ہیں تو اس سے کسی کو دھوکا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بڑے کامیاب ہیں۔ یہ دنیا تو بالکل عارضی چیز ہے، مرنے کے بعد دردناک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ : ارشاد فرمایا : (نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ)[لقمان: ٢٤] ”ہم انھیں تھوڑا سا سامان دیں گے، پھر انھیں ایک بہت سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔“ اور فرمایا: (قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ)[یونس: ٦٩، ٧٠] ”کہہ دے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے، پھر ہم انھیں بہت سخت عذاب چکھائیں گے، اس کی وجہ سے جو وہ کفر کرتے تھے۔“ یہ آیت کریمہ ہر اس مفتی کو بھی شامل ہے، جو اللہ کی کتاب یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کے خلاف فتویٰ دے، جیسا کہ بہت سے وہ لوگ کرتے ہیں جو کسی امام کی رائے کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں، یا وہ لوگ جو کتاب وسنت کے علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے تو وہ یقین کر لے کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔"[1]

﴿ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾ ﴾

اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جو ہم نے پہلے تم کو بتائیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔

کفار مکہ کو یہ اعتراض تھا کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں تو بہت سی چیزیں حرام ہیں جن کو تم نے حلال کر رکھا ہے، اگر وہ شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اور تمہاری شریعت بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے تو دونوں میں یہ اختلاف کیوں ہے؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہود پر جو کچھ ہم نے حلال وحرام کیا تھا وہ تو بالکل وہی ہے جو ہم نے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حلال وحرام ٹھہرایا ہاں! یہود نے حلت وحرمت میں بداعتدالیاں کیں اور ان کو انکی بداعتدالیوں کی سزا کے طور پر بعض چیزیں حرام کی گئی تھیں اور جو کچھ کسی قوم کی سزا کے لیے کیا جاتا ہے وہ کبھی مستقل قانون نہیں قرار پا جاتا۔ وہ لوگ تو بالکل ضدی تھے اور اپنی ضد ہی کے باعث انہوں نے خود بہت سی چیزیں اپنے لیے حرام ٹھہرالیں تو ہم نے ان کو سزا کے طور پر نافذ کر دیا کہ اگر تم کنوئیں میں گرنا ہی چاہتے ہو تو جلدی کرو تاکہ ہم تم پر جلدی مٹی ڈال دیں، یہود کی حلت وحرمت میں بداعتدالیوں کی پوری تفصیل سورہ الانعام کی آیت ۱۴۶ میں بیان

۱۔[مسلم، المقدمۃ، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۳]

کی گئی ہے وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

﴿ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ ﴾

پھر بیشک آپ کا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نادانی سے برے عمل کئے پھر اسکے بعد انہوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی، بیشک تمہارا رب اس کے بعد البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۱۹) بیشک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے پیشوا تھے۔اللہ کے بڑے فرماں بردار اور یکسو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔(۱۲۰) اس کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار تھے۔ اللہ نے اس کو منتخب کر لیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔

(۱۲۱)اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دنیا میں بھی خوبیاں عطا کی تھیں اور یقیناوہ آخرت میں بھی اعلیٰ درجہ کے صالح لوگوں میں سے ہوگا۔(۱۲۲)(پھر ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کیجیے جو بالکل یکسو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔(۱۲۳)

گزشتہ آیات کریمہ میں پروردگار نے مشرکین مکہ کے مختلف اعتراضات کا جواب دیا اور ان کے مشرکانہ رویئے پر تنقید بھی کی اور انھیں ان کے انجام سے بھی ڈرایا۔اب اس آیت کریمہ میں اچانک ایک بشارت کے ذریعے رحمت کا روزن کھولا جارہا ہے اور ان لوگوں کو بہتر زندگی کی بشارت دی جارہی ہے جنھوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانے والوں پر ظلم توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ایسی ہی باتوں کو دیکھ کر آدمی کو بے ساختہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوئی ہے ورنہ کسی انسان میں یہ حوصلہ کہاں کہ وہ ان لوگوں کے لیے رحمت کے دروازے کھولے جو اس کے خون کے پیاسے ہوں اور وہ اس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نوید دے جس کی وحدانیت بھی انھیں گوارا نہیں۔وہ ان کی تمام تر دشمنی اور اذیت رسانی کے باوجود انھیں یہ خبر دے رہا ہے کہ تم نے اپنی حماقت سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھ لیا ہے اور ہر ممکن طریقے سے انھیں نقصان پہنچانے میں لگے رہتے ہو اور جو آب حیات وہ تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں تم اسے زہر قاتل سمجھتے ہو۔وہ تمہیں دعائیں دیتے ہیں اور تم انھیں گالیاں دیتے ہو،ان کو اور ان کے خدا کو از اول تا آخر تمہاری بہتری منظور ہے۔اس لیے اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ اے

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تیرا اب اپنی ربوبیت کا حوالہ دے کر ان نادانوں سے یہ کہتا ہے کہ جس طرح تمہارے رب نے تمہاری ہر طرح کی سرکشی کے باوجود تمہاری روزی بند نہیں کی اور اس کے ربوبیت کے فیضان میں کوئی کمی نہیں آئی، اسی طرح تم اب تک اپنی زندگی میں جو کچھ بھی برائیاں اختیار کر چکے ہو اور تم نے اپنی ہمہ گیر جہالت کے باعث نہ جانے کیسے کیسے تعصّبات پال رکھے ہیں اور انھیں تعصّبات کے نتیجے میں تم ہمارے پیغمبر پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہو حالانکہ وہ راتوں کو تمہاری ہدایت کے لیے دعائیں مانگتا ہے اور تم اس کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہو۔ ہر طرح کا دکھ پہنچانے میں تمہیں دریغ نہیں لیکن یاد رکھو تم جو کچھ بھی کر چکے ہو بظاہر وہ ناقابل معافی دکھائی دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے التفات کو پھیرا نہیں۔ اس کا گوشہ التفات برابر کھلا ہے۔ ادھر سے برابر آواز آرہی ہے کہ تم یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد بھی اگر توبہ کرلو، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آؤ اور اپنی زندگی کی اصلاح کا عزم کرلو تو یقین جانو اس کی طرف سے مغفرت فرمانے میں دیر نہیں کیونکہ وہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ابراہیم کی صفات سے مشرکین کے خلاف استدلال

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بدعقیدگیوں کا رد فرمایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک مانتے تھے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت اور رسالت پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بنانا ہوتا تو فرشتوں میں سے کسی کو رسول بناتا اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے انکو حلال کہتے تھے، اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا ہے ان کو حرام کہتے تھے۔ ان کے ان باطل نظریات کا رد بلیغ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اب ایک اور طریقہ سے اپنی توحید اور

سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کو ثابت فرماتا ہے، اور اس کی تقریر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم سب سے بڑے موحد تھے اور توحید کے علمبردار تھے۔ انہوں نے تمام لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک کی جڑیں کاٹ دیں اور مکہ کے مشرکین ان پر فخر کرتے تھے اور ان کے دین کے برحق ہونے کے معترف تھے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ ان کی اقتدا کرنا واجب ہے، تو ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا ذکر فرمایا کہ تم اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہو، ان کے بنائے ہوئے کعبہ کی تولیت کے دعویدار ہو تو پھر ان کے طریقہ پر عمل کر، وہ اللہ کے رسول تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو رسالت کے لیے منتخب فرمایا اور ایک بشر اور انسان کو رسول بنایا تو مان لو کہ انسانوں کے لیے انسان ہی رسول بنایا جاتا ہے، فرشتہ کو رسول نہیں بنایا جاتا، ان کی طرف اللہ وحی نازل فرماتا تھا سو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی رسالت کے لیے منتخب فرمایا ان پر وحی نازل فرمائی اور ان کو بکثرت معجزات عطا فرمائے۔ پس ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی ایسی صفات بیان فرمائیں جو سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر منطبق ہوتی ہیں۔

امت کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک ابراہیم ایک امت تھے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ جماعت کو کسی ایک امر میں مجتمع ہو، اس کو امت کہتے ہیں۔ خواہ ان کا دین ایک ہو یا ان کا زمانہ ایک ہو یا ان کی جگہ ایک ہو، اور خواہ وہ اس چیز میں اپنے اختیار سے مجتمع ہوں یا بغیر اختیار کے۔ مثلاً دین میں اختیار سے جمع ہوں گے اور کسی ایک زمانہ کے لوگ یا کسی ایک ملک یا شہر کے لوگ غیر اختیاری طور پر مجتمع

ہوں گے کیونکہ وہ ایک زمانہ میں یا ایک ملک میں پیدا ہوئے۔

کان الناس امۃ واحدۃ۔(البقرہ:۱۲۳) تمام لوگ ایک صنف اور ایک طریقہ پر تھے۔

یعنی سب لوگ کفر اور گمراہی میں مجتمع تھے۔

ولوشاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ۔(ھود:۱۱۸) اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔

یعنی تمام لوگوں کو ایمان میں مجتمع کر دیتا۔

وادکر بعد امۃ۔(یوسف:٤٥) اس (ساقی) کو ایک عرصہ کے بعد یوسف یاد آیا۔

امت کا معنی ہے ایک زمانہ کے لوگوں کے ختم ہونے کے بعد یا ایک عصر کے لوگوں کے گزرنے کے بعد، اور یہاں مراد ہے لمبی مدت گزرنے کے بعد۔

ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ۔(النحل:۱۲۰) بیشک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے۔

یعنی وہ ایک ایسے شخص تھے جو اللہ کی عبادت کرنے میں ایک جماعت کے قائم مقام تھے، پوری امت ملکر جتنی عبادت کرتی، وہ تنہا اتنی عبادت کرتے تھے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت سعید بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے اور حضرت عمر بن خطاب نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا: وہ اکیلا قیامت کے دن ایک امت کے طور پر آئے گا۔[1]

۱۔(مسند ابو یعلی رقم الحدیث:۹۷۳، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے) (المفردات ج۱ ص۲۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱٤۱۸ھ)

حضرت ابراہیمؑ کو امت فرمانے کی توجیہات

۱۔حضرت ابراہیم پر جو امت کا اطلاق کیا گیا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ایک قوم یا ایک امت ملکر جتنے نیکی کے کام کرتی یا جتنی عبادت کرتی، حضرت ابراہیم تنہا اتنی عبادت کرتے تھے اور اتنے نیکی کے کام کرتے تھے۔

۲۔مجاہد نے کہا حضرت ابراہیم اپنے ابتدائی دور میں صرف ایک مومن تھے اور باقی تمام لوگ کافر تھے، اس لیے وہ اپنی ذات میں امت تھے، جیسے آپ نے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق فرمایا وہ قیامت کے دن ایک امت کے طور پر اٹھایا جائے گا۔ [۱]

۳۔شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں روئے زمین کبھی ایسے چودہ آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دور کرتا ہے اور ان کی برکت کو ظاہر فرماتا ہے، سوائے حضرت ابراہیم کے وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک مومن تھے۔ [۲]

۴۔امت کا معنی یہاں پر یہ ہے جس کی اقتدا کی جائے اور وہ امام ہو یا مصدر مفعول کے معنی میں ہے جیسے خلق مخلوق کے معنی میں ہے سو امت ماموم کے معنی میں ہے۔یعنی امام۔قرآن مجید میں ہے انی جاعلک للناس امام۔(البقرہ:۱۲٤)

۵۔حضرت ابراہیم کے سبب سے ان کی امت توحید اور دین حق میں دوسری امتوں سے ممتاز ہوئی اور چونکہ وہ امامت کے امتیاز کا سبب تھے اس وجہ سے ان کو امت کہا گیا۔

۱۔(زاد المسیر ج ٤ ص ۵۰۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۲٦۸۲)

۲۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱٦۵۸۸)

۶۔امت کا ایک معنی ہے نیکی اور خیر کی تعلیم دینے والا، حدیث میں ہے:

فروہ بن نوفل اشجعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے کہا کہ حضرت معاذ ایک امت تھے، اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار باطل سے مجتنب، میں نے دل میں کہا ابوعبدالرحمن نے غلط کہا، اللہ تعالیٰ نے تو حضرت ابراہیم کے لیے فرمایا ہے ان ابراہیم کان امۃ قانتا للہ، حضرت ابن مسعود نے کہا تم جانتے ہو کہ امت کا کیا معنی ہے اور قانت کا کیا معنی ہے؟ میں نے کہا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ انہوں نے کہا امت وہ شخص ہے جو نیکی اور خیر کی تعلیم دے اور قانت وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرنے والا ہو اور حضرت معاذ نیکی اور خیر کی تعلیم دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ [1]

﴿ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ ﴾

بیشک ہفتہ کے دن کی تعظیم ان لوگوں پر واجب تھی جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور بیشک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

یہودیوں کا ہفتہ کو اور عیسائیوں کا اتوار کو عبادت کے لیے مخصوص کرنا

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۶۵۸۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث:۹۹۴۳، المطالب العالیہ رقم الحدیث:۳۶۶۵، المستدرک رقم الحدیث:۳۴۱۸)

ہفتہ کے دن جو انہوں نے اختلاف کیا تھا، اس کی تفصیل میں امام عبدالرحمن جوزی متوفی ۵۹۳ ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ نے بنواسرائیل سے فرمایا ہفتہ کے دنوں میں سے ایک دن اللہ کے لیے فارغ کرلو اور جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس دن تم اپنے کاموں میں سے کوئی کام نہ کرو۔ انہوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ہم اسی دن کو عبادت کے لیے مقرر کرنا چاہتے ہیں جس دن اللہ تعالیٰ مخلوق کی تخلیق سے فارغ ہو گیا اور وہ ہفتہ کا دن ہے۔ پس ان کے لیے ہفتہ کا دن مقرر کر دیا گیا پھر ان پر اس دن کی عبادت کرنے میں سختی کی گئی۔ یہ ابوصالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے، اور مقاتل نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے ان کو جمعہ کا دن عبادت کے لیے مقرر کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا ہم ہفتہ کے دن کو فارغ کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن میں کوئی چیز پیدا نہیں کی، حضرت موسیٰ نے فرمایا مجھے تو جمعہ کے دن کا حکم دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے علما نے کہا تم اپنے نبی کے حکم کی تعمیل کرو۔ بنواسرائیل نے اپنے علما کے حکم کو بھی ماننے سے انکار کر دی اور یہ ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، جب حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ یہ ہفتہ کے دن کو مقرر کرنے پہ بہت حریص ہیں تو آپ نے انہیں ہفتہ کے دن کو مقرر کرنے کا حکم دے دیا، اور انہوں نے اس دن میں گناہ کرنے شروع کر دیئے، اور قتادہؒ نے کہا ہے کہ بعض یہودیوں نے ہفتہ کے دن کو حلال قرار دیا اور بعض نے حرام قرار دیا۔ [1]

امام رازیؒ نے لکھا ہے ان کے بعد حضرت عیسیٰ آئے، ان کو بھی جمعہ کے دن کا حکم دیا گیا، نصاری نے کہا ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری عید ان کی عید سے پہلے ہو اور انہوں نے اتوار کا دن اپنا لیا۔ [2]

۱۔ (زادالمسیر ج ۴ ص ۵۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

۲۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۸۶، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں کا جمعہ کے دن کی ہدایت کو پانا

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم (بعثت میں) آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہونگے۔ البتہ ان کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے پھر یہ (جمعہ کا دن) وہ دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا تھا، انہوں نے اس دن میں اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دن کی ہدایت دے دی، لوگ اس (دن) میں ہمارے تابع ہیں، یہود (جمعہ کے بعد) اگلا دن مانتے ہیں اور نصاریٰ اس کے بعد والا دن۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: "ہم سب امتوں کے بعد دنیا میں آئے، لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہونگے، فرق صرف یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ہم سے پہلے کتاب ملی، پھر یہی جمعہ کا دن ان کے لیے بھی مقرر ہوا تھا، لیکن انھوں نے اس میں اختلاف کیا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ دن عنایت فرما دیا، لہٰذا سب لوگ ہمارے پیچھے ہو گئے، یہودیوں کا دن کل ہے اور نصاریٰ کا پرسوں۔" [2]

سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو لوگ ہم سے پہلے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو جمعہ کے دن سے محروم کر دیا تو یہود کا دن ہفتہ اور نصاریٰ کا دن اتوار مقرر ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھیجا اور جمعہ کے لیے ہم کو ہدایت دی، غرض یہ کہ جمعہ، ہفتہ اور اتوار کے دن مقرر ہوئے اور اسی ترتیب کے لحاظ سے وہ (یہودی و نصاریٰ) قیامت کے روز ہمارے پیچھے

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۶۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۹۵، عالم الکتب)

۲۔ [بخاری، کتاب الجمعۃ، باب فرض الجمعۃ: ۸۷۶۔ مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ھدایۃ ھذہ الأمۃ لیوم الجمعۃ: ۸۵۵]

رہیں گے۔ دنیا میں ہم سب سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہمارا فیصلہ ہوگا۔"[1]

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن انھیں دین میں اختلاف کرنے، زمین میں فساد پھیلانے اور راہ حق سے برگشتہ ہونے کا بدلہ ضرور دے گا۔

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۲۵ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶ ﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بہت اچھے طریقے کے ساتھ بحث کرو۔ یقیناً آپ کا رب زیادہ جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جاننے والا ہے۔ (۱۲۵) اور اگر ان سے سختی بھی کرو تو اتنی کہ جتنی تم سے کی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت ہی بہتر

---

[1]۔ [مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ھدایۃ ہذہ الأمۃ لیوم الجمعۃ: ۸۵۶]

ہے۔(۱۲۶)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیا ہے کہ وہ مخلوق کو اس کے دین کی طرف حکمت و دانائی کے ساتھ بلائیں، لیکن اگر داعی الی اللہ کا واسطہ کبھی سخت اور جھگڑالو مخالف سے پڑ جائے تو اس کے سامنے حق کو بیان کرنے کے لیے مناظرانہ اسلوب اختیار کرنا پڑے تو وہ بھی بہترین اور سب سے اچھا ہی ہونا چاہیے۔(وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ) میں اسی طرف اشارہ ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حق کی دعوت کو قبول نہیں کرتا تو آپ پریشان نہ ہوں، اس لیے کہ ہدایت دینا آپ کا کام نہیں ہے۔اللہ زیادہ جانتا ہے کہ گمراہی پر کون باقی رہے گا اور کون ہدایت کو قبول کرے گا اور وہ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی ہدایت یا گمراہی کے مطابق بدلہ دے گا۔اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت نرمی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:(اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿43﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى) [طٰہٰ: ۴۳، ۴۴] ”دونوں فرعون کے پاس جاؤ، بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے۔ پس اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کر لے، یا ڈر جائے۔“ اور فرمایا: (وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ) [حٰمٓ السجدۃ: ۳۳] ”اور بات کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ بیشک میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔“

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا، اے ابو عبدالرحمن! میری آرزو یہ ہے کہ آپ ہر روز ہمیں وعظ و نصیحت کیا

کریں۔انھوں نے کہا،کوئی چیز مجھے اس کام سے نہیں روکتی مگر یہ کہ میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ تم اکتا جاؤ۔میں اسی طرح وقفے سے تم کو نصیحت کرتا ہوں،جس طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں وقفے کے ساتھ نصیحت کرتے تھے،اس ڈر سے کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں۔[1]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:"آسانی پیدا کرو،سختی میں نہ ڈالو،خوشخبری سناؤ،نفرت نہ دلاؤ۔"[2]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:"اے عائشہ!اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت ابھی تازہ تازہ نہ گزرا ہوتا تو میں کعبہ کو گرانے کا حکم دیتا اور جتنا حصہ اس میں سے نکال دیا گیا ہے (یعنی حطیم) وہ بھی شریک تعمیر کر دیتا۔مزید برآں اس کی کرسی زمین کے برابر کر دیتا اور اس میں ایک مشرقی اور ایک مغربی دو دروازے رکھتا،اس طرح ابراہیم (علیہ السلام) کی بنیاد پر اس کی تعمیر ہو جاتی۔"[3]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا کہ کیا احد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ آپ نے فرمایا:"عائشہ!میں نے تیری قوم (قریش) کی طرف سے کتنی ہی تکلیفیں سہی ہیں،لیکن اس سارے دور میں سب سے سخت دن مجھ پر عقبہ کا دن گزرا ہے،جس دن میں نے (رئیس طائف) عبد یالیل بن عبد کلال کو تبلیغ کی تو اس نے میرا کہنا نہ مانا،تو میں رنجیدہ خاطر ہو کر وہاں سے لوٹا اور جب قرن اس میں سے صرف ثعالب میں پہنچا تو ذرا ہوش آیا۔میں

۱۔[بخاری،کتاب العلم،باب من جعل لأھل العلم أیاما معلومۃ:۷۰۔مسلم،کتاب صفات المنافقین،باب الاقتصاد فی الموعظۃ:۲۸۲۱/۸۳]

۲۔[بخاری،کتاب العلم،باب ما کان النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یتخولھم بالموعظۃ۔۔الخ:۶۹]

۳۔[بخاری،کتاب الحج،باب فضل مکۃ وبنیانھا وقولہ تعالیٰ۔۔الخ:۱۵۸۶]

نے اوپر سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے اور اس میں جبرائیل (علیہ السلام) موجود ہیں۔ وہ مجھے پکار کر کہنے لگے، اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں سن لیں جو آپ کی قوم نے آپ سے کیں اور جو جواب آپ کو دیا، اب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ ان (لوگوں کے سلسلہ) میں آپ جو چاہیں ان کو حکم دیں۔ اسی اثنا میں پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے پکارا اور سلام کیا۔ اس نے کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں سن لیں جو آپ کی قوم نے آپ سے کیں، میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ آپ اپنے کام کا جو آپ چاہیں مجھے حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں اخشبین (دو پہاڑوں) کو ملا کر ان کو پیس دوں۔" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے فرمایا: "نہیں، مجھے امید ہے (اگر یہ لوگ راہ راست پر نہ بھی آئے تو کوئی بات نہیں) ان کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔"[1]

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ: یعنی وہ جانتا ہے کہ بد بخت کون ہے اور نیک بخت کون؟ لہٰذا انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت تو دیں، لیکن ان میں سے جو گمراہ ہو جائے اور دعوت الی اللہ کو قبول نہ کرے تو اس پر غم کھاتے ہوئے اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں، کیونکہ انھیں ہدایت دینا آپ کے اختیار میں نہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ) [القصص: ٥٦] "بیشک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو زیادہ

---

[1]۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، بابٌ: إذا قال أحدکم آمین۔۔الخ: ٣٢٣١۔ مسلم، کتاب الجهاد، باب ما لقی النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ١٧٩٥]

جاننے والا ہے۔" اور فرمایا: (لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ) [البقرۃ: ۲۷۲] "تیرے ذمے انھیں ہدایت دینا نہیں اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔"

شان نزول: (آیت) "۔وان عاقبتم فعاقبوا بمثل"۔(الخ)

امام حاکمؒ نے اور بیہقیؒ نے دلائل میں اور بزارؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت حمزہؓ شہید کر دے گئے تو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے پاس کھڑے ہوئے تھے اور مشرکین نے حضرت حمزہؓ کا مثلہ یعنی ناک دکان ڈالے تھے تو آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا میں ان کے بدلے میں کفار میں سے ستر آدمیوں کو قتل کروں اور تو آپ اسی حالت میں کھڑے تھے تو جبرائیل امین سورہ نحل کی ان آخری آیتوں کو لے کر تشریف لائے یعنی اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا کہ تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا سو ان آیتوں کے نزول کے بعد رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

نیز امام ترمذیؒ نے تحسین کے ساتھ اور امام حاکم نے ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں انصار میں سے چونسٹھ اور مہاجرین میں سے چھ حضرات شہید ہوئے ان میں حضرت حمزہؓ بھی تھے، سب کا مثلہ کر دیا گیا تھا یہ منظر دیکھ کر انصار کہنے لگے کہ اگر آج کے کی طرح کسی دن ہمیں ان ان پر موقع مل گیا تو ہم ان کی اس سے زیادہ بری حالت کر دی گے چنانچہ جب فتح مکہ کا دن آیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس حدیث سے آیت کا نزول فتح مکہ تک موخر معلوم ہوتا ہے اور اس سے پہلے جو حدیث روایت کی ہے اس سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ یہ آیت غزوہ احد میں نازل ہوئی ہے۔

غرض کہ ابن حصار نے تمام روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ بات یاد دلانے کے لیے اس آیت کو دوبارہ نازل فرمایا ہے چنانچہ اولا مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور پھر غزوہ احد میں اور پھر فتح مکہ کے دن نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ قصاص کے وقت اور اپنا حق وصول کرتے وقت عدل وانصاف کا معاملہ کیا جائے اور بہر حال بہتر یہی ہے کہ جس پر زیادتی ہوئی ہے وہ صبر کرے اور عفو ودرگزر سے کام لے۔ سیدنا ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد میں چونسٹھ (۶۴) انصاری شہید ہوئے اور چھ مہاجر، تو (کچھ) اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہا کہ جب ہم ان مشرکوں پر غلبہ پائیں گے تو ہم بھی ان کے ٹکڑے کیے بغیر نہ رہیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ والے دن ایک شخص نے کہا، آج کے دن کے بعد قریش پہچانے بھی نہ جائیں گے، تو اس وقت اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایک منادی نے اعلان کیا کہ کسی کالے اور سفید کو قتل نہ کیا جائے، سوائے فلاں فلاں کے اور اس نے چند لوگوں کے نام لیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: (وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ) [النحل: ۱۲۶] "اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف دی گئی ہے اور بلاشبہ اگر تم صبر کرو تو یقیناً وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔" تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسی وقت فرمایا: "ہم صبر کرتے ہیں اور بدلہ نہیں لیتے۔"[1]

﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ

---

[1] [مسند أحمد: ۵/ ۱۳۵، ح: ۲۱۲۸۷۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ النحل: ۳۱۲۹]

ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے سہارے پر ہے اور اوران پر غم نہ کیجیے اور یہ لوگ جو کچھ تدبیر کرتے ہیں اس کے بارے میں تنگ دل نہ ہو جایئے۔ (۱۲۷) بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ان لوگوں کے جو نیکی کرنے والے ہیں۔ (۱۲۸)

عام مسلمانوں کو تو انتقام لینے کی مشروط اجازت دی گئی لیکن اپنے محبوب مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ارشاد فرمایا کہ اے سراپا جود و کرم! آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر حالت میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ آپ پر ظلم و ستم کی انتہا ہی کیوں نہ کر دی جائے۔ آپ کا شعار عفو و درگزر ہی رہے۔ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ان کی سازشوں سے آپ دلگیر نہ ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ خود اسلام کی ترقی کا ضامن ہے۔ وہی کفار کے منصوبوں کو اپنی قدرت کاملہ سے خاک میں ملاتا رہے گا۔ ضیق اور ضیق۔ ضاق یضیق کے مصدر کی دونوں لغتیں ہیں۔ دونوں کا معنی غم واندوہ ہے۔ والمراد انما ھو الغم فالصحیح ما قالوا انھما لغتان بمعنی (مظہری) قال الاخفش الضیق والضیق مصدر وضاق یضیق (قرطبی) بعض نے دونوں میں فرق بتایا ہے۔ ضیق کا معنی دل کا غم گین ہونا اور صیق کا معنی مکان یا پکڑے وغیرہ کا تنگ ہونا۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دعوت اسلام کی راہ میں جو تکلیفیں پہنچتی تھیں، اللہ نے انھیں ان پر صبر کرنے کی نصیحت کی ہے اور کہا ہے کہ اگر مشرکین مکہ اسلام قبول نہیں کرتے تو آپ غم نہ کھائیں اور ان کی سازشوں کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی اور آپ کا حامی و ناصر ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے ان بندوں کا معین و مددگار رہتا ہے جو خیر کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں، ان کی حفاظت کرتا ہے اور انھیں ان کے دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے۔ ارشاد فرمایا: (فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا) [الکھف: ٦] "پس شاید تو اپنی جان ان کے پیچھے غم سے ہلاک کر لینے والا ہے، اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے۔" اور فرمایا: (فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ) [فاطر: ٨] "سو تیری جان ان پر حسرتوں کی وجہ سے نہ جاتی رہے۔ بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔"

"سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا کہ کیا احد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ آپ نے فرمایا: "عائشہ! میں نے تیری قوم (قریش) کی طرف سے کتنی ہی تکلیفیں سہی ہیں، لیکن اس سارے دور میں سب سے سخت دن مجھ پر عقبہ کا دن گزرا ہے جس دن میں نے (رئیس طائف) عبد یالیل بن عبد کلال کو تبلیغ کی تو اس نے میرا کہنا نہ مانا، تو میں رنجیدہ خاطر ہو کر وہاں سے لوٹا اور جب قرن ثعالب میں پہنچا تو ذرا ہوش آیا۔ میں نے اوپر سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے اور اس میں جبرائیل (علیہ السلام) موجود ہیں۔ وہ مجھے پکار کر کہنے لگے، اللہ نے وہ باتیں سن لیں جو آپ کی قوم نے آپ سے کیں اور جو جواب آپ کو دیا، اب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ ان (لوگوں کے سلسلہ) میں آپ جو

چاہیں ان کو حکم دیں۔ اسی اثنا میں پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے پکارا اور سلام کیا۔ اس نے کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ نے وہ باتیں سن لیں جو آپ کی قوم نے آپ سے کیں، میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ آپ اپنے کام کا جو آپ چاہیں مجھے حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں اخشبین (دو پہاڑوں) کو ملا کر ان کو پیس دوں۔" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے فرمایا: "نہیں، مجھے امید ہے (اگر یہ لوگ راہ راست پر نہ بھی آئے تو کوئی بات نہیں) ان کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔"[1]

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مرتبہ مال تقسیم کیا تو ایک آدمی کہنے لگا، اس تقسیم میں رضائے الٰہی کا خیال نہیں رکھا گیا، تو میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور انھیں اس بات کی خبر دی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو غصہ آیا، حتیٰ کہ میں نے غصے کے آثار آپ کے چہرے پر دیکھے، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ موسیٰ (علیہ السلام) پر رحمت کی برکھا برسائے، ان کو اس سے بھی بڑھ کر مصائب کا سامنا کرنا پڑا، پھر بھی ان کے ہاتھ سے دامن صبر نہ چھوٹا تھا۔"[2]

سیدنا خباب بن ارتؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں شکایت کی، آپ کعبہ کے سائے میں ایک چادر لپیٹے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کی، آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد کیوں طلب نہیں کرتے؟ آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا کیوں نہیں مانگتے؟ آپ سیدھے

۱۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، بابٌ: إذا قال أحدکم آمین۔۔الخ: ۳۲۳۱۔ مسلم، کتاب الجهاد، باب ما لقی النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۱۷۹۵]

۲۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، بابٌ: ۳۴۰۵]

ہو کر بیٹھ گئے، آپ کے رخ زیبا پر لالی چھا گئی تھی، آپ نے فرمایا: "تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی کو پکڑ کر زمین میں اس کے لیے گڑھا کھودا جاتا تھا، آدمی اس میں گاڑ دیا جاتا، پھر آرا اس کے سر پر رکھ کر اسے دولخت کر دیا جاتا اور یہ ظلم وستم بھی اسے دین حق سے پھیر نہ سکی اور پھر لوہے کی کنگھی اس کے جسم پر پھیری جاتی، جو اس کا گوشت ہڈیاں اور پٹھے الگ کر دیتی، پھر بھی یہ ستم رانی اسے دین سے نہ پھیر سکی۔ اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت (یمن کے شہر ہیں) تک محو سفر ہوگا اور اسے اللہ کے سوا کوئی خوف نہیں ہوگا، یا صرف بھیڑیے کا خوف ہوگا کہ کہیں اس کی بکریوں کو نہ کھا جائے، لیکن تم (اے خباب!) جلدی کر رہے ہو۔"[1]

تا قیامت: دعاؤں کا طلب گار

ڈاکٹر اسلامی ریسرچ اسکالر محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

---

[1]۔[بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی ال إسلام: ۳۶۱۲، ۳۸۵۲]